خون کے آنسو
خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ
رضوی کتاب گھر دہلی

هو اللہ
وہ اللہ
الوھاب
بہت دینے والا
الحلیم
بردبار
الذی لا الٰہ
کہ نہیں کوئی معبود
الرزاق
رزق دینے والا
العظیم
بزرگ
الا ھو
مگر وہی
الفتاح
کھولنے والا
الغفور
بخشنے والا
الرحمٰن
بڑا مہربان
العلیم
جاننے والا
الشکور
شکر پسند
الرحیم
نہایت رحم والا
القابض
بند کرنے والا
العلی
بلند
الملک
بادشاہ
الباسط
کھولنے والا
الکبیر
بڑا
القدوس
پاک
الخافض
پست کرنے والا
الحفیظ
نگہبان
السلام
سلامت رکھنے والا
الرافع
بلند کرنے والا
المقیت
قوت دینے والا
المؤمن
امن دینے والا
یا اللہ جل جلالہ
الحسیب
کافی
المہیمن
نگہبان
الجلیل
بزرگ
العزیز
غالب
المعز
عزت دینے والا
الکریم
سخی
الجبار
زبردست
المذل
ذلت دینے والا
الرقیب
نگہبان
المتکبر
بڑائی والا
السمیع
سننے والا
المجیب
قبول کرنے والا
الخالق
پیدا کرنے والا
البصیر
دیکھنے والا
الواسع
فراخی والا
البارئ
عالم کا بنانے والا
الحکم
حاکم
الحکیم
حکمت والا
المصور
صورت بنانے والا
العدل
عدل کرنے والا
الودود
دوست بڑا
الغفار
بخشنے والا
اللطیف
باریک بیں
المجید
بزرگ
القہار
زبردست
الخبیر
خبردار
الباعث
اٹھانے والا
رضوی کتاب گھر دہلی

الشہید	گواہ	الصمد	بے نیاز	مالک الملک	مالکِ ملک
الحق	سچا	القادر	قدرت والا	ذوالجلال والاکرام	بزرگی اور بخشش والا
الوکیل	کارساز	المقتدر	صاحبِ قدرت	المقسط	عدل کرنے والا
القوی	طاقت والا	المقدم	پہلا	الجامع	جمع کرنے والا
المتین	مضبوط	المؤخر	پچھلا	الغنی	بے نیاز
الولی	دوست	الاول	اوّل	المغنی	دولت مند کرنے والا
الحمید	قابل تعریف	الآخر	آخر	المعطی	عطا کرنے والا
المحصی	گھیرنے والا	الظاہر	آشکارا	المانع	منع کرنے والا
المبدئ	پہلے پہل پیدا کرنے والا			الضار	ضرر پیدا کرنے والا
المعید	دوبارہ پیدا کرنے والا			النافع	نفع دینے والا
المحیی	زندہ کرنے والا	الباطن	پوشیدہ	النور	روشنی والا
الممیت	مارنے والا	الوالی	کارساز	الہادی	ہدایت دینے والا
الحی	زندہ	المتعالی	برتر	البدیع	نیا پیدا کرنے والا
القیوم	ہمیشہ رہنے والا	البر	احسان کرنے والا	الباقی	ہمیشہ رہنے والا
الواجد	پانے والا	التواب	توبہ قبول کرنے والا	الوارث	مالک
الماجد	بزرگی والا	المنتقم	بدلہ لینے والا	الرشید	راہنما
الواحد	ایک	العفو	معاف کرنے والا	الصبور	بڑا تحمل والا
الاحد	اکیلا	الرؤف	بہت مہربان	جل وعلا	بزرگ و برتر

خون کے آنسو

یعنی علمائے دیوبند کی رسول دشمنی کا جیتا جاگتا مظاہرہ اوران کی سیکڑوں کتابوں کا خلاصہ ونچوڑ

مؤلفہ

خطیب مشرق حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی علیہ الرحمہ

رضا اکیڈمی

۵۲، ڈونٹاڈ، اسٹریٹ، کھڑک، ممبئی ۔ ۹

سلسلۂ اشاعت نمبر ۲۱۸

نام کتاب	:	خون کے آنسو
مؤلفہ	:	خطیب مشرق حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی علیہ الرحمہ
اشاعت خصوصی	:	بموقع ۹۳ رسالہ عرس رضوی، نوری
بارِ اوّل	:	۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء
ناشر	:	رضا اکیڈمی، ۵۲ ڈونٹاڈ اسٹریٹ، ممبئی-۹ فون:022-66342156، فیکس:022-66659236
طابع	:	رضا آفسیٹ، ممبئی-۳
تعداد	:	۱۱۰۰ (گیارہ سو)
خصوصی قیمت	:	

فہرست

"خون کے آنسو"

پر حضور مفتی اعظم ہند کا اظہارِ مسرت اور عطیہ

فخرِ اماثل حضرت مولانا سید برہان الحق صاحب مفتی جبل پور کی دعوت پر شاہزادہ اعلیٰ حضرت آقا ئے نعمت حضور مفتی اعظم ہند ادام اللہ فیوضہم و برکاتہم العالیہ جبل پور تشریف لے جاتے ہوئے کل مورخہ ۱۳ اگست ۶۱ء دفتر پاسباں میں تشریف لائے۔ مولانا انوار احمد نظامی نے جنہیں حضور مفتی اعظم ہند سے بیعت حاصل ہے۔ حضرت کی خدمتِ گرامی میں "خون کے آنسو" کا ایک مجلد نسخہ بطورِ نذرانۂ عقیدت پیش کیا اور اس کے کچھ مضامین سنائے۔

جس کو سن کر حضرت نے فرمایا "مشتاق نے اس کتاب کی ترتیب میں بڑی محنت اور کاوش کی ہے" اور انتہائی بہجت و مسرت کی حالت میں مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا "اس کو خون کے آنسو کہا جائے یا خوشی کے آنسو" اس کے بعد اپنی جیب خاص سے ۲۵ روپے دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ اس کو جلد دوم کی اشاعت میں میری طرف سے شامل کر لیا جائے۔ کسی بھی کتاب پر حضور مفتی اعظم ہند کا اظہارِ مسرت اس کے صحت و سند کی روشن دلیل ہے۔ یہ سرکار کا کرم و خورداں نوازی ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔ ربِ کریم حضرت کے ظلِ عاطفت کو ہم پر دراز فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔

خاکپائے حبیب مشتاق احمد نظامی۔ یکم ربیع الاول شریف مطابق ۱۴ اگست ۶۱ء

شرفِ انتساب

عہدِ حاضر کا وہ ممتاز رہنما جس نے اپنے فضل و کمال پر درویشی کی چادر ڈال رکھی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس کی سادگی پر زینت و آرائش کی ہزاروں رعنائیاں قربان ہیں۔ جس کے سینے میں قوم مسلم کا صحیح درد سچی تڑپ ہے جو ابھی چند برس ہوئے مسلمانوں کو آبرو مندانہ زندگی دلانے کے لئے پندرہ مہینے کی قید بامشقت سے رہا ہوا ہے، جو بیک وقت علم ظاہر و علم باطن کا ایسا سنگم ہے جہاں پر ہر ایک تشنہ لب کو سیرابی آسودگی کی دولت گراں مایہ ملتی ہے۔ جس کی آغوشِ تربیت نے مجھے سنبھالا اور مجھ ذرہ ناچیز کو اپنی غلامی کا شرف بخشا جس کے قدموں پر میری متاعِ زندگی نچھاور ہے۔ میں اپنی کاوشِ ذہنی کو اسی ذاتِ گرامی کی طرف منسوب کرتے ہوئے فخر و سعادت محسوس کرتا ہوں۔ یعنی شیخ طریقت استاد محترم مجاہدِ ملت حضرت مولانا الحاج محمد حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ سرپرست ماہنامہ "پاسبان" الہ آباد۔

خاکپائے حبیب مشتاق احمد نظامی

یکم ربیع الاول شریف مطابق ۱۴ اگست ۶۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیشِ لفظ

اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں
جی میں کیا آیا کہ پابندِ نشیمن ہو گئیں

میرے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اب سے پہلے جو کتابیں میرے مطالعے سے گزر گئی ہیں ان کی بعض خط کشیدہ عبارتیں ترتیب پا کر کسی کتاب کی شکل اختیار کر لیں گی۔

سچ جانئے ابھی ۱۹۵۷ء کی بات ہے، میں حسبِ معمول ملک کے مختلف حصوں میں تقریری پروگرام پر گیا اور معمولاً اخبار و رسائل میری نظر سے گذرتے رہے، لیکن "ان دنوں" اردو اخبارات میں بعض ایسے کالم دیکھے جن میں اسماعیلی تحریک کو نئے رنگ و روغن سے پیش کیا جا رہا تھا جس کے پسِ پردہ جمعیۃ العلماء ہند کی تنظیمی سازش کام کر رہی تھی، مجھے ویسے بھی اخبار بینی سے اک گونہ تعلق ہے مگر "ان دنوں" اخبارات سے یوں بھی دلچسپی بڑھ گئی کہ شاید آزادیٔ ہند کے تاجدارِ اوّل حضرت علامہ فضلِ حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی کارنامۂ حیات پیش کیا جائے مگر افسوس کہ دعوت سہ روزہ (دہلی) کے علاوہ کسی بھی اخبار نے اس مردِ مجاہد کا کہیں نام تک نہ لیا جس کا نام فضلِ حق ہے، جو صحیح معنوں ۱۸۵۷ء کی ہوش رُبا جنگ کا کفن بردوش رہنما ہے، جس نے انگریزی سامراجیت کو کچلنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائی اور انگریزوں کے ظلم و تعدّی کا نشانہ بن کر جزیرۂ انڈمان کی زہریلی فضاؤں میں ہمیشہ کے لئے میٹھی نیند سو گیا جس کی قبر پر آج بھی رحمتوں کے پھول برس رہے ہیں۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

کہنے کے لئے تو اس مردِ مجاہد کی قبر جزیرۂ انڈمان میں ہے مگر حضرت علامہ کی سرفروشی و

راستبازی آج بھی اہلِ عشق و محبت سے یہ کہہ رہی ہے۔

بعدِ وفات تربتِ ما در زمیں مجو
در سینہ ہائے مردم عارف مزارِ ما

سوچئے تو سہی یہ تاریخ کا کیسا دلدوز سانحہ ہے کہ آزادئ ہند کے ہیرو کو گمنامی کے پردے میں چھپایا جارہا ہے اور انگریز بہادر کے زر خرید غلاموں کی پیشانی پر شہیدِ وطن و سپہ سالارِ اعظم کا لیبل چسپاں کیا جارہا ہے۔

عدل و انصاف کے گلے پر چھری چلتے دیکھ کر میرے جسم کی ایک ایک رگ کانپ اٹھی۔ دل و دماغ کی غیر متحرک دنیا میں ایک تلاطم سا پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ اصل واقعات ذہن و دماغ کے جھرونکوں سے سرگوشی کرنے لگے۔ اب مجھے بھی فکر و خیال کی دنیا سے باہر نکل کر عزم محکم کی جگہ لینی پڑی۔ چنانچہ اس ارادہ سے قلم اٹھایا کہ اسماعیلی تحریک اور حضرت علامہ فضل حق کی تحریکِ جہاد کا موازنہ کیا جائے تاکہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آجائے۔

کچھ برس پہلے حضرت علامہ کے حالات زندگی کا مطالعہ کر چکا تھا جو باتیں ذہن کے مختلف حصوں میں منتشر تھیں، اب وہ یکے بعد دیگرے سطح ذہن پر ابھرتی گئیں۔ ایسا محسوس ہوا کہ ذہن نے آج ہی کے لئے انھیں خاموشی سے سلادیا تھا اور اب ذہن کی ایک حرکت پر تمام واقعات اٹھ کھڑے ہوئے۔ گویا مدتوں کے تھکے ہوئے مسافر جذبۂ مسابقت کی رو میں یہ شعر گنگناتے ہوئے تلاشِ منزل کے لئے اپنی اپنی راہ لگ گئے۔

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

اب دماغ میں وہ پہلا سکون نہ رہا بلکہ ذہن واقعات و حالات کی آمد و رفت کا آماجگاہ بن گیا مدتوں کے سوئے ہوئے پرند بیدار ہو چکے تھے۔ اندیشہ تھا کہ کہیں قفس کی تیلیوں سے باہر ہوئے تو ان کی گرفت دشوار ہو جائے گی۔ اس لئے ذہن کہتا گیا اور باتیں نوکِ قلم پر آتی گئیں اور جہاں کہیں بھی اشتباہ پیدا ہوا کتابوں کی مدد سے ان مقامات کی صحت کرلی گئی۔ اور ساتھ ہی ساتھ حوالہ بھی درج کر دیا گیا تاکہ کتاب اپنا وزن باقی رکھ سکے۔

میں نے زیر نظر کتاب میں اس امر کا اہتمام و التزام کیا ہے کہ سُنی مکتبۂ فکر کی کوئی بھی کتاب حوالہ میں نہ پیش کی جائے تاکہ کسی عبارت کو یہ کہہ کر مجروح نہ کر دیا جائے کہ یہ تو سنی حضرات کا ہم پر افترا و بہتان ہے چونکہ علماءِ اہلِ سنت کی کتابوں کے ساتھ عمومی طور پر یہی معاندانہ اور غیر سنجیدہ روش اختیار کی جاتی ہے۔ اس لئے چار و ناچار مجھے نئی راہ اختیار کرنی پڑی گویا یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں دیوبندیت و وہابیت کے صحیح خد و خال نظر آئیں گے اس لئے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ۔

انھیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی
انھیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زباں مری ہے بات انکی

خون کے آنسو اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہو گی جس کی کسی عبارت پر حضرات دیوبند یہ کہہ کر دامن کشاں نہ گزر سکیں گے کہ یہ تو غیروں کے گھر کی بات ہے اس میں جو کچھ ہے انھیں کے گھر کا ہے یا پھر ایسے حضرات کی کتابیں محل استشہاد میں لائی گئی ہیں جو ان سے قریب تر ہیں۔ یا خال خال ان حضرات کا نام لیا گیا ہے جو سُنی دیوبندی اختلافات سے کسی حد تک دور رہے مثلاً میں نے کسی موقع پر ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر پیش کیا ہے

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

مولوی حسین احمد کے بارے میں ڈاکٹر اقبال کی رائے پر یہ جرح و تنقید نہیں کی جا سکتی کہ ڈاکٹر اقبال بریلوی تھے۔ یہ ایک غیر جانبدار کی رائے ہے...............
.... ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ حضرات دیوبند بزعم خویش ڈاکٹر اقبال کو جاہلِ مطلق کہہ کر اس شعر کو لغو و بے معنی قرار دیں جیسا کہ علماء دیوبند کا آبائی دستور ہے۔ یہ بحث تفصیلی طور پر اگلے صفحات پر آئے گی۔ اس مقام پر مقصودِ نگارش اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ زیرِ نظر کتاب علماء دیوبند کے لٹریچر کا ایسا خلاصہ اور نچوڑ ہے جس سے حضرات دیوبند دن کے اجالے ہی میں نہیں بلکہ رات کی تاریکی میں بھی پہچانے جا سکیں گے۔
اب بعض ان کتابوں کی مختصر فہرست ملاحظہ فرمایئے جو کتابیں یا اخبار د

رسائل "خون کے آنسو" کے ماخذ ہیں۔

(۱) حیات طیبہ (۲) تواریخ عجیبہ (۳) سیرت سید احمد (۴) حیات ولی
(۵) حیات قاسم (۶) اشرف السوانح (۷) حکیم الامت (۸) جامع المجددین
(۹) حسن العزیز (۱۰) الامداد (۱۱) حفظ الایمان (۱۲) بسط البنان
(۱۳) تغیر العنوان (۱۴) الشہاب الثاقب (۱۵) اشد العذاب (۱۶) سیف یمانی
(۱۷) مختصر سیرت نبویہ (۱۸) تقویۃ الایمان (۱۹) المہند (۲۰) صراط مستقیم
(۲۱) تحذیر الناس (۲۲) نقش حیات (۲۳) مکتوبات شیخ (۲۴) فتویٰ دیوبند کا
تحقیقی جائزہ (۲۵) مسئلہ قومیت (۲۶) الجرح علی ابی حنیفہ (۲۷) باغی ہندوستان
(۲۸) ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (۲۹) ملفوظات اشرف العلوم
(۳۰) نذر عقیدت (۳۱) مکمل کاروائی جمعیۃ علماء ہند (۳۲) تذکرۃ الرشید
(۳۳) فتاویٰ رشیدیہ (۳۴) مقالات اکابر دارالعلوم دیوبند (۳۵) ارواح ثلٰثہ
(۳۶) نصرت آسمانی (۳۷) مفتی صاحب دیوبند اور عزیب بیشیہ در اقوام (۳۸) تفسیر حقانی
(۳۹) آئینۂ صداقت (۴۰) مکالمۃ الصدرین (۴۱) فیصلہ ہفت مسئلہ (۴۲) نشر الطیب
(۴۳) اخبار الاخیار (۴۴) تجلی دیوبند (۴۵) زندگی رام پور (۴۶) فاران کراچی
(۴۷) دعوت دہلی (۴۸) شیخ الاسلام نمبر (۴۹) الفرقان لکھنؤ (۵۰) برہان دہلی
(۵۱) الانصاف دہلی (۵۲) ترجمان لاہور

ان کے علاوہ بھی بعض دوسری کتابوں سے مواد فراہم کیا گیا ہے جن کا ذکر تفصیل عبث کے سوا کچھ بھی نہیں اس لئے ان کے تذکرے سے صرف نظر کرتا ہوں۔

اس مقام پر بڑی ناحق شناسی ہوگی اگر اپنے ان بزرگوں اور دوستوں کا شکریہ نہ ادا کروں جنھوں نے فراہمی کتب میں میرا ہاتھ بٹایا۔

(۱) استاذ محترم مجاہد ملت حضرت مولانا الحاج محمد حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت رئیس اعظم اڑلیسہ .... (۲) حضرت مولانا سید عبدالحق صاحب خطیب دھوراجی (۳) حضرت مولانا سراج الہدیٰ صاحب گیاوی (۴) حضرت مولانا قاضی سید غلام مصطفےٰ

میاں صاحب قادری، کلکتہ (۵) ....

(۷) حضرت مولانا عبدالوحید صاحب بنارس (۸) حضرت مولانا باقر علی خاں صاحب (۹) عالیجناب ڈاکٹر علیم الدین صاحب رئیس کلکتہ (۱۰) حضرت مولانا الحاج نعیم اللہ خاں صاحب۔

میں ان تمام ہی حضرات کا ممنون کرم و سپاس گزار ہوں۔

جیساکہ میں نے اب سے پہلے عرض کیا کہ اسماعیلی نام نہاد تحریک اور حضرت علامہ فضل حق کی تحریک جہاد موازنہ کے لئے قلم اٹھایا تھا۔ خیال تھا چند صفحات پر یہ عنوان ختم ہو جائے گا مگر

خط لکھتے لکھتے شوق نے دفتر کئے رواں

افراطِ اشتیاق نے آخر بڑھائی بات

کے مطابق بات بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ کئی سو صفحے کی ایک ضخیم کتاب ہو گئی۔ کتاب کے حجم کی موزونیت بھی منظورِ خاطر تھی اس لئے حضرت علامہ کی سوانح حیات کا تفصیلی مضمون اپنی زیرِ تالیف کتاب " دو مجاهد "، سے منسلک کر دیا جس میں حضرت علامہ اور مجاہدِ ملت مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ کی مکمل سوانح حیات ہو گی۔

اور شاتمان رسول کی کئی سو کتابوں کی زہر آلود عبارتیں پیشِ نظر کتاب کے دامن پر اس طرح سمیٹ دی گئیں جیسے کسی بے گناہ کے دامن پر خون کی چھینٹیں قاتل کی سفاکیوں کا پتہ دے رہی ہیں۔

حوالہ جات میں صحت کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے اور عبارات کا وہی مفہوم لیا گیا ہے جو سیاق و سباق سے کسی عبارت کا مفہوم متعین کیا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب حضرات دیوبند کے حق میں لمحۂ فکریہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اپنوں کے لئے مشعل راہ یا نشان میل کا کام دے گی۔

زیرِ نظر کتاب نہ تو افسانہ ہے نہ ناول اور نہ ہی اس کا مؤلف افسانہ نویس ہے نہ ناول نگار اس کتاب میں نہ تو زبان کا چٹخارہ ہے نہ اردو ادب کا سیل رواں۔ اظہار خیال میں نہ تو شوخ تحریر کی سحر طرازی حائل ہو سکی، اور نہ ہی جدت طراز قلم کی فسوں کاری۔ یہ محفل عیش و نشاط نہیں بلکہ یہ مجلس آہ و بکا ہے۔ گانے والے کی نظر آواز کے اُتار چڑھاؤ اور الفاظ کے نشست و برخاست پر ہوتی ہے مگر ایک دل جلے کی پکار تو منت کشِ الفاظ بھی نہیں ہوتی چہ جائیکہ وہ

لفظوں کے ہیر پھیر میں الجھے۔ وہ روتا ہے اور ڈھاڑیں مار مار کر روتا ہے۔ رونے والا اظہار مدعیٰ میں نمائشی لفظوں سے کام نہیں لاتا بلکہ کبھی دامن پر ٹپکتے ہوئے آنسو ترجمان دل ہوتے ہیں اور کبھی اس کی آہ و بکا اس کے قلب و جگر کی ٹیس کا پتہ دیتے ہیں۔

میں از خود نہیں رویا رلایا گیا ہوں، میں از خود نہیں تڑپا تڑپایا گیا ہوں۔ میں ایک مظلوم ستم رسیدہ ہوں، مجھے نہیں مرے پیارے محبوب کو گالیاں دی گئی ہیں۔ مرے حضور نہیں محبوب کردگار کی بارگاہِ بیکس پناہ میں دریدہ دہنی و گستاخی کی گئی ہے۔ ایک دو نہیں متعدد رسوا زمانہ کتابیں لکھی گئیں، وہ بھی ایسا محبوب جبرئیل جس کے در کے پہرہ دار ہوں جو نبوت و رسالت کی مسند رفیع پر فائز ہو، جس کے صدقے انبیاء و رسل کو نبوت و رسالت ملی ہو جس کے وسیلے کائنات عالم وجود میں آئی ہو۔ قرآن جس کو لیٰسین و طٰہٰ، مزمل و مدثر کے خطاب سے نوازے اسی ذات ستودہ صفات کو چمار سے زیادہ ذلیل اور ذرۂ ناچیز سے کمتر کہا گیا۔ ایسی غارت گر ایمان عبارتوں پر چشم مومن خون کے آنسو نہ روئے تو کیا کرے۔ حفظ الایمان، بہشتی زیور تقویۃ الایمان۔ تحذیر الناس۔ الشہاب الثاقب۔ صراطِ مستقیم جیسی کفری گندہ پھوہڑ کتابیں دیکھ کر ایمان کا تقاضا ہے کہ اس پر نفریں و ملامت کی جائے۔

مگر اس چیرہ دستی و دیدہ دلیری کا کیا علاج کہ ان کی کفری کتابوں پر صدائے احتجاج بلند کرنے والوں کو فسادی اور کافر گر کہا جاتا ہے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
تم قتل بھی کرتے ہو تو چرچا نہیں ہوتا

اپنوں کے بھیس میں کچھ بیگانوں نے زہر آلود تیر برسائے ہیں جس پر علماءِ اہلِ سنّت کا کلیجہ چھلنی ہو گیا اور ان کی ایمانی روح تڑپ رہی ہے۔ ہم اپنے نبی کے ایک وفادار غلام ہیں، ان عبارتوں پر مطلع ہونے کے باوجود اگر خاموش رہ جاتے تو ہمارے ایمان کی کمزوری ہوتی اور ہم اس احکم الحاکمین کی بارگاہِ عدالت میں اس کے اس سوال کا کیا جواب دیتے کہ تم نے مرے محبوب کے دشمنوں کے ساتھ کیا کچھ کیا؟

باغی نبوت اور شاتم رسول کی ناپاک و گندہ عبارات پر حرف گیر ہونا عیب نہیں بلکہ اس کے

خاموش رہ جانا توہینِ محبّت کا مجرم قرار دے گی۔

عمرانیات واقتصادیات، سیاسیات ولسانیات پر تو آج دنیا کے بہت سے اہلِ قلم اظہارِ خیال کر رہے ہیں مگر بتاؤ اس خاکدانِ گیتی میں وہ کون سی جماعت ہے جس کو دیوانۂ رسول کہا جاتا ہو اور جس جماعت کی تقریر اور تحریر کا مطمح نظر عظمتِ رسالت اور وقارِ نبوّت کی پرچم کشائی کے سوا کچھ نہ ہو۔ بحمداللہ وہ اہل سنت وجماعت ہیں جو پوری اعتدال پسندی سے ملّتِ اسلامیہ کی توحید ورسالت کا درس دے رہے ہیں جن کی تقریر وتحریر افراط وتفریط سے یکسر خالی ہے۔ محبّت میں نہ تو اس قدر غالی ہیں کہ رسالت کا ڈانڈا توحید سے ملادیں اور نہ ہی بارگاہِ نبوّت کے بے ادب وگستاخ ہیں کہ نبیٔ محترم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنا جیسا بشر یا بڑے بھائی کا مرتبہ دیں یا العیاذ باللہ آقائے دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم کو چمار سے زیادہ ذلیل اور ذرّہ ناچیز سے کمتر قرار دیں جیسا کہ علماء دیوبند کی رسوار زمانہ کتابوں میں موجود ہے

علماء اہلِ سُنّت کی ایک معتدل پالیسی ہے نہ تو وہ خالق کو مخلوق کا مرتبہ دیتے ہیں اور نہ ہی کسی مخلوق کو خالق کا ہمسر سمجھتے ہیں۔ کوئی مخلوق فضل وکمال میں کتنی ہی اعلیٰ سطح پر کیوں نہ ہو بہر حال وہ بندہ ہے مخلوق ہے وہ معبود نہیں اور خالق نہیں۔

علماءِ اہلِ سنّت کے مشن میں آوارگی اور کج روی نہیں، ان کی محبّت کا ایک محور ہے اور وہ سرکار ابد قرار کی ذات ستودہ صفات ہے جن کی ذات اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ بزرگ وبرتر ہے ـــــ ہم ان کے وفادار غلام ہیں انھیں کے وسیلہ سے کھاتے ہیں اور انھیں کا گاتے ہیں، اس لئے ہمارا کہنا یہ ہے۔

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد للہ وکفٰی وسلام علٰی حبیبہ الذی اصطفٰی

"علماء دیوبند کی انگریز دوستی"

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ع "ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں" کے مطابق تقریباً ہر صدی و ہر دور میں علماء حق پر علماء سُو اور دوسرے فرق باطلہ نے کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی اور نت نئے طریقوں سے انھیں بدنام کرنے کے درپے رہے مگر حق و صداقت کے حاملیں شرپسندی و اشتعال انگیزی کی بجائے خاموشی سے یہی کہتے رہے۔

ادھر آؤ پیارے ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

چنانچہ بھارت کی زمین بھی اسی تاریخ کو دہراتی رہی۔ ۱۸۵۷ء کے غدر نے نہ صرف بساط سیاست کو پلٹ دیا۔ بلکہ سلطنتِ مغلیہ کے زوال اور انگریزی سامراجیت کو استقلال و استحکام کی حد تک پہنچا دیا۔ انگریز ہندوستان میں افیون کی گولی کھا کر نہ آئے تھے بلکہ عقل و دانش کی عینک ان کی آنکھوں پر لگی تھی۔ ایک پردیسی اور سات سمندر پار قوم کو ہندوستانی باشندوں پر راج کرنا تھا اس لئے فنکارانہ چابکدستیوں سے کام لیتے ہوئے اس نے بھارت کی مسلم سیاست پر اپنی نگاہ جمائی۔ چونکہ تخت و تاج مسلمانوں ہی سے لیا گیا تھا۔ اس لئے سفید چمڑے والوں کو مسلم سیاست ہی سے اندیشہ تھا۔ چنانچہ انگریز اس ٹوہ میں پڑ گئے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی باگ ڈور کس کے ہاتھ ہے اور اس سراغ رسانی میں اپنی انتہائی حسن تدبیر سے وہ اس منزل پر پہنچ گئے کہ گئے گذرے زمانے میں بھی یہاں کی مسلم اکثریت علماء اور صوفیاء کی عقیدت کیش ہے۔ اب یہ بات ناگزیر تھی کہ بھارت کے طبقۂ علماء و مشائخ کی چھان بین کی جائے اور امیرِ کارواں کے کاندھے پر بندوق رکھ کر گولی چلائی جائے۔

انگریز خود سامنے آتے ہوئے گھبراتے تھے۔ چونکہ ابھی ابھی مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل چکے تھے، ابھی تو ان کے ہاتھوں کی لالی اور دامن کی سرخی بھی نہ گئی تھی یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ بے نقاب سامنے آجاتے۔ اس لئے اب انھیں اسلامی سیاست کے خلاف جو کچھ کرنا تھا وہ جبہ و دستار کی شکل میں کرنا تھا (شکار تو کرنا تھا مگر ٹٹی کی آڑ سے) گویا ایسے صیاد کی تلاش تھی جو اس راہ کا آزمودہ کار ہو، چنانچہ انگریز کو بندوق رکھنے کے لئے کاندھے کی ضرورت تھی۔

یہاں تک کہ یہ بات بھی بے نقاب ہوکر رہی کہ اس وقت علمی فضل و کمال کے دو ادارے ہیں جن کا سکہ ہندوستان میں چل رہا ہے، ایک ان میں ولی اللٰہی خاندان ہے جو منقولات میں اہل علم و ادب سے خراج عقیدت حاصل کرچکا ہے اور دوسرا خاندان حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی اور ان کے متبعین یا اُن کے ہم خیال معاصرین کا ہے جو معقولات میں اپنے فضل و کمال کے باعث ہندوستان کی زمین پر بادل بن کر چھایا ہے۔ گویا یہ طبقہ دینیات کو منطق و فلسفہ کی بھی عینک لگاکر دیکھنے کا عادی تھا۔ یعنی ع " در کفِ جام شریعت در کفِ سندانِ عشق" کا حامل تھا۔

مگر ان دونوں خاندانوں میں ایک نمایاں فرق یہ تھا کہ ولی اللٰہی خاندان اس وقت چراغ سحری کی طرح ٹمٹمارہا تھا۔ گویا عہد رفتہ کی ایک یادگار تھا اب ان میں پہلے جیسا کوئی صاحب فضل و کمال نہ تھا اور جو ذی علم و ذی وجاہت تھے بھی وہ انگریزوں کے ہاتھ کٹھ پتلی نہ بن سکتے تھے۔ اس لئے لے دے کر مولوی اسماعیل دہلوی پر انگریزوں کی نگاہ پڑی جو بڑے خاندان کی اولاد ہونے کی وجہ سے پوجے جارہے تھے اور دوسری طرف علامہ فضل حق اور ان کے متبعین آسمانِ علم و ادب پر کہکشاں کا جمال بن کر چمک رہے تھے۔

انگریز حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کی پیشانی پر اپنا مستقبل پڑھ رہے تھے کہ یہی وہ نڈر و بیباک مرد مجاہد ہے جس کے فتوے سے ہندوستان کی زمین پر زلزلہ آئے گا اور انگریزی حکومت یکلخت کانپ اٹھے گی جسکی پاداش میں اسے قید و بند کی سختیاں بھی جھیلنی پڑے گی اور جزیرہ انڈمان کی مسموم فضاؤں میں جھلسنا بھی ہوگا مگر غیرت و خودداری کا یہ پتلا اپنا فتویٰ واپس لینے پر آمادہ نہ ہوگا۔ چنانچہ اہل علم پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جزیرۂ انڈمان میں

جس وقت حضرت علامہ فضلِ حق اپنے بسترِ موت پر تھے، اٹھنے، بیٹھنے کروٹ بدلنے سے مجبور تھے بغیر کسی کے سہارے بیٹھ نہ سکتے تھے۔ زندگی کا آخری وقت تھا، موت قدم چومتی ہوئی آرہی تھی اور حیات بلائیں لیکر رخصت ہو رہی تھی زندگی کے ایسے نازک مرحلہ پر آپ کی غیرتِ ایمانی کا ایسا سنگین امتحان لیا گیا جس کی مثال شاذ و نادر ہی کہیں مل سکے گی، چنانچہ اسی کرب و اضطراب کی حالت میں ایک انگریز افسر آیا اور اس نے حضرت علامہ سے کہا اگر آپ محض اتنا فرمادیں کہ مجھے اپنے اس فتوے پر افسوس ہے جو میں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا ہے تو میں ابھی ابھی آپ کو رہا کر دیتا ہوں اور اپنے زیرِ انتظام آپ کے بال بچوں میں آپ کو پہنچائے دیتا ہوں۔

بسترِ مرگ کا وہ نحیف و ناتواں جو بیٹھ کر دوا پینے سے معذور تھا اتنا سنتے ہی گرجدار آواز کے ساتھ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور انگریز افسر سے فرمایا کہ مجھے ایسی ایک نہیں ہزار زندگی دی جائے تو فضل حق یہی کہے گا کہ انگریزوں پر جہاد فرض ہے۔

ٹیپو سلطان نے کتنی عمدہ بات کہی کہ "لومڑی کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔" پروردگارِ عالم حضرت علامہ کی قبر کو رحمتوں کے پھول سے بھر دے جس نے اپنی آنے والی نسل کے لئے موت و زندگی کی ایک کشادہ راہ پیش کردی۔ اس لئے انگریزوں کے لئے یہ راہ تو مایوس کن تھی کہ وہ حضرت علامہ یا اُن کے شاہزادوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے یا قومی غداری کے لئے ایسے بیدار مغز و باغیرت سے رسم و راہ کی پیشکش کرتے۔

لہٰذا اب انگریزوں کے سامنے صرف ایک ہی دروازہ تھا اور وہ مولوی اسماعیل دہلوی کا ایوانِ جدال تھا۔

(۲) دوسری وجہ یہ تھی کہ انگریز مولوی اسماعیل کے ڈھول کا پول بھی جانتے تھے۔ اسلئے انھیں اور بھی جرأت ہوئی کہ ایسے دنیا طلب و اقتدار پسند کو بہلانا پھسلانا کچھ دشوار نہیں، جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مولوی اسماعیل کے علم کا لوہا مسلّم نہ تھا بلکہ ان کی تہی دستی و بے مائیگی پر اہلِ علم مطلع تھے، محض بڑے باپ کے اولاد ہونے کی لاج رکھی جارہی تھی۔

جیسا کہ میں آگے چل کر اس حقیقت کو بے نقاب کروں گا کہ خود علماء دیوبند نے

مولوی اسماعیل کو جاہل، ملحد، زندیق اور دین سے بے بہرہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔
(۳) انگریز کو اس ارادے پر اکسانے کے لئے تیسری وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت علامہ اور مولوی اسماعیل دہلوی کے درمیان مسئلہ امتناع نظیر پر جھڑپ بھی ہو چکی تھی جس پر مولوی اسمٰعیل دہلوی کو جامع مسجد دہلی کی بھری محفل میں خفت و ندامت اٹھانی پڑی تھی اس لئے مولوی اسمٰعیل اور ان کے کینہ پرور متبعین کے دل میں حضرت علامہ اور ان کے مخلص متبعین کی طرف سے انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی، یہ لوگ کسی ایسے موقع کے منتظر تھے جس میں دل کی بھڑاس نکالی جاسکے گویا انگریز اور مولوی اسماعیل کے درمیان یہ بات قدر مشترک تھی کہ حضرت علامہ فضل حق کو بیخ و بن سے اکھاڑ کے پھینک دیا جائے۔ ع۔ دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی۔
یہی وہ متعدد وجوہ ہیں جن کی بنا پر مولوی اسماعیل دہلوی اور انگریز بہادر کے درمیان دوستانہ معاہدہ ہوا اور اس جماعت نے اپنے کاندھے کو بندوق رکھنے کے لئے پیش کر دیا۔
اب مسلمانوں کا دین و ایمان لوٹنے کے لئے انگریز بہادر کو چور دروازہ مل چکا تھا چنانچہ اب وہ مسلمانوں کے سامنے کوٹ، پتلون، ٹائی اور ہیٹ لگا کر نہ آتا بلکہ انھیں نام نہاد علماء کے جُبّہ و دستار میں چھپ کر آتا۔ اب ہندوستان کی زمین ایک نئی آفت کا گہوارہ بن چکی تھی۔ زبان علماء کی ہلتی نظر آتی مگر بول سات سمندر پار کی ہوتی۔ غریب مسلمان کیا جانتا تھا کہ یہ جبہ و دستار والے ہمیں دن دھاڑے انگریزوں کے ہاتھ بیچ ڈالیں گے مگر وائے حسرت و ناکامی یہ تو انگریز سے پہلے ہی سودا بازی کر چکے تھے۔
علماء اہلِ سنّت کی جلن اور ان سے بغض و حسد کے باعث علماء دیوبند کے سر گردہ افراد گراموفون کا ریکارڈ بن چکے تھے۔ انگریز جو سکھا پڑھا دیتے یہ لوگ وہی باتیں مسلمانوں کے سامنے اگل دیتے جیسا کہ آج تک ہوتا چلا آرہا ہے۔
للّٰہ سوچئے اور انصاف و دیانت داری سے کام لیجئے کہ ہندی مسلمانوں پر کس قدر ابتلاء و آزمائش کا دور تھا۔ مسلمان اپنے ہی ہاتھ اپنا گھر پھونک رہا تھا۔

اے چشم شعلہ بار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

مندرجہ بالا تمہیدی خاکے کے بعد نتیجے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ طبقۂ علماء میں ایک گروہ علماء اہل سنّت کا تھا جن کی پیشانی پر انگریز دشمنی کا ٹیکہ لگا تھا اور دوسرا گروپ علماء دیوبند کے امام و مقتدا مولوی اسماعیل کا تھا جن کے ماتھے پر انگریز دوستی کا لیبل تھا۔ مولوی اسماعیل کو انگریز دوستی پر اس قدر غرور و گھمنڈ تھا کہ جس وقت انگریزوں کے اشارے پر میدانِ جنگ میں جارہے تھے تو لکھنؤ سے گزرتے وقت صوفی عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ جو وجودی مسلک رکھتے تھے اور اپنے وقت کے خدارسیدہ بزرگ اور ولی کامل تھے۔ ان سے مولوی اسماعیل نے کہا جنگ سے واپس آکر میں تمہاری خبر لوں گا۔ [ع]

صوفی عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کشف کے ذریعہ فرمایا یہ تو اس وقت ممکن ہے جبکہ جنگ سے تمہاری واپسی بھی ہوسکے ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اس جنگ زرگری میں کونسا جذبہ کارفرما تھا، ایک عامی اور سطحی الانسان بھی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ مولوی اسمٰعیل اس جنگ کے بہانے انگریز بہادر کی خوشنودی حاصل کرکے علماء اہلِ سنّت سے انتقام لینا چاہتے تھے ـــــ اس مقام پر پہنچکر اب مناسب یہ ہے کہ اس رائے پر تاریخی شہادت کی ایک نہ مٹنے والی مہر لگادی جائے۔ بلکہ یہ معاملہ تاریخ ہی کے سپرد کر دیا جائے اور بات بہت ہی مستند ہو جائے گی کہ تاریخی شہادت کے دوش بدوش علماء دیوبند کے بزرگوں کی تحریر سند اور حوالہ میں پیش کردی جائے تاکہ مجال انکار نہ رہ جائے۔

(۱) حوالہ تذکرۃ الرشید حصہ اوّل صـ۷۳ کی ایک عبارت ملاحظہ فرمائیے اور اندازہ کیجئے کہ علماء دیوبند کے بزرگوں کا انگریز سے کیسا گہرا تعلق تھا۔

> "بعض کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انھوں نے کمپنی (انگریزی حکومت) کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔"

فرمائیے کیا اب بھی علماء دیوبند کو انگریز دوستی سے انکار ہوسکتا ہے؟ مولوی رشید احمد گنگوہی علماء دیوبند کے مسلّم مقتدا و پیشوا ہیں۔

ع۔ "انوار الرحمٰن لتنویر الجنان" تاریخی نام "مخزن اسرار حق" مطبع نولکشور۔ لکھنؤ۔

وہ کمپنی راج کو رحمدل گورنمنٹ سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ انگریز جو مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل چکا ہو۔ جس نے مسلمانوں کی نعش درختوں پر لٹکا کر چیل کوّوں سے نچوایا ہو، وہی انگریز جس نے مساجد کو گھوڑوں کی لید سے نجس کیا ہو، ہاں ہاں وہی انگریز جس نے شاہ ظفر کے ناشتے میں ان کے لڑکوں کا سر بھیجا ہو۔ وہ مولوی رشید احمد گنگوہی کی نظر میں رحمدل ہے اور اس کا زمانہ امن و عافیت کا زمانہ ہے ___ مذکورہ بالا تحریر کا یہ ٹکڑا بھی قابلِ توجہ ہے کہ (بعض کے سروں پر موت کھیل رہی تھی) اس سے اشارہ ہے حضرت علامہ فضل حق اور ان کے دوسرے رفقاء کار کی طرف جن لوگوں نے انگریزی راج کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ یعنی اس وقت دو گروپ تھا۔ ایک مولوی رشید احمد گنگوہی کا جو انگریزی راج کا خطبہ پڑھ رہا تھا اور ان کا قدم جمانے کے لئے مسلمانوں کو بہلاوے دے رہا تھا۔ اور دوسرا گروپ حضرت علامہ کا تھا جو انگریزی سامراجیت کے خلاف نعرۂ جہاد بلند کر رہا تھا۔

سچ جانئے تذکرۃ الرشید کی یہ عبارت دیکھ کر مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا اور بس ایک گہری فکر میں ڈوب گیا کہ یا اللہ ایک طرف مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا اور دوسری جانب ایسے نام نہاد مولوی تھے جو انگریز بہادر کو رحمدل اور اس کے ظلم و ستم کو امن و عافیت کا نام دے کر مسلمانوں کی عزت و آبرو کا جنازہ نکال رہے تھے۔

ع قیامت کیوں نہیں آتی الٰہی ماجرا کیا ہے۔

کیا ملّت اسلامیہ کی تاریخ میں اس سے بھی زیادہ کوئی گھنونا اور قومی غداری کا باب مل سکتا ہے؟ یہ ہیں علماء دیوبند کے وہ امیر کارواں جو انگریز بہادر کے ہاتھ کٹھ پتلی بن چکے تھے۔ ابھی کیا ہے۔ ع آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

تذکرۃ الرشید حصہ اوّل صـ۸۰ کی دوسری عبارت ملاحظہ فرمایئے جو سراسر انگریز دوستی میں ڈوبی ہوئی ہے۔

"جب میں حقیقت میں سرکار (برٹش) کا فرمانبردار ہوں ان جھوٹے سے مرا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اُسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔"

انگریز بہادر کے حضور فرماں برداری ہو تو ایسی ہو. کہاں خودسری و مطلق العنانی کا یہ عالم کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں اور انگریز کے قدم پر سر بسجود ہوئے تو اس بری طرح کہ آپ ہی "ان داتا" ہیں، سرکار ہی مالک و مختار ہیں جو چاہیں سو کریں، یہ ہے رسول دشمنی اور انگریز دوستی کا جیتا جاگتا مظاہرہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی لعنت و پھٹکار ہے کہ مرے مصطفےٰ کی بارگاہ سے سرتابی کرنے والا انگریز کو اپنا مالک و مختار بنائے اور انگریز کے دامن میں اپنی زندگی کی پناہ ڈھونڈے۔

یہ وہ مقام ہے جہاں مولوی رشید احمد گنگوہی درس توحید بھول بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے اعتماد و توکل جاتا رہا۔ حالانکہ ایسے موقع پر ایک مرد مومن کی بول یہ ہوتی ہے کہ انگریز اگر دشمن ہے تو ہوا کرے۔ میں اپنے پروردگار عالم کا مطیع و فرمانبردار ہوں مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ، جو مرے رب کو منظور ہوگا وہی ہوگا، مرا سر نیاز رضاء الٰہی پر خم ہے۔ اس کی بارگاہ احدیت سے سرتابی کی مجال نہیں مگر جناب گنگوہی صاحب فرماتے ہیں۔ جی نہیں میں تو برٹش گورنمنٹ کا فرمانبردار ہوں اور انگریز بہادر ہی مرے مالک و مختار ہیں۔ اب مری موت و زندگی تو انھیں کے ہاتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بیکس پناہ کو چھوڑ کر انگریز کے دروازے پر زندگی کی بھیک مانگی جارہی ہے ـــــ غلامی ہو تو ایسی ہو وفاداری ہو تو ایسی ہو۔

ذرا اور آگے بڑھئے ع ـــ محبّت کے آگے مقام اور بھی ہیں۔

اب انگریز دوستی کی تیسری بھاری بھرکم شہادت ملاحظہ فرمائیے۔

(۳) حوالہ مکالمۃ الصدرین مرتبہ طاہر احمد قاسمی مطبوعہ رحمانی پریس محلہ گڑھیا دہلی ۶

> "مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمیعۃ العلماء ہند دہلی نے کہا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو ابتداءً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا، پھر بند ہوگیا۔"

اب بات ڈھکی چھپی نہ رہ گئی کہ انگریز بہادر سے علماء دیوبند کا کس قدر مضبوط سانٹھ گانٹھ تھا۔ اسی کو کہتے ہیں "اقراری ڈگری"۔ سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا؟ جبکہ

الیاسی (تبلیغی) جماعت پر گورنمنٹ کا دست کرم ہے اور گورنمنٹ کے سہارے یہ پھل پھول رہی ہے تو پھر تبلیغی جماعت والوں کو ملک کے طول وعرض میں چنا اور ستو لیکر کلمہ اور نماز کی دعوت دینے میں روپئے پیسے کی فکر کیونکر لاحق ہوسکتی ہے۔ منی آرڈر تو گھر پہنچتا ہی جا رہا ہے مگر قوم کو دکھانے اور بہلاوا دینے کے لئے ستو کی گٹھری بغل میں دبی ہے۔ " ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہوتے ہیں کھانے کے اور۔"

کسی ایرے غیرے کا نہیں بلکہ مولوی حفظ الرحمٰن ناظم جمیعۃ العلماء ہند جیسے ذمہ دار کا اقرار ہے کہ مولانا الیاس کو تبلیغی تحریک کے لئے گورنمنٹ کی جانب سے روپیہ ملتا تھا۔"

اب تو ناظرین تبلیغی جماعت کی حقیقت سمجھ چکے ہوں گے کہ اس تگ و دو اور دوڑ دھوپ میں کس کی روح کارفرما ہے۔ بھلا بتلایئے تو سہی انگریز جیسے اسلام اور مسلمان دشمن کو محمدی کلمہ اور نماز کی نشر و اشاعت سے کیا تعلق ؟ ع۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ کلمہ اور نماز کے نام پر جو گلی گلی کی خاک چھانی جارہی ہے اس میں گورنمنٹ کی رضا جوئی اور خوشنودی حاصل کرنی ہے۔

کسی نہ کسی معاملہ پر طرفین میں معاہدہ ہوچکا ہے۔ گورنمنٹ اس لئے روپیہ دیتی ہے کہ کلمہ اور نماز کی دعوت پر تم مسلمانوں کی رہنمائی اور پیشوائی کرو۔ جب مسلمان تمہیں اپنا رہنما اور پیشوا مان لے گا تو کل ہمارے الیکشن میں تمہارا ایک اشارہ کافی ہوگا۔ جدھر تمہارا ووٹ گرے گا اسی طرف تبلیغی جماعت کا جھکاؤ ہوگا۔ مسلمانوں میں تمہارا ڈکیٹری قائم رہے اور تمہارے واسطے سے مسلمانوں کا ووٹ ہمیں ملتا رہے۔ اور معاہدہ کی دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تم مجھ سے روپیہ لیکر مسلمانوں کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لو اور جب ان پر قابو پا جاؤ تو اپنے تقدس و اتباعِ شریعت کا سہارا لیکر مسلمانوں میں نئے نئے عقیدے پھیلاؤ۔ اولیاء اللہ کی قبر پر جانے والوں کو بدعتی کہنا۔ یارسول اللہ کہنے والوں کو مشرک کہنا۔ میلاد و قیام کرنے والوں پر پھبتی کسنا، عرس و فاتحہ کرنے والوں کو منہ چڑھانا۔ تو مسلمانوں میں خود ہی پھوٹ پڑجائے گی اس طرح سے ہم تم دونوں کا مقصد حل ہوجائے گا۔ تم ایک ٹولی کے قائد ہوجاؤ گے اور مسلمانوں کا افتراق و انتشار دیکھ کر ہم چین و سکون کی بانسری بجائیں گے۔ یہ ہے تبلیغی جماعت کا پس منظر اور اس کی دوڑ دھوپ کا نتیجہ۔

اب دو قدم اور بھی مرے ساتھ آگے بڑھیئے اور دیکھئے تو سہی۔

ع پہنچا کہاں سے ہے کہاں سلسلۂ دراز عشق

چلئے ذرا تھانہ بھون کی سیر کریں اور مولانا اشرف علی تھانوی کی انگریز دوستی کے سربستہ راز معلوم کریں

(۴) علماء دیوبند کی انگریز دوستی پر چوتھی شہادت

حوالہ مکالمۃ الصدرین ص۱۰و۱۱ کی عبارت ملاحظہ فرمایئے اور مولانا تھانوی کے انگریز بہادر سے قلبی تعلقات پر آفریں صد آفریں کہئے۔

> "مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی صدر جمعیۃ الاسلام کلکتہ نے مولوی حفظ الرحمن صاحب کے جواب میں کہا کہ دیکھئے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اور آپ کے مسلّم بزرگ و پیشوا تھے، ان کے متعلق بعض لوگوں کو کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان (یعنی مولانا تھانوی) کو چھ سو روپیہ ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔"

ع۔ ایں ہمہ خانہ آفتاب است

علماء دیوبند میں جس کو دیکھئے اس کا دامن انگریز بہادر کے دامن سے وابستہ ہے کیا اب بھی دماغ کے کسی حاشیہ میں شک و شبہ کی گنجائش باقی رہ گئی کہ علماء دیوبند انگریز کے زرخرید غلام نہ تھے۔ انگریز اپنا حق ادا کر رہا تھا اور یہ جبہ و دستار والے اپنا عہد و پیمان پورا کر رہے تھے۔ آخر ش یہ چھ سو روپئے ماہانہ کسی نہ کسی مقصد ہی کے پیش نظر دیئے جاتے تھے۔ اب کون انکار کر سکتا ہے کہ تقویۃ الایمان، حفظ الایمان، بہشتی زیور، تحذیر الناس فتاوی رشیدیہ، صراط مستقیم، جیسی شر انگیز، کفر آمیز کتابیں انگریزی حکومت کے ایما رو اشارے پر لکھی گئی ہیں۔ یہی وہ گندی و پھوہڑ کتابیں ہیں جن سے ہندی مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہوا اور مسلمانوں کے گھر کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ باپ سنّی ہے تو بیٹا وہابی، بیوی مُردوں کو فاتحہ دلانا چاہتی ہے تو شوہر طلاق دینے پر آمادہ اور اگر شوہر محفل میلاد شریف کرنا چاہتا ہے تو بیوی نکاح فسخ کرانے کے لئے تیار۔ شبرات کے حلوے اور عید کی سیوئیں پر خانہ جنگی" یہی انگریز کی پالیسی تھی جس میں وہ سولہ آنا کامیاب ہوا۔ انگریز اپنے ہاتھوں یہ کام

انجام نہ دے سکتا تھا۔ اگر بہشتی زیور۔ حفظ الایمان اور تقویۃ الایمان پر کسی عیسائی پادری کا نام ہوتا تو مسلمان ایسی کتاب کو درخور اعتنائی بھی نہ سمجھتا اسے دیکھنا تو درکنار اپنے ہاتھ میں لینا بھی گوارا نہ کرتا مگر جس کتاب کے سرورق پر شہید وطن، شیخ الہند، مربی خلائق، حکیم الامت حجۃ الاسلام، شیخ الاسلام جیسے فوق البھڑک خطابات و ٹائیٹل ہوں تو خواہی نخواہی ایک بار مسلمان اس کی طرف متوجہ ہو ہی جاتا ہے۔

چنانچہ انگریزی فتنہ پرور پالیسی مسلمانوں کے گھر اسی چور دروازے سے داخل ہوئی اور آج تک مسلمانوں کے بدن میں ناسور بن کر رس رہی ہے۔

حضرات علماء دیوبند کی یہی وہ کتابیں ہیں جن سے مسلمانوں کے گھر اختلافات کے سوتے پھوٹ پڑے اور نہ جانے اختلافات کی کتنی ندیاں اور نالے بہہ گئے۔ ذرا کوئی خیال تو کرے کس قدر حیرت کی بات ہے کہ اگر آج شادی میں دولہا کو سہرا باندھ دیا جائے تو دیوبندی مولوی کا شرک کا فتویٰ لئے حاضر۔ "ارے ارے یہ کیا غضب ہوگیا"

کوئی بتائے تو سہی کہ آخر ش سہرا اور شرک میں کون سا جوڑ ہے۔ آپ یہ نہ سمجھئے کہ یہ حضرات شرک و بدعت کی تعریف نہیں جانتے۔ جانتے ہیں مگر مشکل یہ آن پڑی کہ انگریز دوستی میں انھیں کی عبارتیں انھیں کے حق میں "سانپ کے منہ میں چھچھوندر بن گئی ہیں" جو نہ نگلتے بنے نہ اگلتے بنے۔

انگریزوں کو خوش کرنے کے لئے کہیں یہ لکھ مارا کہ "عبد النبی"، "غلام دستگیر"، "پیر بخش" نام رکھنا شرک ہے۔ حالانکہ مولوی رشید احمد گنگوہی کے پدری و مادری دونوں نسب ناموں میں یہ مشرکانہ نام موجود ہیں۔ کبھی شوق چرایا تو یہ لکھ دیا کہ میلاد تو ایسے ہی ہے جیسے "کنہیا کا جنم" حالانکہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے "فیصلہ ہفت مسئلہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ میں سال بہ سال محفل میلاد شریف منعقد کرتا ہوں اور کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں لذت محسوس کرتا ہوں۔ علماء دیوبند انگریز دوستی میں مسلمانوں کے ہر فعل پر شرک کی چھاپ لگاتے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کوئی دیوبندی مولوی شرک کی صحیح تعریف کر ہی نہیں سکتا اور اگر کوئی دیوبندی مولوی شرک کی ایسی تعریف کر سکتا ہے جس سے اس کے اکابر اس

تعریف کی زد میں نہ آئیں تو آج بھی میرا چیلنج ہے کہ کوئی بھی شرک کی جامع ومانع تعریف کر کے مجھ سے پانچ سو روپے کا انعام حاصل کرے۔

ایسی ضد کا کیا ٹھکانہ دین حق پہچان کر
ہم ہوئے مسلم تو وہ مسلم ہی کافر ہو گیا

علماء دیوبند کی انگریز دوستی کے زیر عنوان میں نے جتنی شہادتیں پیش کی ہیں ان سب میں حضراتِ دیوبندی کا قلم کارفرما ہے جس سے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی انکار نہیں کر سکتے۔ بایں ہمہ علماء دیوبند کی دیدہ دلیری ملاحظہ فرمائیے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی برٹش عہد کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور اسکو امن وعافیت کا زمانہ قرار دیتے۔ انگریز بہادر کو اپنا مالک ومختار سمجھتے۔ جناب تھانوی صاحب کی جیب چھ سو روپیہ ماہانہ سے گرم ہوتی رہی اور مولوی الیاس صاحب کو کلمہ اور نماز کی تحریک چلانے کے لئے گورنمنٹ سے امداد ملتی رہی۔ ان حضرات کو مجاہد وطن اور سپہ سالارِ اعظم کہا جائے اور مسلمانوں کو آبرومندانہ زندگی دینے اور ان کی عزت وآبرو محفوظ رکھنے کیلئے وہ فضل حق جس نے دریائے شور کی مصیبتیں جھیلی ہوں اس کو انگریز کا پٹھو اور نہ جانے کیا کیا کہا جائے۔

آخر ش کب تک اس قوم کو علماء دیوبند تھپکیاں دے کر سلاتے رہیں گے۔

حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کے ساتھ علماء دیوبند نے جو زیادتی برتی ہے اس پر میری ہی آنکھ اشکبار نہیں بلکہ بعض ان کے بھی اس ناروا زیادتی کو برداشت نہ کر سکے۔

چنانچہ مولوی عبد الشاہد خاں صاحب شیروانی ناظم جمعیۃ علماء علی گڑھ "باغی ہندوستان" میں رقم طراز ہیں۔

مقدمہ باغی ہندوستان صفحہ ۱۲

"مجاہد جلیل مولانا اسماعیل شہید کی سوانح حیات لکھنے والوں نے علامہ (فضل حق) کے ساتھ بڑا ظلم روا رکھا رنگ آمیزی وبہتان طرازی سے بھی دریغ نہ کیا۔"

یہ ہے علماء دیوبند کی وہ فرقہ وارانہ ذہنیت جس پر اپنے وبیگانے دونوں ہی نکتہ سنج اور نکتہ چیں ہیں۔

اب مناسب یہ ہے کہ اسی ضمن میں اسماعیلی نام نہاد تحریک کی ایک جھلک پیش کر دیجائے۔

سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی کا
یاغستانی مسلمانوں پر حملہ

تمھیں کالی گھٹا کا بھی نہیں پہچاننا آیا
نشیمن سے دھواں اٹھتا ہے تم کہتے ہو ساون ہے

آج کے موجودہ حالات میں پوری دنیائے وہابیت و دیوبندیت اسماعیلی تحریک کو اپنے لئے باعثِ فخر و مباہات سمجھتی ہے اور ان حضرات کو جہاں کہیں بھی اپنی خدمات کے سراہنے کا موقع ملتا ہے وہاں اسماعیلی تحریک پر شعلہ بار تقریریں کرکے اپنے کو مجاہدین کی صف اوّل میں شمار کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اخبار و پریس کا پروپگینڈہ بھی انھیں حاصل ہے اس لئے گاہے گاہے اخبارات میں بھی ایسے مضامین آتے رہتے ہیں جس سے ان کی کارگزاری کی یاد دہانی ہوتی رہے اور اتنے ہی پر بس نہیں بلکہ جہاں اپنی نام نہاد تحریک پر تقریریں کرتے ہیں وہیں علماء اہلِ سنّت پر یہ بہتان تراشی بھی کہ یہ تو حلوے مانڈے والی جماعت ہے۔

میری عقل حیران ہے، آیا علماء دیوبند کی تقریر و تحریر کا کوئی آئین و ضابطہ بھی ہے یا زبان و قلم کو اتنی آزادی ہے کہ جو من میں آئے بلا روک ٹوک اسے کہدیا جائے اور جو کچھ زبان پر آئے بے محابا اسے بول دیا جائے۔ میں ان کے متعلق یہ بدگمانی کیونکر قائم کرسکتا ہوں کہ تاریخ ان کے سامنے نہیں ہے اور یقیناً ہے۔ مگر تاریخ انھیں اپنے دامن میں پناہ نہیں دے رہی ہے۔ ایک مورخ بھی ان کی آزادانہ روش پر خون کے آنسو روتا ہوگا۔

آ عندلیب مل کے کروں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکارے میں چلاؤں ہائے دل

بہرکیف علماء دیوبند مدتوں سے ریت کی دیوار کا محل اٹھا رہے ہیں جس پر نقش و نگار کی گل کاریاں تو نظر فریب ہوسکتی ہیں مگر وقت کے کسی حادثے کا ایک جھٹکا بھی یہ محل اپنے

کاندھے پر نہ اٹھا سکے گا۔

دانش مندی تو یہ تھی کہ بنیادیں مضبوط ہوتیں خواہ دیواروں پر بیل بوٹے ہوتے یا نہ ہوتے مگر اس جماعت نے اپنی پوری کوشش دھول کی رسّی بٹنے اور ریت کی دیوار اٹھانے میں ختم کر دی۔

اب آیئے تاریخ کی روشنی میں اس دعوے کی شہادتیں بھی فراہم کی جائیں مگر تاریخی شہادت سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ حضرات دیوبند کا دعویٰ کیا ہے۔

(۱) علماء دیوبند کا یہ کہنا ہے کہ سید احمد بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی نے اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر جہاد کیا۔ لیکن تاریخ کو اس سے انکار ہے۔ تاریخ کا کہنا یہ ہے کہ یہ جہاد نہ تھا بلکہ یہ جماعت انگریزوں کے ہاتھ کٹھ پتلی بن کر ناچ رہی تھی وغیرہ وغیرہ۔

(۲) علماء دیوبند کا یہ کہنا ہے کہ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی انگریزوں کے پٹھو تھے اور اسماعیل دہلوی ایک مجاہد تھے۔ مگر تاریخ کو اس سے بھی انکار ہے۔

(۳) علماء دیوبند کا یہ کہنا ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی نے صرف سکھوں سے جہاد کیا مگر تاریخ کا یہ کہنا ہے کہ ان کی پہلی جنگ افغانی مسلمانوں سے ہوئی۔

(۴) علماء دیوبند کا یہ کہنا ہے سیّد احمد بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی اس لڑائی میں شہید کر دیئے گئے۔ مگر تاریخ کے قرائن یہ بتاتے ہیں کہ سکھوں کے ہاتھ نہیں بلکہ ان کی بدعقیدگی کی بنا پر افغانی پٹھانوں نے انھیں قتل کر دیا (گویا ایک شاتمِ رسول کی جو سزا ہونی چاہیئے تھی اس کو پٹھانوں نے اس کے کیفر کردار تک پہنچا دیا۔)

(۵) علماء دیوبند کو اپنے اکابر کی انگریز دوستی سے انکار ہے مگر تاریخ نے ان کی انگریز دوستی پر مہر ثبت کر دی ہے۔

اب ضرورت ہے کہ ہر ایک دعوے کو تاریخ کی کسوٹی پر جانچ پرکھ لیا جائے اور فیصلہ تاریخ کے ہاتھ سپرد کر دیا جائے تاکہ بات ادّعائے محض کی منزل پر نہ رہ جائے۔

اس سلسلہ کا پہلا حوالہ ملاحظہ فرمایئے۔

تذکرۃ الرشید۔ حصّہ دوم صفحہ ۲۷

(۱) "حضرت مولوی رشید احمد گنگوہی" نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ حافظ جانی ساکن انبیٹھ نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ہم قافلہ میں ہمراہ تھے، بہت سی کرامتیں وقتاً فوقتاً حضرت سید صاحب سے دیکھیں، مولوی عبد الحئی صاحب لکھنوی اور مولوی اسمٰعیل دہلوی اور مولوی محمد حسین صاحب رامپوری بھی ہمراہ تھے اور یہ سب حضرات سید صاحب کے ہمراہ جہاز میں شریک تھے سید صاحب نے پہلا جہاد مسمیٰ یار محمد خاں حاکم یاغستان سے کیا تھا"

اب میں ناظرین کا انصاف چاہتا ہوں کہ یار محمد خاں یہ کسی مسلمان کا نام ہے ؟ یا کسی سکھ (سردار جی) کا ؟ اور ملک یاغستان یہ اسلامی مملکت کا زیر نگیں ملک ہے یا سکھستان کا ؟ انگریزوں نے مولوی اسماعیل کو سکھوں سے لڑنے کے لئے بھیجا تھا یا غریب افغانی پٹھانوں سے جنگ و جدال کے لئے ؟ یہ بات واضح رہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی علماء دیوبند کے مسلم رہنما و بزرگ ہیں جن کے مرنے پر مولوی محمود الحسن صاحب صدر مدرس دیوبند نے مرثیہ لکھ کر اپنی عقیدت مندی کا ثبوت دیا ہے جس کا صرف ایک شعر یہاں سن لیجئے۔

خدا ان کا مربی وہ مربی تھے خلائق کے
مرے مولا مرے ہادی تھے بیشک شیخ ربانی

مولوی رشید احمد صاحب تمام مخلوقات کے مربی تھے۔ علماء دیوبند کے "مولا" "ہادی" اور "شیخ ربانی" ہیں۔ بھلا مربی خلائق کی تحریر سے کس طرح علماء دیوبند کو انکار ہو سکتا ہے۔

غور فرمایئے کہ اسماعیلی جہاد سکھوں کے ساتھ تھا یا حاکم یاغستانی یار محمد خاں کے ساتھ تھا۔ اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ مولوی اسماعیل دہلوی انگریزوں کے پٹھو نہ تھے۔ اب اس دعوے کی دوسری شہادت ملاحظہ فرمایئے۔

سیرت سید احمد حصہ اوّل صفحہ ۱۹۰ مرتبہ مولوی ابو الحسن علی صاحب ندوی۔

(۲) "اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ انگریز گھوڑے پر سوار چند پالکیوں میں کھانا رکھے کشتی کے قریب آیا اور پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں۔ حضرت نے

کشتی پر سے جواب دیا کہ میں یہاں موجود ہوں انگریز گھوڑے پر سے اترا اور ٹوپی ہاتھ میں لئے کشتی پر پہونچا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ تین روز سے میں نے اپنے ملازم کو یہاں کھڑے کر دیئے تھے کہ آپ کی اطلاع کریں۔ آج انھوں نے اطلاع دی کہ اغلب یہ ہے کہ حضرت قافلہ کے ساتھ تمھارے مکان کے سامنے پہنچیں۔ یہ اطلاع پاکر غروب آفتاب تک میں کھانے کی تیاری میں مشغول رہا۔ سیّد صاحب نے حکم دیا کہ کھانا اپنے برتنوں میں منتقل کرلیا جائے۔ کھانا لیکر قافلے میں تقسیم کر دیا گیا اور انگریز دو تین گھنٹہ ٹھہر کر چلا گیا۔"

مندرجہ بالا عبارت نے اسماعیلی نام نہاد تحریک جہاد کو اس قدر عریاں و بے نقاب کر دیا کہ اب اس جنگ زرگری کی کوئی بھی کڑی محل خفاء میں نہ رہ گئی۔ بار بار اس عبارت کو پڑھئے اور اندازہ کیجئے کہ سیّد صاحب اور اسمٰعیل صاحب انگریزوں کے اشارے کیسا دلفریب ڈرامہ کھیل رہے تھے۔

مجاھدین تو لڑنے کے لئے جارہے ہیں مگر انگریز ہر منزل پر کھانا ناشتہ لئے حاضر ہے اور گھنٹہ دو گھنٹہ نہیں مسلسل تین روز تک سیّد صاحب کی آمد کا انتظار ہوتا رہا۔ ادب و احترام کا یہ عالم کہ انگریز ٹوپی ہاتھ میں لے کر حاضر ہوا۔ (انگریزوں کے یہاں ادب کا یہی طریقہ ہے)

کھانا تھوڑا سا نہیں بلکہ چند پالکیوں میں لے کر حاضر ہوا۔ جو پورے قافلہ پر تقسیم کر دیا گیا۔ سیّد صاحب انگریز سے اس قدر گھل مل گئے ہیں کہ اب مولانا صاحب نہیں بلکہ پادری صاحب ہو گئے۔

انگریز نے پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں تو سیّد صاحب نے بلا تامل جواب دیا کہ میں یہاں موجود ہوں۔ خیال فرمائیے اس سوال و جواب میں کوئی اجنبیت و بیگانگیت نہیں محسوس ہورہی ہے بلکہ یہی سوال و جواب کسی پرانی رسم و راہ کی روشن دلیل ہیں۔

انگریز کے علم میں یہ بات ہے کہ آج ہمارے زرخرید غلاموں کا قافلہ ادھر سے گذرے گا۔ اور پادری صاحب (سید صاحب) کو یہ معلوم ہے کہ ہمارے ان داتا (انگریز) ہماری خاطر و تواضع کے لئے حاضر باش ہوتے رہیں گے۔

یہ الٹی منطق سمجھ میں نہ آئی کہ جہاد کے لئے تو سید صاحب اور مولوی اسمٰعیل صاحب جارہے ہیں مگر راشن کا انتظام انگریز بہادر کے ہاتھ ہے۔ انگریز دس پانچ منٹ نہیں بلکہ مسلسل تین گھنٹے تک امیر کارواں (سید صاحب) کی خدمت میں حاضر رہا۔ بڑا غضب کیا مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے جنھوں نے اس گفتگو کا تذکرہ نہ کیا غالباً یہ بات ان کے بھی علم میں نہ ہوگی کہ انگریز اور پادری صاحب کے درمیان کیا گفتگو رہی۔ شاید یہی وہ مقام ہے جس کے لئے کسی شاعر نے کہا۔

ع۔ یہ وہ نازک حقیقت ہے جو سمجھائی نہیں جاتی۔

مگر مولانا علی ندوی کو اتنی تو صراحت کر دینی تھی کہ انگریز کس قسم کا کھانا لایا تھا۔ انگریز کے یہاں تو خنزیر اور جھٹکے کا گوشت دونوں ہی درست ہیں۔ نہیں معلوم وہ کیا لایا تھا اور سید صاحب اور ان کے ہمراہی حلال و حرام کی تمیز کئے بغیر صفا چٹ کر گئے۔

اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ وہ فضل حق جس نے اسلام و مسلمانوں کی خاطر قید و بند کی مشقتیں جھیلیں، گھر سے بے گھر ہوا، جزیرۂ انڈمان کی زہر آلود فضاؤں میں کرب و اضطراب کی زندگی گزار کر اپنے نام کو زندگی جاوید دے گیا وہ انگریزوں کا پٹھو تھا یا سید صاحب و مولوی اسمٰعیل صاحب جو انگریزوں کے ہاتھ حلوہ پراٹھا اڑا رہے تھے۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

مندرجہ بالا عنوان کی تائید میں اب تیسرا حوالہ ملاحظہ فرمایئے۔

حیات طیبہ ص ۲۹۶، مرتبہ مرزا حیرت دہلوی۔ مطبوعہ فاروقی، دہلی۔

(۳) " کلکتہ میں جب مولانا اسمٰعیل نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا ہے اور

سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے تو ایک شخص نے دریافت کیا، آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے۔ آپ نے جواب دیا ان پر جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں ہے ایک تو ان کی رعیت ہیں، دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے، ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح آزادی ہے بلکہ ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔"

نوٹ:۔ حیات طیبہ کے علاوہ یہی واقعہ تواریخ عجیبہ صـ۲، مرتبہ محمد جعفر تھانیسری مطبوعہ فاروقی دہلی میں بھی درج ہے۔

اکابر دیوبند کی انگریز دوستی کے لئے کیا اس سے بھی زیادہ کوئی کھلی ہوئی شہادت ہوسکتی ہے؟ سیکڑوں میل کی مسافت پر سکھوں سے جہاد کرنا تو واجب ہے مگر وہ ظالم انگریز جس نے شاہ ظفر کے لڑکوں کا سر باپ کے ناشتہ میں بھیجا ہو، بڑے بڑے علماء پھانسی کے تختے پر لٹکا دیئے گئے ہوں، مساجد اور خانقاہوں کی بے حرمتی کی گئی ہو اس سے جہاد واجب نہیں۔ بلکہ ایسے ظالم و سفاک پر اگر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کو اس سے لڑنا فرض ہے تاکہ انگریز کے دامن پر کوئی آنچ نہ آسکے۔

تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی دونوں ہاتھ سے بجتی ہے۔ ایک طرف سے روپے کی تھیلی ہے اور دوسری طرف سے حلف وفاداری۔

مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہہ جائے تو کوئی غم نہیں مگر انگریز بہادر کے بدن پر سورج کی دھوپ نہ پڑ سکے۔

مجھے دعویٰ نہیں تنہا نباہی دوستی ہم نے
محبّت کو سنبھالا ہے کبھی تم نے کبھی ہم نے

اب اس سلسلہ کی چوتھی شہادت ملاحظہ فرمایئے۔

ع۔ ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں

تواریخ عجیبہ صہ ۱۸۲

(۴) "اس سوانح اور مکتوبات منسلکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیّد صاحب کا سرکار انگریز سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہ تھا۔ وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریزی اس وقت سیّد صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سیّد صاحب کو کچھ مدد نہ پہنچتی مگر سرکار انگریزی اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔"

اور اسی تاریخ عجیبہ ص۹۱ پر سیّد احمد صاحب بریلوی کا یہ مقولہ بھی درج ہے۔

" سرکار انگریز پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصول مذہب طرفین کا خون بلا سبب گرادیں"

کیا خوب کہی! انگریز بہادر سے جہاد کرنا تو خلاف اصولِ مذہب ہے لیکن یار محمد خاں حاکم یاغستان اور افغانی پٹھانوں سے جہاد کرنا عین اسلام ہے۔ اس ضمن میں ناظرین نے یہ بات بھی سمجھ لی ہوگی کہ سیّد احمد صاحب بریلوی انگریز کی آزاد عملداری کو اپنی عملداری سمجھتے تھے۔

سچ ہے! سمجھنا بھی چاہئے تھا جبکہ ہندی مسلمان انھیں کے ہاتھوں انگریزوں کی بارگاہ میں قربانی کا مینڈھا بن چکا تھا جس کے خون کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ انگریز کی چاپلوسی اور خوشامد میں ہزار ہا مسلمانوں کا خون بے دردی سے بہادیا گیا۔ کیا اس سے بھی بڑھ کر وفاداری کا کوئی ثبوت ہوسکتا تھا۔

خیال فرمایئے مولوی اسماعیل صاحب دہلوی اور سیّد احمد صاحب بریلوی کی اس آزاد عملداری میں فضل حق جیسے بیباک نڈر مجاہد کو کیونکر پناہ مل سکتی تھی۔

اب حیات طیبہ ص۳۰۲ کی ایک عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

(۵) "سیّد صاحب کے پاس مجاہدین جمع ہونے لگے تو سیّد صاحب نے مولانا اسمٰعیل کے مشورے سے شیخ غلام علی رئیس الہ آباد کی معرفت لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی شمالی کی خدمت میں اطلاع دی کہ ہم لوگ سکھوں پر جہاد کرنے کی تیاری

کرنے کو ہیں۔ سرکار کو تو اس میں کچھ اعتراض نہیں ہے۔ لفٹنٹ گورنر
صاحب نے صاف لکھدیا کہ ہماری عملداری میں اور امن میں خلل نہ پڑے
تو ہمیں کچھ سروکار نہیں۔"

اس مقام پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اسماعیلی جہاد قرآن وحدیث کی روشنی یا اسلامی تقاضے کی بنیاد پر نہ تھا بلکہ انگریز بہادر کے ایماء واشارے اور ان کی اجازت پر موقوف تھا۔ گویا ایک مطیع وفرماں بردار اپنے آقا کی بارگاہ میں حاضر ہوکر یوں عرض کررہا ہے کہ سرکار اگر اجازت مرحمت فرمائیں تو جہاد کرنے کی تیاری کی جائے۔ ورنہ دیکھئے قرآن کو جزدان میں اور احادیث کو الماری میں بند کئے دیتے ہیں اور حضور ہی کی بخشی ہوئی تلوار میان کے اندر کئے لیتے ہیں۔

"کہاں وہ شوریٔ شوری اور کہاں یہ بے نمکی"۔۔۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ "عہد نبوّت" و "عہد صدّیقی" و "عہد فاروقی" میں بھی متعدد جہاد ہوئے، آخر ش وہ جہاد دنیا کی کس حکومت کے اشارے پر ہوئے تھے؟ اور یہ بات بھی دریافت کرنی ہے کہ مسلمانوں کا جہاد اسلامی تقاضے کی بنیاد پر مبنی ہے یا انگریز بہادر کی اجازت پر۔

روحِ جہاد سے نابلد و ناآشنا تو اسے جہاد کہہ سکتا ہے مگر جس کے سامنے ملت اسلامیہ کی درخشاں تاریخ اور اسلاف و اکابر کے زریں کارنامۂ حیات ہوں وہ اس تحریک کو اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ بعض نام نہاد مولویوں نے زرطلبی و اقتدار پسندی کی خاطر بے گناہ مسلمانوں کا خون بہاکر دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہے اور اپنے پیٹ پوجا و دنیاوی وجاہت کے پیشِ نظر لاکھوں مسلمانوں کو گھر سے بے گھر کیا۔ تاریخ کے مذکورہ بالا حوالہ جات کو دیکھنے کے بعد اسماعیلی تحریک کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ۔

ہم شیخ کی سنتے تھے مریدوں سے بزرگی
تحریر سے دیکھا تو عمامے کے سوا ہیچ!

حیرت ہے علماء دیوبند کی اس دیدہ دلیری پر کہ جنگ زرگری اور تحریک زراندوزی جہاد کا نام دے کر اپنے مجاہدین میں شمار کراتے ہیں اور آج قوم کے سامنے گلے پھاڑ پھاڑ کر

تقریریں کی جاتی ہیں کہ آزادئ وطن کے لئے ہم نے بھی پاپڑ بیلے ہیں۔

جی ہاں! یہ آپ کے وہی مجاہدین وطن ہیں جن کا ہر قدم انگریزوں کے اشارے پر اٹھتا تھا۔ اگر انگریز بہادر کی اجازت ہے تب تو جہاد فرض ہے ورنہ قرآن وحدیث سب بالائے طاق! اگر یہ جہاد مظلوم مسلمانوں سے جذبۂ ہمدردی اور مساجد واذان کی حرمت برقرار رکھنے کے لئے تھا تو انگریز کے ہاتھ کٹھ پتلی بننے کی کیا ضرورت تھی۔ بالفرض اگر انگریز اجازت نہ بھی دیتا تو سب سے پہلے ہندی مسلمانوں کی طاقت انگریزوں سے لڑنے کے لئے اکٹھا کی جاتی سب سے پہلے راستے کا یہ کانٹا دور کر لیا جاتا تب دوسری جنگ رنجیت سنگھ سے لڑی جاتی۔ جیسا کہ کلکتہ کے مسلمانوں نے مولوی اسمٰعیل دہلوی سے مطالبہ کیا تھا کہ آپ انگریزوں سے جہاد کا حکم کیوں نہیں دیتے؟

یہ نہ سمجھئے کہ کوئی ہلکا پھلکا سوال ہے بلکہ اس سوال میں ہندی مسلمانوں کا ضمیر بول رہا ہے اور اسی سوال سے ان کے جذبۂ حریت اور انگریزوں کے خلاف جذبۂ جہاد کا پتہ چلتا ہے۔ گویا ہندوستان کی زمین یہ چاہ رہی تھی کہ ظالم وسفاک انگریزوں کا قلع قمع کر دیا جائے اور ہندی مسلمان دل وجان سے یہ چاہتا تھا کہ یہ سفید چمڑے والے جن کا دل توے کی کالکھ سے زیادہ کالا ہے۔ انھیں چن چن کر سات سمندر پار کر دیا جائے اور ان کے منحوس وناپاک قدم سے ہندوستان جنت نشان پاک وصاف کر کے آبرومندانہ زندگی گزاری جائے۔ جبکہ قوم خود انگریز سے لڑنے کے لئے جذبۂ جہاد رکھتی ہو تو رہنمایان وطن کے لئے یہ کس قدر آسان تھا کہ معمولی سی جدوجہد میں انگریزوں کے خلاف کروڑوں مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر لیتے اور ایسی گھمسان لڑائی لڑتے کہ انگریزوں کے قدم اکھڑ جاتے۔ انھیں صدیوں کے بعد پھر ایک نیا تجربہ ہو جاتا کہ آج بھی مسلمانوں کی رگوں میں وہی گرم گرم خون اور اس میں روح ایمانی ہے جو کبھی بدر وحنین کی معرکہ آرائیوں میں کام کر چکی ہے۔ سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار غلاموں سے تخت وتاج لینا اور ان پر حکمرانی کرنا کچھ آسان نہیں، یہ وہی مجاہدین اسلام ہیں جن کی تاریخ کے سرورق پر آج بھی یہ لکھا ہوا ہے کہ۔

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے (ڈاکٹر اقبال)

چاہیئے تو یہ تھا کہ سید احمد صاحب بریلوی اور مولوی اسمٰعیل دہلوی ہندی مسلمانوں کے جذبۂ حریت کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے اسلامی تقاضے کی بنیاد پر انگریزوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتے جیسا کہ علامہ فضلِ حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد صاحب کاکوروی، مفتی صدرالدین دہلوی وغیرہم نے انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کی مردانہ وار جدوجہد کی مگر افسوس صد افسوس کہ سید احمد صاحب اور مولوی اسمٰعیل دہلوی تو انگریزوں کے ہاتھ بک چکے تھے۔ انگریز کے گردش ابرو پر رقص کرنے والے کب میدانِ جنگ میں ٹک سکتے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ہزاروں مسلمانوں کو قربانی کا بکرا بنا کر میدانِ جنگ میں چھوڑ کر خود سید احمد صاحب بریلوی پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپ گئے۔ جیسا کہ ابھی ابھی اگلے صفحات پر ارواحِ ثلثہ کے حوالے اس حقیقت کو بے نقاب کروں گا۔

برسرِ راہ تواریخ عجیبہ ص۸۹ کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

(۶) "سید صاحب جہاد میں مصروف تھے اس وقت ایک ہنڈی سات ہزار روپئے کی جو بذریعہ ساہوکاران دہلی مرسلہ محمد اسحاق صاحب بنام سید صاحب روانہ ہوئی تھی ملک پنجاب میں وصول نہ ہونے پر اس سات ہزار کی واپسی کا دعویٰ عدالت دیوان میں دائر ہو کر ڈگری ہوا اور پھر بہنگام اپیل عدالتِ عالیہ دیوان ہائی کورٹ آگرہ میں بھی حکم ڈگری بحکم مدعی بحال رہا۔"

اب تک تو آپ حضرات نے یہی پڑھا کہ انگریز چند پالکیوں میں کھانا لے کر حاضر ہوا تھا۔ مگر مندرجہ بالا عبارت نے اس حقیقت کو بھی بے نقاب کر دیا کہ زر خرید غلاموں کو تنخواہ بھی بھیجی جاتی تھی اور روپیہ کی عدم وصولیابی پر انگریز بہادر ہی مقدمہ کی پیروی کرتے تھے۔

روپئے کی تھیلیوں کے سہارے جو جنگ لڑی گئی اس پر جہاد کا لیبل لگا کر علماء دیوبند مونچھوں پر تاؤ دیئے پھرتے ہیں کہ ہم بھی جنگ آزادی میں حصہ لے چکے ہیں۔

علماء دیوبند آج تک اسی خواب خرگوش میں ہیں کہ ہم اپنے پریس کی طاقت و اخباری پروپیگنڈے کے بل بوتے تاریخ کی سطروں پر ایسی غلاف دیں گے جہاں تک کسی کی نظر

نہ پہنچ سکے گی۔ کاش وہ اپنی وسعتِ نظر سے کام لیتے اور یہ سوچتے کہ یہ تاریخ ہے۔ کسی جماعت وجمعیتہ کا دفتر نہیں "تاریخ اپنی گرفت سے کسی کو چھوڑ نہیں سکتی" قصر تاریخ کے صدر گیٹ پر آج بھی جلی قلم سے یہ کندہ ہے کہ۔

سنبھل کر پاؤں رکھنا میکدے میں شیخ جی صاحب
یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ھیں

"تاریخ ایک تلوار ہے جس کی دھار دوست و دشمن میں امتیاز نہیں کرتی جو بھی تلوار کی دھار پر اپنی گردن رکھے گا اس کا کٹ جانا یقینی ہے"

حضرات! سید احمد بریلوی اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کی نام نہاد تحریک جہاد کا یہ ایک اجمالی خاکہ ہے جس کی تفصیل کے لئے تو مستقلاً ایک کتاب چاہیئے۔ بایں ہمہ مذکورہ بالا حوالہ جات اس یقین دہانی کے لئے کافی ہیں کہ یہ جہاد نہ تھا بلکہ برٹش گورنمنٹ کے قدم جما کر ان کی خوشنودی حاصل کرنی تھی۔۔۔ انگریز دوستی کے نام پر یا افغانی پٹھانوں سے جہاد کے اعلان پر مسلم طاقت اکٹھا نہ ہو سکتی تھی، اس لئے مسلم جذبات کو سکھوں کے ظلم وستم کے نام پر مشتعل کیا گیا۔ اور نہ معلوم کتنے غریب مسلمانوں کی گردن انگریز کی سودا بازی میں بیچ کھائے۔

کون بتا سکتا ہے کہ کتنے بچے یتیم ہوئے، کتنی عورتوں کا سہاگ لٹ گیا۔ کتنی مائیں بن اولاد ہو گئیں اور کتنے خانماں برباد ہو گئے۔ آخر ش لاکھوں مسلمانوں کی خانہ بربادی کس کے ہاتھ ہوئی اور بے گناہ مسلمانوں کا قافلہ دن دھاڑے کس طرح لوٹا گیا۔

نہ اِدھر اُدھر کی تو بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزنوں سے غرض نہیں تری رہبری کا سوال ہے

افسوس صد افسوس! سر دھننے کا مقام ہے کہ وہ انگریز جس کی اسلام ومسلمان دشمنی آفتاب سے زیادہ روشن ہے اس سے تو اکابر علماء دیوبند نے حلف وفاداری اٹھایا اور ملک یاغستان میں یار محمد خاں سے لڑائی مول لینے کے لئے مسلم فوج اکٹھا کی گئی۔ چنانچہ معتبر واقعہ یہی ہے کہ۔

"سید احمد اور مولوی اسماعیل دہلوی جب مقام پنج تار پہنچے تو وہاں

کے رئیس فتح خاں نامی نے شروع میں ان لوگوں کی خاطر تواضع کی اور یہ لوگ چند دنوں وہاں رہے۔ لیکن ان دونوں نے وہاں کے لوگوں پر ظلم و ستم شروع کیا، ان کو بدعقیدہ۔ بدمذہب ٹھہرایا۔ بات بڑھ گئی تو ان پٹھانوں نے ان کو وہیں ختم کر دیا۔ یہ لوگ اپنے ظلم وستم کی وجہ سے پٹھانوں کے ہاتھ مارے گئے۔"

جو اپنے ظلم وستم کے باعث صحیح العقیدہ پٹھانوں کے ہاتھ مارا گیا اور جس کے دامن پر نہ جانے کتنے بے گناہ مسلمانوں کے خون کی چھینٹیں آہ وفغاں کر رہی ہیں، اسی ظالم بدعقیدہ، مذبوح کو آج شہید کا لقب دیا جارہا ہے اور لاکھوں غریب مسلمانوں کے بیکسی و بربادی کی خونی داستان کو یک لخت دریابرد کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مگر واضح رہے۔

رنگ جب محشر میں لائے گی تو اڑ جائے گا رنگ
یوں نہ کہیے سرخیٔ خونِ قتیلاں کچھ نہیں

جس قدر بھی بے گناہ مسلمانوں کا خون انگریز دوستی کے پردے میں بہایا گیا ہے ان سب کا حساب کتاب اکابر علماء دیوبند کی گردن پر ہے۔ کس قدر شرم وغیرت اور ڈوب مرنے کی جگہ ہے کہ مسلمانوں کو میدان کارزار میں اکیلا چھوڑ کر یہ حضرات غائب ہو گئے جس کے حوالہ میں ارواحِ ثلثہ ص۱۴۱ کی عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

(۷) "دوسرے شخص نے بیان کیا کہ ہم انھیں دنوں سید صاحب کو ایک پہاڑی میں تلاش کر رہے تھے۔ دفعتہً کچھ فاصلہ پر گڑ بڑاہٹ سنا میں وہاں گیا تو دیکھا کہ سید صاحب اور ان کے دو ہمراہی بیٹھے ہیں، میں نے سلام ومصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت کیوں غائب ہو گئے۔ سب لوگ بغیر آپ کے پریشان ہیں، مجبور ہو کر ہم نے فلاں شخص کو خلیفہ بنالیا ہے اور ان سے بیعت کی ہے۔ آپ نے اس پر تحسین کی اور فرمایا کہ ہم کو اب غائب رہنے کا حکم ہوا ہے اس لئے ہم نہیں آسکتے۔ اتنا فرما کر قافلہ والوں کی خیر اور حالت پوچھے اور پھر روانہ ہو گئے۔ میں نے بھی

ہمراہ ہونے کے لئے عرض کیا تو منع فرمایا اور پھر کوشش کر کے جو میں نے پیچھے چلنا چاہا تو میرے ہاتھ پاؤں وزنی ہو گئے۔ میں تو کھڑا اکھڑا رہ گیا۔ حیران اور مایوس تھا کہ یا اللہ کیسے چلوں اور حضرت سید صاحب معہ ہمراہیاں سے غائب ہو گئے۔"

تھک تھک کے ہر مقام پر دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

"تیسرے ایک شخص نے بیان کیا کہ سید صاحب کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہم ایک گاؤں میں ایک جگہ اترے، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ قبر جو ڈھئی ہوئی تازہ پڑی ہے اس کو سید صاحب ابھی ڈھوا کر گئے ہیں۔ کیونکہ اونچی تھی۔ اِدھر اُدھر دیکھا تو پتہ نہ لگا۔"

ملّت اسلامیہ کی تاریخ کا یہ ایسا دل گداز و عبرت انگیز باب ہے جس کو پڑھ کر مرد مومن کی گردن شرم و غیرت سے جھک جائے گی اور بے گناہ مسلمانوں کی بیچارگی وکس مپرسی پر اُس کی آنکھیں آٹھ آٹھ آنسو روئیں گی۔ میری عقل حیران ہے کہ جب یہ تاریخ کسی ہندو، عیسائی، سکھ، پارسی کی نگاہ سے گزرتی ہوگی تو وہ اسلام اور قائدینِ اسلام کے بارے میں کیا رائے قائم کرتے ہوں گے۔ وہ لوگ تو سید احمد بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی کی بزدلانہ حکایات اور اس کی مسلم کش پالیسی پر دوسرے قائدین اسلام کو بھی قیاس کرتے ہوں گے اور اسی مکروہ وگندہ آئینہ میں تمام ہی رہنمایان اسلام کی تصویر دیکھنا چاہتے ہوں گے۔ کاش حضرات دیوبند ان واقعات پر نظر ثانی کرتے اور ٹھنڈے دل سے سوچتے کہ وہ زہر کو تریاق کہہ کر شجرِ اسلام پر کیسی شدید تیشہ زنی کر رہے ہیں۔ کسی کو مقتدا و پیشوا مان لینے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کے جرم و خطا کو بھی ثواب و عبادت کا مرتبہ دیا جائے۔ رات کی تاریکی کو دن کا اجالا اور آگ کے انگارے کو شاداب پھول نہیں کہا جاتا۔ خیال فرمایئے یہ کیسی نا انصافی و بداخلاقی ہے کہ ہزاروں ناتجربہ کار اور سادہ لوح مسلمانوں کو ایسے میدان میں جہاں تلواروں کی جھنکار اور تیروں کی بارش میں اوسان خطا کر جائیں۔ وہاں ان غریبوں کو اکیلا چھوڑ کر یہ لوگ اپنی جان بچانے کی خاطر غائب

ہو گئے۔ آخر ش وہ غریب مسلمان بے یارو مددگار کیا کرتے یا تو بِن لڑے اپنی جان دیتے یا لڑ جھگڑ کر مر جاتے، اب تو انھیں موت کے چنگل میں دے ہی دیا گیا ہے سچ کہا کسی دل جلے شاعر نے ؎

دل کے پھپھولے جل گئے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اس قسم کے مذموم و قبیح الاخلاق حرکات انھیں لوگوں سے سرزد ہو سکتے ہیں جنھیں آخرت کی باز پرس کا خیال جاتا رہا ہو اور اس دنیائے فانی کو عیش دوام کی جگہ سمجھ لی ہو۔ یہ حقیقت آج نہ سہی تو کل میدانِ محشر میں عریاں و بے نقاب ہو کر رہے گی۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عدالت میں لاکھوں فریادی مسلمانوں کے ہاتھ ایک مجرم کا دامن ہوگا اور سب یک زبان ہو کر اپنے خون کا بدلہ چاہتے ہوں گے۔ گندم نما جو فروش ساہوکاروں کی تجارت و قومی غداری اور اسلام دشمنی کی تصویر آپ نے ملاحظہ فرمالی۔ اب چند سطروں میں تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمایئے۔ جس میں علامہ فضل حق اور ان کے رفقار کار کے مجاہدانہ کارنامے کی جھلک ہے۔ اس سلسلہ میں "دعوت" سہ روزہ کا ایک مقالہ ملاحظہ فرمایئے۔

دعوت سہ روزہ دہلی ۲۸ر اگست ۱۹۵۷ء صہ۲ کالم نمبر ۳ و ۴ و ۵ پھر صفحہ ۵ کالم نمبر ۱ نمبر ۲ زیر عنوان "۱۸۵۷ء میں علماء کا حصہ (از شیخ محمد اسماعیل پانی پتی)

"علماء اسلام ابتدا ہی سے دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں، ان میں ایک گروہ ان علماء کا ہے جو حق و انصاف کی تلقین کو اپنا بنیادی فرض تصور کرتے ہیں اور بنی نوع انسان کی خدمت کو عبادت الٰہی کا جز خیال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے ہر زمانہ اور ہر عہد میں ان علماء حق نے ظلم و استبداد اور غلامی کے خلاف جہاد کیا اور جابر سے جابر حکمراں سے بھی خوف نہ کھایا۔

انگریزوں کے دور میں بھی ایسے عالموں کی کمی نہ تھی جو نئے حاکموں کو غاصب اور ظالم کہتے تھے اور ان کے خلاف جہاد کرتے تھے اور اپنی جانیں قربان کرتے تھے، چنانچہ ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں سے بہت مدت پہلے ملک میں علماء اسلام کی رہنمائی میں انگریزوں کی مخالفت شروع ہو چکی تھی۔ علماء حق فوجوں اور

چھاؤنیوں میں شہروں اور قصبوں میں کبھی علانیہ اور کبھی خفیہ طور سے انگریزوں کے خلاف جہاد کی تلقین کرتے تھے۔ جس کسی نے ہنٹر کی کتاب پڑھی ہے اسے علم ہوگا کہ علماء کی یہ تحریک انیسویں صدی کے ابتدا سے بڑے منظم طور سے جاری تھی اور بنگال سے پشاور تک تمام اہم مقامات پر اس تحریک کے مرکز قائم تھے، جہاں مجاہدین آزادی کی تعلیم و تربیت ہوتی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں جب لاکھوں محبان وطن نے آزادی کا پرچم بلند کیا تو علماء بھی میدان جنگ میں آ گئے۔ انھوں نے جگہ جگہ آزادی کے لئے تبلیغ کی اور لوگوں کو اس میں شرکت کرنے کی دعوت دی۔

مولانا پیر علی پٹنہ کے مشاہیر علماء سے تھے۔ ان کا کاروبار کتاب فروشی تھا مگر دل میں انگریزوں سے دشمنی رکھتے تھے۔ ہنگامہ کی خبر نے ان کے دل میں بھی حرکت پیدا کر دی۔ کاروبار چھوڑ کر میدانِ سیاست میں نکل آئے۔ عوام کو ہاتھ میں لے لیا اور مسلمانوں کو جہاد کرنے کے لئے آمادہ کر لیا۔ یہ لوگ جوق در جوق ان کے جھنڈے تلے جمع ہوئے۔ (تاریخ بغاوت ہند ص ۲۶۱)

دہلی اور میرٹھ کی خبریں جب لکھنؤ پہنچیں تو وہاں بھی حریت کے شیدائیوں نے آزادی کے لئے جد و جہد شروع کر دی۔ مرزا برجیس قدر کی بادشاہت کا اعلان کرانے اور لوگوں کو آزادیٔ وطن کے لئے جہاد میں شامل ہونے کے لئے تبلیغ کرنے والا بھی ایک عالم ہی تھا اور یہ تھا صوفی احمد اللہ شاہ، اس کے متعلق تھامس اسٹینس نے لکھا ہے کہ ـــــ "صوفی احمد اللہ شاہ عظیم المرتبت، بیباک، جسارت و عزم محکم کا مالک تھا اور ان تمام میں بہترین سپاہی تھا"

جنگ آزادی کے دوران میں علماء و فضلاء نے بھی اسی طرح حصہ لیا جس طرح آزادی کے دوسرے متوالوں نے لیا۔ جب دہلی میں جنگ آزادی کا زور تھا اور جنرل بخت خاں اس جنگ کا ہیرو تھا تو اس نے سوچا کہ اگر اس وقت علماء سے جہاد کا فتویٰ لے کر اس کی تشہیر کی جائے تو لوگوں میں ایک نیا جوش پیدا ہو سکتا ہے، چنانچہ اس نے علماء سے جہاد کا فتویٰ لیا اور اسے دہلی کے

گلی کوچوں میں چسپاں کرایا۔ اس فتوے کا تشہیر پانا تھا کہ لوگوں میں ایک بجلی سی کوندگئی اور وہ پروانوں کی طرح جنگ آزادی میں کود پڑے۔

مورخ ذکاء اللہ جیسے آدمی نے بھی اعتراف کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

جب تک دہلی میں بخت خاں نہیں آیا تھا، جہاد کے فتوے کا چرچا شہر میں بہت کم تھا، مساجد میں ممبران پر جہاد کا وعظ کمتر ہوتا تھا۔ بخت خاں نے یہ فتویٰ لکھوایا کہ مسلمانوں پر جہاد فرض ہے۔ فتوے کا اثر یہ تھا کہ مسلمانوں میں جوشِ مذہبی زیادہ ہو گیا۔

جب دہلی کے گلی کوچوں میں جنگ آزادی لڑی جارہی تھی اور بازاروں میں لاشوں کے ڈھیر پڑے۔ اگر اس وقت ایک طرف مخدوم شاہ محمود جیسے عالم اپنے مریدوں سمیت جہاد کے خلاف تھے تو دوسری طرف مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا جعفر تھانیسری، مولانا امام بخش صہبائی، مولوی تبارک علی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی مظہر کریم دریا آبادی، مولانا احمد اللہ، مولانا یحییٰ علی، مفتی انعام اللہ گوپا، مفتی لطف اللہ علی گڑھ، مولانا فضلِ رسول بدایونی مولانا فضل امام خیر آبادی وغیرہ جیسے سیکڑوں عالم و فاضل ایسے تھے جو جنگِ آزادی میں برابر کے شریک تھے اور جب مغلیہ خاندان کا آخری چراغ بجھ گیا، تخت و تاج چھن گئے اور وطن کے جاں نثاروں کو چن چن کر گولیوں کا نشانہ بنا دیا جانے لگا تو اس میں علماء بھی شامل تھے جو اس وقت دوسرے لوگوں کو پیش آئے جن علماء و فضلائے نے فتویٰ جہاد پر دستخط کئے تھے ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں، مولانا فضلِ حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو جزیرہ انڈمان بھیجا گیا۔"

اب اس کے بعد باغی ہندوستان کی ایک عبارت ملاحظہ کیجئے جس سے آپ کو یہ صحیح اندازہ ہو جائے کہ فتویٰ جہاد میں پیش قدمی کرنے والا کون تھا۔

باغی ہندوستان ص ۱۵۶

"علامہ (فضل حق خیر آبادی) اسے جنرل بخت خاں ملنے پہنچے، مشورہ کے بعد علامہ نے آخری تیر ترکش سے نکالا بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کا استفتاء پیش کیا۔
مفتی صدر الدین خاں آزردہ صدر الصدور دہلی، مولوی عبد القادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبر آبادی، سیّد مبارک شاہ رامپوری نے دستخط کر دیئے۔ اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوّے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی۔"
(تاریخ ذکاء اللہ)

آزادیٔ وطن کے مجاہدِ جلیل حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کی انگریز دشمنی کے ساتھ مولوی سیّد احمد بریلوی کی انگریز دوستی کی ایک اور شہادت ملاحظہ کیجئے اور اندازہ فرمایئے کہ ان دونوں میں کس قدر بُعد المشرقین تھا۔

مولوی عبد الحق جو فضلاء دیوبند میں شمار کئے جاتے ہیں وہ اپنی تفسیر حقانی ص ۱۱۲ تفسیر سورۂ بقر میں نیچری کے زیر عنوان لکھتے ہیں۔

"اس کنبے سے ایک شخص سید احمد خاں بہادر بھی پیدا ہوئے۔ یہ شخص ابتداء میں مولوی مخصوص اللہ نبیرۂ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی خدمت میں آکر کسی قدر صرف ونحو سے آشنا ہوئے اور تعویذ گنڈے بھی سیکھے لیکن جب یہ نسخہ نہ چلا تو گورنمنٹ برٹش کی طرف رجوع کیا اور اپنی لیاقت خداداد سے کوئی اچھا عہدہ بھی پایا پھر تو پکے وہابی متبع مولوی اسماعیل صاحب کے ہو گئے۔"

"مولوی عبد الحق صاحب فاضلِ دیوبند کی مذکورہ بالا عبارت نے یہ واضح کر دیا کہ جناب سیّد صاحب کوئی مولوی یا عالم نہ تھے۔ محض عربی گرامر سے تھوڑا بہت آشنا ہوئے مگر جب گاڑی نہ چل سکی تو تعویذ گنڈے کے پیچھے پڑ گئے اور جب یہ نسخہ بھی کامیاب نہ ہوا تو برٹش گورنمنٹ کے دامن میں پناہ لی۔

اب یہیں پر مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے بھائی مظہر علی کے بارے میں مولوی حسین احمد صاحب کی رائے سن لیجئے۔ کسی سائل نے مولوی حسین احمد ٹانڈوی سے چند سوالات کئے تھے۔ جس میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ یہ بات سننے میں آئی ہے کہ آپ اور مولوی محمود الحسن صاحب کی گرفتاری میں مولوی اشرف علی تھانوی کا ہاتھ ہے کیا یہ صحیح ہے؟

مولوی حسین احمد ٹانڈوی کا حسب ذیل جواب ملاحظہ فرمائیے۔

مکتوبات شیخ جلد دوم صفحہ ۲۹۷ تا ۲۹۹۔

"مولانا مرحوم (تھانوی) کے بھائی محکمہ سی آئی ڈی میں بڑے عہدے دار اخیر تک رہے ان کا نام مظہر علی ہے انھوں نے جو کچھ کیا ہو مستبعد نہیں۔"

مولانا اشرف علی تھانوی کو گورنمنٹ چھ سو روپیہ ماہوار دیتی تھی۔ مولانا تھانوی کے بھائی مظہر علی سی آئی ڈی کے بڑے عہدے پر فائز رہے۔

مولوی الیاس بانی تبلیغی جماعت کو گورنمنٹ روپیہ دیتی تھی۔ جناب سیّد احمد صاحب کو برٹش گورنمنٹ نے بڑا عہدہ دیا۔ مولوی رشید احمد گنگوہی نے برٹش کو اپنا مالک و مختار کہا۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے کہا برٹش گورنمنٹ پر جہاد واجب نہیں۔ بلکہ اگر انگریزوں پر کوئی حملہ آور ہوں تو اس سے مسلمانوں کو جنگ کرنا فرض ہے تاکہ ہماری گورنمنٹ پر آنچ نہ آسکے۔

یہ واقعات کی بکھری ہوئی کڑیاں ہیں۔ ناظرین سے میری منصفانہ گذارش ہے کہ وہ واقعات کی ایک ایک کڑی کو ترتیب دے کر اکابر علماء دیوبند کی انگریز دوستی کا جائزہ لیتے جائیں ـــــ اور یہ فیصلہ فرمائیں کہ علماء دیوبند نے کس حد تک علامہ فضلِ حق کے ساتھ زیادتی برتی ہے اور اپنے مولویوں کی تعریف و منقبت میں کہاں تک غلط بیانی اور دروغ بافی سے کام لیا ہے۔ جس کی شہادت میں باغی ہندوستان کا ایک اور بھی حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

باغی ہندوستان صفحہ ۱۲۱

"مرزا حیرت دہلوی صاحب حیٰوۃ طیبہ نے تو محو حیرت ہی بنا دیا نہ صرف

علامہ بلکہ علامہ کے والد ماجد مولانا فضل امام کو بھی پڑھا لکھا ماننے میں تامل کیا ہے جن کے تلامذہ میں علاوہ علامہ کے مفتی صدرالدین خاں آزردہ صدرالصدور دہلی وغیرہ جیسے گرامی قدر فضلاء عہد بھی موجود ہوں جن کے ادنیٰ حلقہ بگوش و شاگرد نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی اور سر سید احمد خاں بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسے اکابر و مشاہیر وقت نظر آتے ہوں حیرت ہوتی ہے کہ انسان معاندانہ روش اختیار کرتے وقت نابینا کیوں ہوجاتا ہے۔"

اس مقام پر پہنچ کر اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کی جلالت علم اور ان کے پختگیٔ کردار پر ایک اجمالی گفتگو کرلی جائے تاکہ تصویر کے دونوں رُخ دوش بدوش سامنے آجائیں اور ناظرین کو یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ حضرت علامہ علم و فضل کے کس بلند مقام پر فائز تھے اور آزادی ہند کے لئے اس مرد مجاہد نے کیا پارٹ ادا کیا ہے۔

حضرت علامہ فضلِ حق خیرآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں
زہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

منطق و فلسفہ کے امام مجاہد جلیل حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کی شہرت و ناموری کے جہاں اور علل و اسباب ہیں ان میں سب سے زیادہ اہمیت فلسفہ کے امام ہونے کی حیثیت سے ہے۔ اس لئے علامہ کے حالاتِ زندگی پر قلم اٹھانے سے پہلے مناسب ہے کہ فن منطق و فلسفہ پر تھوڑی سی گفتگو کرلی جائے۔

علم منطق کا باضابطہ اظہار سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام سے ہوا۔ مخالفین توحید و رسالت کو عاجز و ساکت کرنے کے لئے انھوں نے بطور معجزہ استعمال کیا۔ پھر ان علوم کو یونانیوں نے اپنایا۔ چنانچہ یونان میں بڑے رتبے کے درج ذیل یہ پانچ فلسفی

گزرے ہیں۔

(۱) بندر قلیس ۰۵ ۹ء قبل مسیح زمانہ داؤد علیہ السلام میں گذرا "حضرت لقمان" سے علم وحکمت حاصل کرنے کے بعد یونان واپس آ گیا۔

(۲) فیثا غورس یہ اصحاب سلیمان علیہ السلام کا شاگرد تھا۔

(۳) سقراط۔ یہ فیثا غورس کا شاگرد تھا۔ بتوں کی پرستش سے مخلوق کو روکنے اور دلائل کے ساتھ خالق باری کی طرف توجہ دلانے پر بادشاہِ وقت نے قید کر کے زہر دلا دیا۔

(۴) افلاطون یہ بھی فیثا غورس کا شاگرد تھا اور خاندانِ اہلِ علم سے تھا۔ سقراط کی موجودگی میں تقریب قریب گمنام سا رہا اور اس کے بعد اس نے اپنا نام پیدا کیا۔

(۵) ارسطاطالیس بیقوماخوش کا بیٹا تھا اور صاحب المنطق کے لقب سے مشہور ہوا۔

بعد کے سارے فلاسفہ ارسطاطالیس ہی کے رہین منت اور خوشہ چیں ہیں۔ ان پانچ کے بعد دوسرے درجے پر "تالیس الملطی"، صاحب فیثا غورس" "ذی مقراطیس" اور "انکسا غورس" ہیں۔ اور ارسطو کی کتابوں کے شارح ہونے کی حیثیت سے حسب ذیل نو فلسفی مشہور رہیں۔

(۱) تاؤفرسطس (۲) اصطفن (۳) لیس یحییٰ بطریق اسکندریہ (۴) امونیوس (۵) سلیقوس (۶) شباؤں (۷) فرفوریوس (۸) ثامطیوس (۹) افرودیسی۔

یونان میں بعض دوسرے فنون کے بھی بڑے بڑے کاملین گزرے ہیں مثلاً بقراط و جالینوس علم طبیعیات وطب میں "اقلیدس" علم ہندسہ میں "ارشمیدس" علم الاذائر میں "بطلیموس" اور "دیوجانس کلبی" علم المناظرہ والنجوم میں آپ اپنی نظیر تھے۔

مسلمان بادشاہوں میں سب سے پہلے عباسیہ خاندان کے خلیفہ ثانی ابوجعفر منصور نے علم فقہ کے ساتھ "فلسفہ" "منطق" اور ہیئت کو بھی حاصل کیا۔

اس کے کاتب عبداللہ ابن المقفع الخطیب الفارسی مترجم "کلیلہ دمنہ" نے ارسطو کی حسبِ ذیل تین کتابیں عربی میں ترجمہ کر کے منطقی کے لقب سے شہرت حاصل کی۔

(۱) قاطیغوریاس (۲) ارمنیاس اور (۳) انولوطیقا۔

خاندانِ عباسی کا ساتواں نامور خلیفہ مامون رشید ۱۹۸ھ میں جب تخت خلافت پر بیٹھا تو اپنے ذوق کی بنا پر ان فنون کی طرف متوجہ ہوا، چنانچہ مامون کے لکھنے پر قیصر روم نے ارسطو کی کتابوں کا ذخیرہ بھیج دیا (وزیر جمال الدین قفطی نے اخبار الحکماء میں اس کی تفصیل درج کی ہے)

پھر چوتھی صدی ہجری میں شاہ منصور ابن نوح سامانی کی درخواست پر حکیم ابو نصر فارابی نے ان کو مرتب و مہذب کر کے معلم ثانی کا لقب حاصل کیا۔

سلطان مسعود نے شیخ الرئیس ابو علی ابن سینا المتوفی ۴۲۷ھ/۱۰۳۶ء کو اپنا وزیر بنا کر تصانیف فارابی سے اقتباس کرا کے کتابیں لکھوائیں۔ سوء اتفاق کہ اس جانکاہی و سر مغزی کے بعد کتب خانہ نذرِ آتش ہو گیا تو ابن سینا محافظ علوم بن گئے، چنانچہ اب جو کچھ ہے اسی کی محنت کا ثمرہ ہے۔

اس کے بعد ابو محمد ابن احمد اندلسی و محمد زکریا با رازی صاحب تصانیف کثیرہ المتوفی ۳۲۰ھ/۹۳۲ء نے بھی چوتھی صدی ہجری میں اس پودے کو پروان چڑھانے میں کسر اٹھا نہ رکھی۔

پانچویں صدی ہجری اور اس کے بعد "امام ابو حامد ابن غزالی" المتوفی ۵۰۵ھ علامہ ابن ارشد المتوفی ۱۱۹۸ء، امام فخر الدین رازی المتوفی ۶۰۶ھ، ابن تیمیہ الحرانی ۶۸۰ھ/۱۲۳۷ء، نجم الدین مخجوانی، ابن سہلان اور افضل الدین خونجی وغیرہم نے ان فنون میں نئی نئی باریکیاں پیدا کیں۔ ابن خلدون نے ان تمام حضرات کا تذکرہ بڑے عمدہ پیرایہ میں کیا ہے۔

اس کے بعد نصیر الدین محقق طوسی، قطب الدین رازی، صدر الدین شیرازی، ملّا جلال محقق دوانی، ملّا محمود جونپوری صاحب شمس بازغہ و فرائد وغیرہم نے اس فن کو چار چاند لگائے۔ یہاں تک کہ سلاطین مغلیہ کے عہد میں عرب و عجم کے اہل فضل و کمال کا ایک جم غفیر تھا۔ حضرت امیر خسرو نے یکے بعد دیگرے سات بادشاہوں سے اعزاز حاصل کیا مختلف انقلابات دیکھے مگر ہندوستان سے منہ نہ موڑا۔

شعراء میں نظیری نیشاپوری، ملک قمی، عرفی، شیرازی، ظہوری، غزالی، شہیدی، عالی شیرازی، کلیم ہمدانی، غنی کشمیری۔

کتاب میں۔"شیریں قلم"۔"زریں قلم"۔"ہفت قلم"

علماء میں شیخ حسین وصی، مولانا فتح اللہ شیرازی المتوفی ۹۹۷ھ۔ مولانا مرزا سمرقندی۔ میر اسلم ہیروی المتوفی ۱۰۶۱ھ۔ میر زاہد ہروی المتوفی ۱۱۱۱ھ مولانا میر کلاں معلم جہانگیر المتوفی ۹۸۳ھ مولانا صدر جہاں۔ مولانا غازی خاں بدخشی وغیرہم جیسی علمی شخصیتوں سے ہندوستان جنت نشان بن گیا تھا۔ غرضیکہ ہر چہار طرف علوم ظاہری و باطنی کے چشمے ابل رہے تھے۔

مسلمان بادشاہوں کی قدر دانی وعلم دوستی کے صرف دو واقعے بطور شہادت پیش کئے جاتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ وہ علوم وفنون جو آج صرف زینتِ الماری ہیں یا جن کی درس وتدریس کا سلسلہ مسجد یا خانقاہ کی بوسیدہ چٹائیوں پر جاری ہے کسی وقت سلاطین کے دربار میں ان کی کیا قدر وقیمت تھی۔

سلطان محمد ابن تغلق شاہ نے مولانا معین الدین عمرانی دہلوی کو قاضی عضد الدین صاحبِ مواقف کی خدمت میں شیراز بھیجکر درخواست کی کہ ہر قیمت پر ہندوستان تشریف لاکر متن مواقف کو میرے نام معنون کر دیجئے۔

سلطان ابو اسحاق والی شیراز کو پتہ چلا تو دوڑا ہوا علامہ قاضی عضد الدین کی خدمت میں پہنچکر عرض پرداز ہوا کہ ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ تخت سلطنت کی خواہش ہو تو دست بردار ہونے کو تیار ہوں مگر خدا کے لئے شیراز کو یتیم نہ بنائیے۔ قاضی صاحب نے سلطان کی قدر دانی سے متاثر ہو کر ارادہ بدل دیا اور سلطان ہی کے نام پر کتاب معنون کر کے ہمیشہ کے لئے زندۂ جاوید بنا دیا۔

دوسرا واقعہ علامہ میر فتح اللہ شیرازی سے متعلق ہے۔ عادل شاہ بیجاپوری نے ہزاروں خواہشوں کے ساتھ دکن بلا کر اپنا وکیل مطلق بنا دیا اور ۹۸۱ھ میں اکبر بادشاہ نے صدر کل بنا کر ۹۹۳ھ میں امیر الملک اور عضد الدولہ کے خطاب سے نوازا۔

ہندوستان کے مشاہیر علماء ان کے حلقۂ درس میں شریک رہے اور انھیں کے زمانے سے علوم عقلیہ کو شاندار فروغ حاصل ہوا۔ ۹۹۷ھ میں ان کے انتقال پر اکبر بادشاہ نے بڑا غم منایا۔ (جس کی تفصیل مآثر الکرام میں موجود ہے) البتہ فیضی کا ایک شعر سن لیجئے۔

شہنشاہ جہاں را در وفاتش سینۂ پُرنم شد
سکندر اشک حسرت ریخت کا فلاطوں زعالم شد

یہی وہ قدر دانی و عزت افزائی تھی جس کے باعث علامہ فضلِ حق کے مورثان اعلیٰ شمس الدین اور بہاء الدین دونوں بھائیوں نے بھی ہندوستان کو رونق بخشی۔

ولادت اور نسب

علامہ فضلِ حق خیر آبادی ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء میں اپنے آبائی وطن خیر البلاد خیر آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مولانا فضل امام خیر آبادی علماء عصر میں ممتاز اور علوم عقلیہ کے اعلیٰ درجہ پر سرفراز تھے۔ حضرت علامہ کے دادا حضرت مولانا ارشد ہرگام پور سے خیر آباد تشریف لاکر سکونت پذیر ہوئے تھے۔

شجرۂ نسب

مولانا فضل حق ابن مولانا فضل امام ابن مولانا شیخ محمد ارشد ابن حافظ محمد صالح ابن ملا عبد الواجد ابن عبد الماجد ابن قاضی صدر الدین ابن قاضی اسماعیل ہرگانوی ابن قاضی بدایونی ابن شیخ ارزانی ابن شیخ منور ابن شیخ نظیر الملک ابن شیخ سالار شام ابن شیخ وجیہہ الملک ابن شیخ بہاء الدین ابن شیر الملک شاہ ایرانی ابن شاہ عطاء الملک ابن ملک بادشاہ ابن حاکم ابن عادل ابن تائرول ابن جرجیس ابن احمد نامدار ابن محمد شہریار ابن محمد عثمان ابن ہمان ابن ہمایوں ابن قریش ابن سلیمان ابن عفان ابن عبد اللہ ابن محمد ابن عبد اللہ ابن امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس طرح تینتیس ۳۳ واسطوں سے خلیفہ ثانی تک نسب گرامی پہنچتا ہے۔

علامہ کے مورث اعلیٰ شیر الملک ابن شاہ عطا عطاء الملک ایرانی کے مورثان ایک قطع ملک ایران پر قابض و حکمراں تھے۔ زوالِ ریاست پر دولت علم کمائی۔ شیر الملک کے دو صاحبزادے بہاء الدین اور شمس الدین ذی علم بزرگ تھے۔ یہ دونوں بھائی ایران سے ہندوستان وارد ہوئے۔

مولانا شمس الدین نے مسند افتاء رُہتک سنبھالی۔ حضرت شاہ ولی اللہ ابن شاہ عبد الرحیم محدث دہلوی انھیں کی اولاد سے تھے اور مولانا بہاء الدین قبۃ الاسلام بدایوں کے مفتی ہوئے۔ ان کی اولاد میں شیخ ارزانی بدایونی نامور بزرگ اور اعلیٰ درجہ کے مفتی

ہوئے۔

شیخ عماد الدین ابن شیخ ارزانی تحصیل علم کی خاطر قاضی ہرگام (ضلع سیتاپور اودھ) کی خدمت بابرکت میں پہنچے۔ قاضی صاحب نے تحقیق شرافت و نجابت کے بعد اپنا داماد بنالیا اور ان سے شیخ اسماعیل پیدا ہوئے جن کی شادی شیخ سعدی کاکوروی کی دختر سے ہوئی۔ ان سے قاضی صدر الدین پیدا ہوئے۔ قاضی صاحب کے دو صاحبزادے ہوئے۔ ایک صاحبزادے "ملا ابوالواعظ" جو اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اتالیق رہے اور فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین سے ہیں۔

اس کے علاوہ "ھدایہ" "مطول" اور "ملا جلال" پر حاشئے لکھے۔ ان کی شخصیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ملا قطب الدین شہید سہالوی (والد استاد الکل ملا نظام الدین سہالوی فرنگی محلی) ان سے ملاقات کے لئے ہرگام پہنچے تھے۔ "ملا محب اللہ بہاری صاحب سلّم" آپ کے درس میں شریک ہونا چاہتے تھے۔ آپ کے پاس وقت نہ تھا اس لئے سہالی جاکر ملا قطب الدین شہید کے شاگرد ہوئے۔

دوسرے صاحبزادے "ملا عبدالماجد ابن ملا عبدالواجد" فاضل جلیل تھے۔ "کافیہ کی مبسوط شرح" اور "حاشیہ اقلیدس" لکھا اور "تعلیقات متفرقہ ہدایہ" پر لکھی۔ بہادر شاہ اوّل کے زمانے میں آتشزدگی کی وجہ سے تمام کتب خانہ جل گیا۔ ہرگام میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

علامہ فضل حق کے دادا شیخ محمد ارشد نے ہرگام کو خیرباد کہہ کر خیرآباد کو آباد کیا۔ موصوف کی دوسری بیوی سے علامہ کے والد ماجد مولانا فضل امام خیرآبادی تھے۔

مختصر حالات مولانا فضلِ امام خیرآبادی

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ٭ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

علامہ فضل حق کی تاریخ تشنۂ تکمیل رہ جائے گی اگر علامہ کے والد محترم مولانا فضل امام خیرآبادی کے حالاتِ زندگی نہ پیش کئے گئے۔ اس لئے ضمناً مولانا کے مختصر حالات

درج کئے جاتے ہیں۔

مولانا فضل امام بڑے طبّاع اور ذہین تھے۔ مولانا سیّد عبدالماجد کرمانی خیرآبادی کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ انھیں سے حاصل کیا۔ "میر زاہد رسالہ" اور "میر زاہد ملّا جلال" پر حواشی لکھے۔ اس کے علاوہ اور بھی بیسیوں مفید اور معرکۃ الآرار کتابیں لکھی ہیں، جن کا نام معلوم ہو سکا وہ درج کی جاتی ہیں۔

منطق میں مشہور تصنیف "مرقات" ہے جو تمام مدارس عربیہ میں داخلِ نصاب ہے حاشیہ افق المبین، تلخیص الشفار، نخبتہ السر، اور آمدنامہ تصنیف کیا۔ ان میں سے بعض کتابیں غیر مطبوعہ ہیں جن میں سے بعض مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور لاہور پور اور بعض عبیداللہ خاں رئیس ٹونک کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ علمی قابلیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک جانب شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کا ڈنکا منقولات میں بج رہا تھا اور دوسری طرف اسی دہلی میں مولانا فضل امام کے معقولات کا سکّہ چل رہا تھا۔ ہند و بیرونِ ہند کے طلباء دونوں دریاؤں سے سیراب ہو رہے تھے۔ سر سیّد احمد خاں بانی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے آثار الصنادید میں مولانا فضل امام کا تذکرہ جس عقیدت مندی سے کیا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ابتدا ان صفات والقاب سے کی ہے۔

"اکمل افرادِ نوع انسی، مہبط انوار فیوض قدسی، سراب سرچشمۂ عین الیقین، موسس اساس ملّت و دین، ماحئ آثار جہل ہادم بنائے اعتساف، محی مراسم علم بانی مبانی انصاف، قدوۂ علمار فحول، حاوئ معقول و منقول، سند اکابر روزگار، مرجع اعالی و ادانی ہر دیار، مزاجدان شخص کمال، جامع صفات جلال و جمال، موردِ فیض ازل و ابد، مطرحِ انظار سعادت سرمد، مصداق مفہوم تمام اجزار، واسطۃ العقد، سلسلہ حکمت اشراقی و مشائی، زبدۂ کرام، اسوۂ عظام، مقتدار انام، مولانا مخدومنا مولوی فضل امام ادخلہ اللہ المقام فی جنۃ النعیم بلطفہ العمیم۔"

مجھے حیرت ہے علمار دیوبند پر جو "شاہ ولی اللہ صاحب" کے حالاتِ زندگی پر قلم اٹھاتے ہیں لیکن اپنے ان محسنین کو نہ صرف نظر انداز ہی کر دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات انھیں

مطعون ومتہم بھی قرار دیتے ہیں۔ کاش علماء دیوبند حقیقت پسندی سے کام لیتے اور ٹھنڈے دل سے سوچتے کہ ان کے وہ محسنین جن کی کتابیں آج بھی دارالعلوم دیوبند میں داخل نصاب ہیں۔ ان کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہے۔ کیا مولانا فضل امام وعلامہ فضل حق اسی سب وشتم کے مستحق ہیں جس گھنونے انداز میں علماء دیوبند انھیں یاد کرتے ہیں!

برا ہو اس عصبیت وتنگ نظری کا جس نے اپنے وبیگانے کی بھی تمیز باقی نہ رکھی۔ سچ تو یہ ہے کہ علماء دیوبند گالی دینے میں اپنی فطرت وعادت سے مجبور ہیں۔ جبکہ علماء دیوبند رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے میں نہیں چوکتے تو مولانا فضل امام و علامہ فضل حق کس شمار وقطار میں ہیں۔

یہی ہیں وہ علماء دیوبند جنھوں نے اپنی کتابوں میں محبوب کردگار رسولِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو چمار سے زیادہ ذلیل اور ذرہ ناچیز سے کمتر لکھا ہے۔ اَلعیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذالک۔

چنانچہ مولوی محمد میاں دیوبندی مرادآبادی مؤلف علماء ہند کی شاندار ماضی نے مولوی اسماعیل دہلوی کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ فضلِ حق خیرآبادی کے دامن علم وادب پر کیچڑ اچھالنے کی سعیٔ ناکام کی ہے۔

ہاں اگر "علماء ہند کی شاندار ماضی" کے بجائے "اکابر جمعیۃ العلماء ہند کی شاندار ماضی" اس کتاب کا نام ہوتا تو اس نام کے پردے میں مؤلف کو بہت کچھ کہنے کا اختیار تھا لیکن جبکہ کتاب کا سرورق علماء ہند کے جلی قلم سے آراستہ ہو تو مؤلف کا کس قدر بخل ہے کہ دوسرے علماء ہند کو نہ صرف ناقابل اعتنا ہی تصور کیا بلکہ شہرۂ آفاق ونامور علماء اہلسنت کو مطعون ومتہم قرار دیا۔ بات اپنے موضوع سے دور ہوگئی۔ مجھے ذیلی طور پر مولانا فضل امام رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے بارے میں ایک اجمالی نقشہ پیش کرنا ہے۔

حضرت مولانا فضل امام علوم ظاہری کے ساتھ روحانیت میں بھی بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ آپ کے والد شیخ محمد ارشد مولانا احمد ابن حاجی صفت اللہ محدث خیرآبادی سے بیعت تھے۔ آپ کے ایک صاحبزادے عالم جوانی میں قضا کر گئے۔ باقی باقتضاء نوعمری احکام شرعیہ

کے پابند نہ تھے اس لئے مولانا ارشد صاحب کو تشویش رہتی تھی اور ایک بار عالم اضطراب و بے چینی میں پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شیخ طریقت سے دعا کی درخواست کی اور مرشد کامل نے دعا کی۔ چنانچہ شب میں سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی کہ سرکار کائنات صلے اللہ علیہ وسلم پکے باغ میں تشریف لائے اور بیل کے درخت کے نیچے وضو فرمایا اور بعد نماز فرض پیر و مرید دونوں ایک دوسرے کو مبارکباد دینے روانہ ہوئے۔ راستے میں دونوں کی ملاقات ہوئی تو ایک دوسرے کو بشارت کا حال بتایا اور وہیں سے دونوں پکے باغ میں پہنچے تو دیکھا کہ مقام معہود پر وضو کا اثر یعنی پانی کی تری موجود تھی۔ ایک عرصے تک لوگ اس جگہ کی زیارت کرتے رہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مقتدائے ملت تاجدار اہل سنت سیدی امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ۱۳۰۹ھ میں ساتھ لے کر بریلی شریف سے خیرآباد اس مقام کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور مولانا حسن بخش کے یہاں مہمان ہوئے تھے۔ افسوس نہ اب وہ مکان باقی رہا اور نہ ہی اس جگہ کا پتہ چل سکتا ہے۔

مولانا فضل امام کے ہزاروں تلامذہ میں مفتی صدر الدین اور علامہ فضل حق شہرۂ آفاق ہیں۔ مفتی صدر الدین صاحب دہلی میں ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت "چراغ" ہے۔ باپ دادا کشمیری تھے۔ شاہ عبد العزیز صاحب شاہ عبد القادر صاحب اور فضل امام کے شاگرد رشید اور علامہ فضل حق کے ہم سبق تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں بغاوت کے الزام میں قید کر لئے گئے۔ جائداد ضبط کر لی گئی ۲۴ ربیع الاول شریف ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں وفات پائی۔

"چراغ دو جہاں بود" مادۂ تاریخ ہے۔ مرزا غالب بھی جو مفتی صدر الدین صاحب اور علامہ فضل حق کے جلیس و ہم نشین تھے۔ اسی سال راہی ملک عدم ہوئے۔ حضرت فضل امام خیرآبادی نے ۵ ذی قعدہ ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرزا غالب نے حسب ذیل تاریخ وفات لکھی۔

اے دریغا قدوۂ ارباب فضل — کرد سوئے جنت الماویٰ خرام
چوں ارادت ازپے کسب شرف — جست سال قوت آں عالی مقام
چہرۂ ہستی خراشیدم نخست — تا بنائے تخرجہ گردد تمام

گفتم اندر سایۂ لطف نبی
باد آرامش گہہ فضل امام
۱۲ ۵ ۴۰

"حضرت علامہ فضل حق"

آ چشم آرزو کی گہر باریاں تو دیکھ
لٹتے ہیں صبح و شام خزانے نئے نئے

علامہ کی تعلیم و تربیت

مولانا فضل حق نے آنکھ کھولی تو گردو پیش علم و فضل عمارت و ریاست کو جلوہ گر دیکھا۔ یہی وجہ تھی کہ علامہ کے صاحبزادے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد مادی ریاست سے محروم ہوکر بھی مستغنی اور کوہ وقار رہے۔ ہندوستان کے مشہور مردم خیز قصبات میں خیر آباد کا نام بھی صدیوں سے رہا ہے۔ شاہی زمانہ میں کمشنری کا پایہ تخت بھی رہ چکا ہے۔ بڑے بڑے علماء و مشائخ کے مزارات آج بھی زیارت گاہ خلائق ہیں۔ جس وقت علامہ فضل حق خیر آباد سے دہلی پہونچے تو ایک سے بڑھ کر ایک، باکمال نظر آئے۔ مفسرین۔ محدثین۔ فقہا۔ فلاسفہ، اولیاء، شعراء، جس طبقے پر پر نظر ڈالئے تو سب ہی موجود تھے۔ آپ کے والد ماجد مولانا فضل امام مکان کے علاوہ ہاتھی اور پالکی پر بھی دربار آتے جاتے وقت ساتھ بٹھا کر درس دیتے تھے اور صغر سنی ہی میں معقولات میں اپنا جیسا یگانۂ روزگار بنالیا تھا اور منقولات کی تحصیل کے لئے شاہ عبدالقادر محدث رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالعزیز محدث رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ میں پہنچا دیا۔

ذکاوت و ذہانت

چنانچہ حضرت علامہ نے ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۰۹ء تیرہ ۱۳ سال کی عمر میں تمام مروجہ علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کی اور چار ماہ کچھ روز

میں قرآن شریف حفظ کیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جب ردِ شیعہ میں تحفۂ اثنا عشری تحریر فرمائی تو شیعانِ ہند کی طرح ایران میں بھی ہیجان پیدا ہوا۔ ایران سے میر باقر داماد صاحب افق المبین کے خاندان کا مجتہد فریقین کی کتابیں لے کر شاہ صاحب سے مناظرہ کے لئے دہلی پہنچا۔ خانقاہ میں داخل ہونے پر شاہ صاحب نے فرائض میزبانی ادا فرماتے ہوئے قیام کے لئے مناسب جگہ تجویز فرمادی۔ شام کو مولانا فضل حق حاضر ہوئے تو شاہ صاحب کو مصروف مہمان نوازی دیکھ کر کیفیت معلوم کی اور بعدِ مغرب مجتہد صاحب کی خدمت میں پہنچے۔ مجتہد صاحب نے پوچھا، میاں صاحبزادے کیا پڑھتے ہو؟ عرض کیا۔ "اشارات"، "شفا" اور "افق المبین" وغیرہ دیکھتا ہوں۔ مجتہد صاحب کو بڑی حیرت ہوئی اور "افق المبین" کی کسی عبارت کا مطلب پوچھ لیا۔ علامہ فضل حق نے ایسی مدلل تقریر کی کہ متعدد اعتراضات صاحبِ افق المبین پر کر گئے معزز مہمان نے اعتراضات کے جواب دہی کی کوشش کی تو ان کو جان چھڑانا اور بھی دو بھر ہو گئی۔ جب خوب عاجز کر لیا تو اپنے شبہات کی ایسے انداز میں جوابات دیئے کہ تمام ہمراہی علماء بھی انگشت بدنداں ہو گئے۔ آخر میں یہ بھی اظہار کر دیا کہ میں شاہ صاحب کا ادنیٰ شاگرد ہوں اور اظہارِ معذرت کے بعد رخصت ہو گئے۔ علماء ایران نے اندازہ کر لیا کہ جب خانقاہ کے بچوں کے علم وفضل کا یہ عالم ہے تو شیخ خانقاہ کا کیا حال ہوگا۔ چنانچہ صبح کو جب خیریت طلبیٔ مہمان کے لئے شاہ صاحب نے آدمی بھیجا تو پتہ چلا کہ مجتہد صاحب آخری شب میں دہلی سے روانہ ہو چکے ہیں۔

ایک لطیفہ دہلی کے کسی پل پر کسی وجہ سے آمد ورفت ممنوع قرار دے دی گئی تھی۔ علامہ کے پاس کچھ لوگ آئے اور ایک بارات لے جانے کی بصد منت وسماجت اجازت چاہی۔ علامہ نے ایک دستخطی پرچے پر لکھدیا "روکو مت جانے دو" محافظین نے پرچہ دیکھ کر بارات نکل جانے دیا۔ حکومت کی طرف سے جواب طلب کیا گیا۔ علامہ نے اپنی زیرکی و دانائی سے فرمایا! میں نے تو لکھا تھا "روکو، مت جانے دو" اس سے غریبوں کا بھی کام نکل آیا اور اپنے اوپر الزام بھی نہ آنے دیا۔

سخن فہمی

عام علماء کی طرح علامہ شعر وسخن کے فن سے بے خبر نہ تھے۔ شعر گوئی کے مانند سخن فہمی میں بھی کمال حاصل تھا۔ وطن مالوف خیر آباد جہاں علماء وصلحا کا منبع ومسکن چلا آر ہا تھا وہیں لکھنؤ کے قرب اور اپنی زمین مردم خیز کی وجہ سے معدن شعراء بھی بنا ہوا تھا۔ علامہ کے دور میں حاجی تراب علی نامی، منشی قدرت حسین قدرت، مولوی مظفر حسین شوخی، منشی محمد جعفر زمہری۔ منشی بہاری لال خاوری، منشی موہن لال گرامی مولوی الٰہی بخش نازش، مولوی فضل عظیم عظیم وغیرہم گلستان شاعری کے مختلف رنگ بو رکھنے والے شگفتہ پھول تھے اور خیر آباد کی یہی وہ علمی وادبی فضا تھی جس نے آخری دور میں بھی ریاض، مضطر، وسیم، کوثر، بسمل، نیر اور اختر جیسے صاحبِ دیوان وباکمال شعراء پیدا کئے جنھوں نے لکھنوی اسکول کی شان کو چار چاند لگائے۔

علامہ ریذیڈنٹ کے محکمہ کے سر رشتہ دار ہو چکے تھے۔ ولی عہد سے دوستانہ مراسم تھے۔ قلعہ میں آمد ورفت رہتی تھی۔ بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر مولوی امام بخش صہبائی۔ علامہ عبداللہ خاں علوی۔ حکیم مومن خاں مومن۔ مفتی صدر الدین خاں آزردہ۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب۔ نواب ضیاء الدین خاں نیر۔ شاہ نصیر الدین نصیر، شیخ محمد ابراہیم ذوق۔ حکیم آغا خاں عیش، حافظ عبدالرحمٰن خاں احسان، میر حسن تسکین اور نہ جانے کتنے سخنوران باکمال کا جمگھٹا تھا۔ یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہوں گے۔ تو آسمان کو بھی زمین پر رشک آتا ہوگا۔

یہی وجہ تھی کہ مرزا غالب سے علامہ کے پُرخلوص اور گہرے تعلقات تھے۔ علامہ نے مرزا کی اکثر غزلوں کو سنا اور دیوان کو دیکھا تو مرزا صاحب کو سمجھایا کہ یہ اشعار عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں گے۔ چنانچہ حالی نے آب حیات صفحہ ۱۱۵ پر تذکرہ کیا ہے کہ مولانا فضلِ حق کی تحریک سے مرزا نے اپنے اردو کلام میں سے جو اس وقت موجود تھا دو ثلث کے قریب نکال ڈالا اور اسکے بعد اس روش پر چلنا بالکل چھوڑ دیا۔ مرزا غالب نے اس سے متاثر ہو کر یہ رباعی کہی تھی۔

مشکل ہے زبس کلام مرا اے دل ۔۔۔ سن سن کے اس سخنوران کامل

آسان کرنے کی کرتے فرمائش ۔۔۔ گویم مشکل وگر نگویم مشکل

بقول مولانا حالی، علامہ کی سخن فہمی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ مرزا کے ایک فارسی قصیدے کی تشبیب کا شعر ہے۔

ہمچناں در تتق غیب ثبوتے دارند　　　بوجودے کہ ندارند ز خارج اعیاں

مذکورہ بالا شعر سے متعلق مرزا غالب نے مولانا حالی سے تذکرہ کیا کہ میں نے ثبوتے کی جگہ "نمودے" لکھا تھا۔ مولوی فضل حق کو جب یہ شعر سنایا تو انھوں نے کہا کہ اعیان ثابتہ کے لئے نمود کا لفظ نامناسب ہے اس کی جگہ ثبوت بنا دو۔ چنانچہ طبع ثانی میں بجائے نمود کے ثبوت بنا دیا ہے۔ (یادگار غالب صفحہ ۹۷) اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس اصلاح نے فلسفیانہ اصطلاح کے مطابق شعر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔

یہی وہ علل و اسباب ہیں جنھوں نے مرزا غالب کو مسئلہ امکان نظیر اور امتناع نظیر پر قلم اٹھانے کے لئے مجبور کیا۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی اور مولوی فضلِ حق خیر آبادی کے مابین جہاں رفع یدین، آمین بالجہر جیسے مسائل پر اختلاف تھا وہیں سب سے اہم مسئلہ امکان نظیر و امتناع نظیر کا تھا۔

اس مسئلہ میں مولوی اسماعیل دہلوی کی رائے یہ تھی کہ خاتم النبین کا مثل ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے اور حضرت علامہ ممتنع بالذات مانتے تھے۔ اس مسئلہ پر علامہ کی مستقل کتاب مناظرانہ انداز پر امتناع نظیر کے نام سے ۱۳۲۸ھ ۱۹۰۸ء میں موصوف کے تلمیذ التلمیذ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے زیر اہتمام شائع ہو چکی ہے۔ اور حضرت علامہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا اصلی مسودہ کتب خانہ حبیب گنج میں موجود ہے۔ اس کتاب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نظیر کے ممتنع بالذات ہونے پر جو دلائل و براہین قائم کئے ہیں انھیں دیکھ کر بے ساختہ مرحبا و احسنت زبان پر آتا ہے۔ حضرت علامہ نے علمی و فنی حیثیت سے وہ گلکاریاں کی ہیں کہ صفحات کتاب تختۂ چمنستان بن گئے ہیں۔ یہ تو پہلے گزر ہی چکا ہے کہ مرزا اسد اللہ غالب سے علامہ کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ علامہ کا رجحان طبع دیکھ کر اسی موضوع پر ایک مثنوی لکھ ڈالی، جو کلیات غالب میں مثنویات کے سلسلے میں چھٹی مثنوی ہے۔ غالب کے انداز بیان

یہ کچھ کم کمال نہیں کہ ایسے مشکل مسئلہ کو ایسی روانی اور خوبی سے سمجھا دیا کہ علامہ اور دوسرے اہل فضل وکمال کی صحبت نے غالبؔ کو فی الواقع غالب بنا دیا تھا۔

چنانچہ غالبؔ لکھتے ہیں۔

یک جہاں تا ہست یک خاتم بس ست — قدرتِ حق را نہ یک عالم بس است
خواهد از ہر ذرہ آرد عالمے — ھم بود ہر عالمے را خاتمے
ھر کجا ہنگامۂ عالم بود — رحمۃ اللعالمینے ھم بود
کثرت ابداع عالم خوب تر — یا بیک عالم دو خاتم خوب تر
در یکے عالم دو تا خاتم مجوئے — صد ہزاراں عالم وخاتم بگوئے

غالبؔ ایں اندیشہ نپذیرم ہمی — خردہ ہم برخویش می گیرم ہمی
اے کہ ختم المرسلینش خواندۂ — دانم از روئے یقینش خواندۂ
ایں الف لامے کہ استغراق راست — حکم ناطق معنیٔ اطلاق راست
منشاء ایجاد ہر عالم یکے است — گر دو صد عالم بود خاتم یکے است
منفرد اندر کمال ذاتی است — لاجرم "مثلش" "محال ذاتی" است

زیں عقیدت برنگردم والسّلام
نامہ را در می نوردم والسّلام

غالبؔ نے ان اشعار میں ابتدائی پانچ شعروں میں اپنی قابلیت سے ایک حل نکالنے کی کوشش کی جسمیں دونوں کی بات رہ جاتی اور وہ خاتم النبیین اللہ تعالیٰ نے اس عالم کے لئے بنایا ہے اس عالم میں تو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نظیر پیدا ہونا محال اور ممتنع بالذات ہے لیکن خدا دوسرا عالم بنا کر آدم سے عیسیٰ علیہم السّلام تک اسکے لئے پیغمبر پیدا کرے اور آخر میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنا سکتا ہے۔ اس طرح امکان نظیر کی صورت نکل سکتی ہے۔ مگر پھر آخری چھ اشعار میں اس خیال کو رد کرتے ہوئے حضرت علامہ کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا ہے اور پھر اسی رائے سے اپنی موافقت ظاہر کرتے ہوئے جس مدلّل طریقہ پر ثابت کیا ہے

یہ غالب ہی کا حصّہ ہے۔ (ثورۃ الہندیہ)

ناظرین نے اس مختصر سی علمی گفتگو کے بعد حضرت علاّمہ فضل حق کے جلالت علم کا اندازہ کرلیا ہوگا کہ وہ اپنے معاصرین میں کس درجہ ممتاز و بے نظیر تھے۔ سر سید احمد خاں بانی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے موصوف کے والد ماجد مولانا فضل امام کے متعلق جن تاثرات کا اظہار آثار الصنادید میں کیا ہے۔ وہ مولانا کے حالات میں پیچھے گزر چکا ہے۔ علاّمہ کے متعلق بھی سر سیّد احمد خاں کی رائے ملاحظہ کرتے چلیں۔

"مستجمع کمالات صوری و معنوی، جامع فضائل ظاہری و باطنی، بنا، بنار فضل و افضال، بہار آرائے چمنستان کمال، متکئی ارائک اصابت رائے، مسند نشین دیوانِ افکار رسائے، صاحب خلق محمدی، موردِ سعادت ازلی و ابدی، حاکم محاکم مناظرات، فرمانروائے کشور محاکمات، عکس آئینہ صافی ضمیری، ثالث اثنین بدیعی و حریری، المعیٔ وقت و موزعیٔ اوان، فرزوقِ عہد و لبید دوران، مبطل باطل و محقق حق، مولانا محمد فضل حق،،

یہ حضرت خلف الرشید ہیں جناب مستطاب مولانا فضل امام غفر اللہ لہٗ المنعام کے اور تحصیل علوم عقلیہ اور نقلیہ کی اپنے والد ماجد کی خدمت بابرکت میں کی ہے۔ زبان قلم نے ان کے کمالات پر نظر کر کے فخر خاندان لکھا اور فکر دقیق نے جب سرکار کو دریافت کیا فخر جہاں پایا۔

جمیع علوم و فنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق و حکمت کی تو گویا انھیں کی فکر عالی نے بنا ڈالی ہے۔ علماء عصر بل فضلاء دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس گروہِ اہلِ کمال کے حضور میں بساط مناظرانہ آراستہ کرسکیں۔ بارہا دیکھا گیا کہ جو لوگ آپ کو یگانۂ فن سمجھتے تھے جب ان کی زبان سے یک حرف سنا دعوائے کمال کو فراموش کر کے نسبت شاگردی کو اپنا فخر سمجھے باایں ہمہ کمالات علم و ادب میں ایسا علم سرفرازی بلند کیا ہے کہ فصاحت کے واسطے ان کی عبارت شستہ محضر عروج و معارج ہے اور بلاغت کے واسطے ان کی طبع رسا دست آویز

بلندئ معارج ہے۔

سحبان کو ان کی فصاحت سے سرمایۂ خوش بیانی اور امراء القیس کو ان کے افکار بلند سے دست گاہ عروج۔ معانی، الفاظ پاکیزہ، ان کے رشک گوہر خوش آب اور معانی رنگین ان کے غیرت لعل ناب، سرو، ان کی سطور عبارت کے آگے پابہ گل اور گل ان کی عبارت رنگین کے سامنے خجل ــــ"

حضرت علامہ کے متعلق مولوی رحمٰن علی لکھتے ہیں۔

در علوم منطق و حکمت و فلسفہ و ادب و کلام و اصول و شعر فائق الاقران و استحضار لے فوق البیان داشت"۔ (تذکرہ علماء ہند)

حضرت علامہ کے متعلق منشی امیر احمد مینائی "انتخاب یادگار" میں رقمطراز ہیں

" افضل الفضلاء، اکمل الکملاء، فضائل دستگاہ، فواضل پناہ، جناب مولانا مولوی فضل حق صاحب فاروقی برّد اللہ مضجعہ، فنون حکمیہ میں مرتبہ اجتہاد، بڑے ادیب، بڑے منطقی، نہایت ذہین، نہایت ذکی، طلیق و ذلیق، انتہا کے صاحب تدقیق و تحقیق"

مفتی انعام اللہ خاں بہادر شہابی گوپاموی سررشتہ دار سر ایڈورڈ کوبرک ریزیڈنٹ دہلی لکھتے ہیں۔

" برادرم مولوی فضل حق خیرآبادی از فحول علماء زماں و یگانۂ دوراں است خصوصاً در علوم عقلیہ گوئے سبقت ربودہ و بوفور علم و دانش در اطراف عالم بغایت دریں وقت مشہور است" (خزینۃ الاولیاء)

ایک بار مولوی اکرام اللہ شہابی گوپاموی نے شمس العلماء حضرت مولانا عبدالحق خیرآبادی سے پوچھا۔ بھائی صاحب! دنیا میں حکیم کا اطلاق کن کن پر ہے ؟

مولانا کہنے لگے۔ بھیا! ساڑھے تین حکیم دنیا میں ہیں۔

" ایک معلم اوّل ارسطو۔ دوسرے معلم ثانی فارابی۔ تیسرے والد ماجد مولانا فضل حق اور نصف بندہ۔" (ثورۃ الہندیہ)

وقت کے اکابر معاصرین کی شہادتوں کے بعد مرزا حیرت دہلوی اور علماء دیوبند واراکین جمعیۃ العلماء ہند کی جرأت وجسارت پر حیرت ہوتی ہے جو مولوی اسمٰعیل دہلوی کے تذکرہ کے ساتھ حضرت علامہ کا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتے اور غور کیجئے تو حیرت کی کوئی بات نہیں وہ علماء دیوبند جو آقائے دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومناقب برداشت نہیں کرسکتے۔ اگروہ فضل حق کے کمالات کے منکر ہو گئے تو حیرت کیوں ہے؟ مردہ قوموں اور بدطنیت گروہوں کا خاصہ یہ بھی رہا ہے کہ اسلاف پر نکتہ چینی اور بہتان تراشی شعار بنایا گیا ہے۔ غضب کردیا دیوبندی مکتبۂ فکر نے جس نے دعوائے اسلام کے باوجود پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم تک کو نہ چھوڑا۔ کہیں ذرۂ ناچیز سے کمتر اور کہیں چمار سے زیادہ ذلیل کہا۔ علماء دیوبند کے سرگروہ مولوی اسماعیل دہلوی نے تو اسلام کے لیبل پر نئی توحید اور نئی رسالت کا خاکہ کھینچا جس میں روز بروز حضرات دیوبند رنگ بھرتے جارہے ہیں۔ مثلاً علماء دیوبند کا یہ عقیدہ کہ "خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہے یا یہ کہنا کہ علم غیب اللہ ہی کا خاصہ ہے یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے جب چاہیں غیب معلوم کرلیں" معاذ اللہ وہ گویا جاہل ہے اور غیب سے نابلد ہے جب چاہتا ہے معلوم کرلیتا ہے۔ اسی توحید پر آج علماء دیوبند کو غرور ہے۔ ایسے ہی رسول کے بارے میں علماء دیوبند کا یہ کہنا کہ رسول مرکر مٹی میں مل گئے۔ یا یہ کہنا کہ نماز میں گائے بیل کا خیال لانے سے نماز ہوجائے گی مگر رسولِ خدا کا خیال لانے سے نماز فاسد ہوجائے گی۔ یا یہ کہنا کہ رسول ایسے ہی ہے جیسے گاؤں کا چودھری وغیرہ وغیرہ۔ ایسے دریدہ دہن وپراگندہ ذہن والے جنھیں تنقیص الوہیت وتوہین نبوت میں کوئی اندیشہ نہیں اگر وہ فضلِ حق اور امام احمد رضا کو گالیاں دیں تو تعجب کیا ہے؟ وہ رسولِ خدا کو گالیاں دیتے رہیں۔ ہم ان پر راہِ ہدایت پیش کرتے ہیں۔ یہ ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔

سبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا
کئے جاؤ مے خوارو کام اپنا اپنا

حضرت علامہ کی سیاسی زندگی

رگ وپے میں جب اترے زہرِ غم تو دیکھئے کیا ہے؟
ابھی تو تلخیٔ کام و جگر کی آزمائش ہے

حضرت علامہ کا دور مسلمانوں کے حق میں بڑا ہی پُر فتن دور تھا۔ سات سو سال سے ہندوستان پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی۔ تین سو سال سے سلاطین مغلیہ کا ڈنکا بج رہا تھا لیکن ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی کے بعد اسے گھن لگ چکا تھا۔ ۱۷۹۰ء میں جنگ اور سلطان ٹیپو کی موت نے مسلمانوں کا حوصلہ پست کر دیا تھا۔ ۱۸۰۳ء میں فتح دہلی کے موقع پر لارڈ دلیک کے معاہدہ سے اس کے خاتمہ کی نوبت آ گئی تھی۔ رہی سہی شان و عزت ۱۸۰۶ء میں اکبر شاہ ثانی کی جاتی رہی۔ علماء اور اولیاء اسلام اپنی روحانیت اور علم و عمل کے ذریعہ استحکام سلطنت میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ ہندوستان کی سیاست میں علماء اسلام کا ہمیشہ سب سے بڑا ہاتھ رہا ہے۔ آخر دور میں مجدد الف ثانی سے لیکر مجاہد جلیل علامہ فضل حق خیر آبادی اور دوسرے مجاہدین ملت اور دوسرے سرفروشان امت پیش پیش رہے اور آج بھی ملک کا باخبر حلقہ دیکھ رہا ہے جبکہ اراکین جمعیۃ علماء ہند اسمبلی و پارلیمنٹ کی کرسیوں پر گورنمنٹ سے تنخواہ لے رہے ہیں فضل حق کے علمی خاندان کا ایک کفن بردوش رہنما جس کا نام (مجاہد ملت) مولانا حبیب الرحمٰن ہے وہ تحفظ ناموس رسول کی خاطر سلطان پور اور غازی پور کے جیل میں رسّی بٹ رہا ہے۔

یہی وہ علماء اہلسنت ہیں جن کا نام تاریخ جہاد ہند میں ہمیشہ سنہری حرفوں سے لکھا جائے گا۔

اک خونچکاں کفن میں ہزاروں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

جس وقت علامہ دہلی سے بد دل ہو کر جھجھر، الور، ٹونک اور رامپور میں باعزت عہدہ سنبھالتے ہوئے ۱۸۴۸ء میں لکھنؤ میں حضور تحصیل کے مہتمم و صدر الصدور ہو گئے۔

بالاکوٹ کے حادثے نے قلب و دماغ پر بڑا اثر ڈالا تھا۔ لکھنؤ پہنچنے کے کچھ دن کے بعد ہی ہنومان گڑھی اجودھیا کا حادثہ فاجعہ پیش آگیا۔ وہاں کے مہنتوں نے مسجد میں اذان دینا روک دیا تھا۔ کوئی بھولا بھٹکا مسافر اگر مسجد میں جا نکلتا تو مار پیٹ کر نکال دیا جاتا۔ غرضیکہ جبر وظلم اپنے شباب پر تھا۔ ۱۳/ ذیقعدہ ۱۲۷۱ھ مطابق جولائی ۱۸۵۵ء شاہ غلام حسین اور مولوی محمد صالح اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر جہاد پر آمادہ ہو کر ہنومان گڑھی پہونچے بیراگیوں سے مقابلہ ہوا۔ قرآن شریف پرزہ پرزہ کر کے پاؤں سے مسلا گیا۔ جوتے پہن کر داخل مسجد ہو کر سنکھ بجائے گئے۔ دو سو انہتر ۲۶۹ مسلمان شہید ہوئے۔ اس خونی حادثہ پر مولانا شاہ امیر علی رحمۃ اللہ علیہ ساکن امیٹھی سے نہ رہا گیا اور مسلمانوں کو آمادۂ جہاد کیا جبکہ پانی سر سے اونچا ہو چکا تب واجد علی شاہ والئ لکھنؤ کو ہوش آیا۔ ان ہی دنوں حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی مرد میدان ہو کر جہاد میں شریک ہوئے لیکن حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ رودولی جاتے ہوتے راہ میں ۲۶/صفر ۱۲۷۲ھ مطابق ۷/نومبر ۱۸۵۵ء بروز چہار شنبہ گوروں کی پلٹن نے گھیر کر مسلمانوں کو نمازِ ظہر با جماعت ادا کرتے ہوئے توپ کے گولوں سے شہید کر دیا جو بچ رہے تھے ان کا تعاقب راجہ شیر بہادر سنگھ کے آدمیوں نے دس ۱۰ بارہ ۱۲ کوس تک کر کے چھ سو آدمیوں کے سر اڑا دیئے۔ "سر میداں کفن بر دوش دارم" ۱۲۷۲ھ مادہ تاریخ ہے۔

رسولی کے ایک مجذوب نے وَاِنَّہٗ عَلٰی ذٰالِکَ لَشَہِیْدٌ ۱۲۱۳ھ سے تاریخ نکالی ہے۔ اسلامی حکومت میں خاص اسلامی مسئلہ پر مسلمانوں کی اس بیدردی سے خونریزی ع

آسماں را حق بود گر خوں بیارد بر زمیں

آسمان تھرا اٹھا، زمین کو زلزلہ آگیا۔ خدا کا قہر لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل کی شکل میں نمودار ہوا۔ دوشنبہ ۴/فروری ۱۸۵۶ء کو جنرل اوٹرم ریزیڈنٹ کپتان ہیز اور جنرل دیلہ گورنر جنرل کا عہد نامہ لیکر بادشاہ اودھ واجد علی شاہ کے پاس آیا اور معزولی کا حکم دیا۔ بادشاہ نے دستخط سے انکار کرتے ہوئے ہزار منت و سماجت کی، لندن تک کوشش کی لیکن بے سود

ثابت ہوا یہاں تک کہ کلکتہ لے جا کر مٹیا برج میں بند کر دیا۔ "لکھنؤ خراب شد واویلا" تاریخ نکالی گئی۔ غرضیکہ اس طرح والیان اودھ کی مدت وزارت پینتالیس سال تین ماہ چوبیس دن اور مدت بادشاہت اکتالیس سال رہی اور والیان اودھ اپنے پیچھے عیش پرستی کی ہزاروں داستانیں چھوڑ گئے۔

سلطنتِ اودھ کی بربادی میں سب سے بڑا ہاتھ نواب میر علی نقی کا تھا۔ امین الدولہ کی معزولی کے بعد ۱۹ رجب ۱۲۶۳ھ مطابق ۹ جولائی ۱۸۴۷ء کو یہ وزیر اعظم بنائے گئے۔ اسی کی اندرونی سازش کی بنا پر واجد علی شاہ کو یہ روزِ بد دیکھنا پڑا۔

جنگ پلاسی ۱۷۵۷ء کے بعد میر جعفر نے شاہ عالم کے ساتھ بھی ڈرامہ کھیلا تھا اور اس طرح صوبہ بنگال ہاتھ سے نکل گیا، دکن میں میر صادق نے ۱۷۹۹ء میں شیر میسور سلطان ٹیپو کو دغا دیکر ہندوستان کے غلامی کا دائمی پٹہ انگریزوں کو لکھ دیا۔

جعفر از بنگال وصادق از دکن
ننگِ آدم ننگِ دیں ننگِ وطن

خدا جانے میر علی نقی کو ڈاکٹر اقبال اس موقع پر کیوں بھول گئے؟

علامہ فضل حق کا بچپن، جوانی اور کہولت دہلی میں گزرے۔ آخر میں لکھنؤ پہنچے وہاں کی حالت دہلی سے بدتر پائی۔ آخر الذکر نے تو لٹیا ہی ڈبو دی تھی۔ مسجد ہنومان گڑھی شہید ہوگئی۔ مجاہدین اسلام کفار کے ہاتھ خاک و خون میں لتھڑے تھے۔ ان واقعات سے متاثر ہو کر علامہ فضل حق لکھنؤ چھوڑ کر ۱۸۵۶ء میں الور چلے گئے مگر دل بے چین رہا کہ اتنے میں کچھ شورش اٹھتی نظر آئی۔ دربار دہلی سے راجاؤں کے نام خطوط بھی روانہ ہوئے۔ علامہ نے راجہ الور سے بھی گفتگو کی تیز اور راجاؤں سے لیکن وہ سب کے سب ایک مرکز پر اکٹھا نہ ہو سکے۔ اب مذہب عیسوی کی نشر و اشاعت نے فرنگیوں کے بالکل بے نقاب کر دیا تھا۔ کارتوسوں کی چربی سے دل کا غبار آتش فشاں بن کر پھوٹ پڑا۔ اس نے بارود پر فلیتہ کا کام کیا۔ علامہ فضل حق الور سے نشر و اشاعت کرتے ہوئے اگست ۱۸۵۷ء میں دہلی پہونچے۔ میرٹھ اور دوسری چھاؤنیوں میں کارتوس کا قضیہ زور پکڑ چکا تھا۔ گائے اور سور کی چربی کی آمیزش کی خبر

سے ہندو اور مسلمان دونوں فوجیں بگڑ اٹھی تھیں۔ میرٹھ سے دہلی پر باغی فوج نے ۱۱؍ مئی ۱۸۵۷ء کو حملہ کر دیا۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ بادشاہ دہلی سرگرمیوں کے مرکز بنے علامہ فضل حق بھی شریک مشورہ رہے ہے۔ منشی جیون لال کا روزنامچہ ۱۶؍ اگست ۱۸۵۷ء ۲؍ ستمبر ۱۸۵۷ء، ۶؍ ستمبر ۱۸۵۷ء، ۷؍ ستمبر ۱۸۵۷ء دیکھنے سے علامہ فضل حق کی باخبری و انقلابی سرگرمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

آخر میں علامہ فضل حق نے ترکش سے آخری تیر نکالا۔ بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی اور استفتاء پیش کیا۔ مفتی صدر الدین خاں، مولوی عبد القادر قاضی فیض اللہ۔ مولانا فیض احمد بدایونی۔ وزیر خاں اکبر آبادی۔ سید مبارک حسین رام پوری نے دستخط کر دیئے۔ اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوّے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی۔ بادشاہ گرفتار کر کے قلعہ میں بند کر دیئے گئے۔ تین شاہزادوں کو قلعہ میں داخل ہوتے ہی گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ اور ان کے سروں کو خوان پوش سے ڈھک کر خوان میں لگا کر بادشاہ کے سامنے بطورِ تحفہ پیش کیا گیا۔ علامہ دہلی سے ۲۶؍ ستمبر ۱۸۵۷ء کو روانہ ہو گئے تھے۔ ۱۹؍ ستمبر ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستانیوں پر مصائب کے جو پہاڑ ٹوٹے اس کی نظیر تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ جن مظالم کو لکھتے ہوئے دل لرزتا ہے۔ سینۂ قلم شق اور جگر قرطاس پارہ پارہ ہوتا ہے۔ زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سلوا کر گرم تیل کے کڑھاؤ میں ڈلوانا۔ فتحپوری مسجد سے قلعہ کے دروازے تک درختوں کی شاخوں پر مسلمانوں کی لاشوں کو لٹکانا، مساجد کی بے حرمتی، جامع مسجد دہلی کے حجروں میں گھوڑوں کا باندھنا۔ حوض میں وضو کے پانی کی جگہ گھوڑوں کی لید ڈلوانا۔ ناقابلِ معافی و غیر ممکن تلافی جرم ہیں۔ اب قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو چکا تھا۔ علامہ فضل حق کو بھی باغی قرار دے دیا گیا۔ اسیر فرنگ ہو کر بند ہو گئے۔ ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۸ء میں لکھنؤ کی عدالت میں مقدمہ چلا۔ علامہ کے ثبات و استقلال، صداقت و حقانیت، بلند ہمتی و شیر دلی کے لئے سیر العلماء وغیرہ کی عبارتیں کافی ہیں۔

۱۸۵۹ء میں فتویٰ جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت میں مولانا فضل حق ماخوذ ہو کر سیتاپور سے لکھنؤ لائے گئے اور مقدمہ چلایا گیا۔ جج بار بار روکتا تھا کہ مولانا آپ کیا کہہ رہے ہیں مگر مولانا

کے شان استقلال پر قربان جایئے۔ خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے کہ وہ فتویٰ صحیح ہے اور میرا ہی لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔ مولانا کے اقرار و توثیق کے بعد اب گنجائش ہی کیا باقی رہ گئی تھی۔ چنانچہ عدالت نے حبس دوام بعبور دریائے شور (کالا پانی) کا حکم سنایا۔ علامہ نے بکمالِ مسرت وخندہ پیشانی اس سزا کو قبول فرمایا۔

یہی وہ مجاہد جلیل ہے جس نے سرزمینِ ہند پر آزادیٔ ہند کی داغ بیل ڈالی۔ بالآخر علامہ فضل حق جزیرۂ انڈمان روانہ کر دیئے گئے اور ادھر مولانا عبدالحق اور مولوی شمس الحق مفتی انعام اللہ خاں۔ خواجہ غلام غوث وغیرہ نے میر منشی لفٹیننٹ مغربی کی معاونت سے اپیل داخل کر دی۔ علامہ کے جزیرۂ انڈمان پہونچنے سے پہلے مفتی عنایت احمد کاکوروی۔ مفتی مظہر کریم اور دوسرے مجاہد علماء وہاں پہنچ چکے تھے۔ ان حضرات نے وہاں بھی تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ مفتی عنایت احمد نے علم الصیغہ جیسی فن صرف کی مفید کتاب جو آج تک داخلِ نصاب ہے وہیں لکھی۔ تاریخ حبیب الٰہ بھی جزیرۂ انڈمان ہی میں لکھی گئی اور یہی اس کا تاریخی نام ہے۔ علامہ فضل حق نے بھی کئی مفید تصانیف لکھیں۔ علامہ اور ان کے ساتھیوں کو جزیرۂ انڈمان میں کیا کیا تکلیفیں جھیلنی پڑیں اور انھیں کیسے ذلت آمیز برتاؤ سے سابقہ رہا ان سب کا تذکرہ علامہ کے رسالہ الثورۃ الہندیہ میں موجود ہے۔

مولانا فضل امام کا وہ شاہزادہ جو کبھی ہاتھی اور پالکی پر بیٹھ کر باپ کی آغوش محبت میں درس پاتا تھا آج وہی جزیرۂ انڈمان میں اپنے سروں پر ٹوکرا اٹھا رہا ہے جس کو دیکھ کر بعض انگریز بھی آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ ادھر علامہ کے صاحبزادے مولوی شمس الحق اور خواجہ غلام غوث وغیرہ رہائی کی سعی میں جان توڑ کوشش کر رہے تھے، یہاں تک کہ مولوی شمس الحق صاحب پروانۂ رہائی حاصل کر کے جزیرۂ انڈمان روانہ ہو گئے۔ وہاں جہاز سے اتر کر شہر گئے تو ایک جنازہ پر نظر پڑی جس کے ساتھ بڑا اژدہام تھا۔

ع عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کل ۱۲ر صفر ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۱ء کو علامہ فضل حق کا انتقال ہو گیا اور اب سپرد خاک کرنے جا رہے ہیں۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مولوی شمس الحق بھی

بصد حسرت و یاس شریکِ جنازہ ہوئے اور بے نیل و مرام واپس لوٹے۔

قسمت کی بدنصیبی کہاں ٹوٹی ہے کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

افسوس ہمیشہ کے لئے آفتاب علم و عمل دیارِ غربت میں غروب ہوگیا۔ اب تک مزار مبارک مرجع انام و زیارت گاہ خاص و عام ہے اور آج بھی قبر مبارک زبان حال سے کہہ رہی ہے۔

تلک آثار نا تدل علینا ۔ فانظروا بعدنا الی الآثار

مولانا عبد اللہ بلگرامی لکھتے ہیں۔" فضل ان کے کفن میں مکفون اور علم ان کے ساتھ مدفون ہوگیا۔

انسانیت مولانا فضلِ حق کے نام پر جس قدر بھی آنسو بہائے کم ہے۔ ایک طرف مولانا فضل حق کی تاریخ دیکھئے کہ انگریزوں کے جبر و ظلم سے سینہ چھلنی ہوگیا تھا اور دوسری طرف مولوی اسمٰعیل دہلوی کی تاریخ دیکھئے کہ ان کی جنگ میں شریک ہونے کے لئے مسلم ملازمین کو حکومت کی طرف سے رخصت ملتی تھی۔ علامہ کے ساتھ کہاں وہ ظلم و ستم اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کے ساتھ کہاں یہ مروّت و رعایت۔ اب اس کا فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے کہ انگریزوں کا پٹھو کون تھا وہ فضل حق جو انگریزوں کے خلاف فتوی جہاد دے کر مسلمانوں کو آبرومندانہ زندگی دینا چاہتا تھا یا وہ مولوی اسمٰعیل دہلوی جنھوں نے کلکتہ جامع مسجد کی تقریر میں یہ کہا تھا کہ انگریزوں پر اگر کوئی حملہ آور ہوا تو اس سے پہلے ہم جنگ کریں گے تاکہ انگریز سرکار کے دامن پر کوئی آنچ نہ آسکے اور انھیں انگریز بہادر کے لئے مولوی رشید احمد گنگوہی نے کہا تھا کہ انگریزوں کا زمانہ امن و عافیت کا زمانہ ہے۔

کاش! اب بھی میرے احباب علامہ فضل حق کی تاریخ پر نظر ثانی کرتے اور ان کے اس احسان عظیم کے سامنے اپنی گردنیں جھکا کر تاریخ کا صحیح جائزہ لیتے۔ علماء دیوبند علامہ فضل حق کی تاریخ پر غبار ڈالنے کی ہزار کوشش کریں مگر اس زندہ جاوید ہستی کا نام صفحات تاریخ سے کبھی مٹ نہیں سکتا۔ بالفرض تاریخ کو نذر آتش کر دیا جائے تو انسانی قلوب سے علامہ کی عظمت و عقیدت کون چھین سکتا ہے۔ جب تک اس آسمان کے نیچے

اور سطح زمین پر انسان کی آبادی ہے اس وقت تک علامہ فضلِ حق کے فضل وکمال کا پرچم لہراتا رہے گا۔

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

مجاہد جلیل حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کی علمی ومجاہدانہ زندگی کی یہ ایک مختصر و ناتمام داستانِ عبرت ہے جس میں علامہ کے مختلف گوشہائے زندگی کے اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ فضلِ حق جس کی تصانیف درس نظامیہ میں داخل کئے جانے کے قابل ہیں۔ کتب معقولات پر جس کے شروح وحواشی کو علماء اپنی آنکھوں سے لگائے ہیں۔ ہندوستان کا مانا ہوا شاعر مرزا غالبؔ نے شعر وسخن میں جس کی اصلاح کو قبول کیا ہو۔ سر سید احمد خاں بانی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ و دیگر فاضلِ معاصرین نے جس فضل حق کو وقت کا امام وپیشوا سمجھا ہو۔ نواب یوسف علی خاں والیٔ رامپور نے جس سے شرف تلمذ اختیار کیا ہو اور محکمۂ نظامت بھی علامہ کے سپرد کر دیا ہو۔ نواب کلب علی خاں نواب رامپور نے جس کی شاگردی پر فخر کیا ہو۔ دلّی سے روانگی کے وقت سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار مرزا ابوظفر بہادر شاہ نے علامہ کو اپنا دوشالہ اوڑھا دیا اور وقتِ رخصت آبدیدہ ہو کر کہا چونکہ آپ جانے کو تیار ہیں۔ میرے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ میں بھی اس کو منظور کرلوں مگر خدا علیم ہے کہ لفظ وداع زبان پر لانا دشوار ہے۔ مرزا غالب نے بھی اپنے خط میں اس المناک درد فراق کا تذکرہ کیا ہے۔

" واحسرتا! کہ آج اسی فضل حق کے دامن علم وادب پر علماء دیوبند کیچڑ اچھال رہے ہیں اور صفحاتِ تاریخ سے اس مرد مجاہد کا نام میٹ دینا چاہتے ہیں۔

کہاں حضرت علامہ فضل حق کا علمی رعب وجلال اور کجا مولوی اسماعیل دہلوی جن پر خود علماء دیوبند نے جاہل، ملحد، زندیق دین سے بے بہرہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ مگر افسوس کہ آج مولوی اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان جس کا ہر صفحہ توہین نبوت وتنقیص اولیائے بھرپور ہے اس کو توعین اسلام کہا جا رہا ہے۔ اور حضرت علامہ کی تصانیف جن کی ہر ہر سطر میں علم وفن کے سیکڑوں نکات ہیں۔ ان سے بے اعتنائی کا یہ عالم کہ صفحہ تاریخ پر مصنف

کا نام تک دیکھنا گوارا نہیں اور میدانِ جہاد کا وہ سپہ سالارِ اعظم جس کو آزادئ ہند کی خاطر گھر سے بے گھر ہونا پڑا۔ انگریز دشمنی میں جس کو جزیرۂ انڈمان کی ناقابلِ برداشت سزائیں بھگتنی پڑیں۔ انگریز جیسے ظالم و سنگدل بھی جس کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔

بے ساختہ آج ان کے بھی آنسو نکل آئے
دیکھا نہ گیا حال فقیرانہ کسی کا

علماء دیوبند کی نظر میں وہی فضل حق انگریزوں کا پٹھو ہے اور مولوی اسمٰعیل دہلوی جنھوں نے انگریز دوستی میں لاکھوں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہا دیا جن کے دامن پر نہ جانے کتنے بے گناہوں کے خون کی چھینٹیں ہیں اسی خون آلودہ دامن کو علماء دیوبند اپنے پروپیگنڈے اور زورِ قلم سے پاک وصاف کرنا چاہتے ہیں مگر یہ رازِ سربستہ اس وقت عیاں ہوگا جب قاتل خود ہی میدانِ قیامت میں یہ کہتا ہوا اٹھے گا ؎

دامن کو لئے ہاتھ میں کہتا تھا یہ قاتل
کب تک اسے دھویا کروں لالی نہیں جاتی

ناظرین کی انصاف پسند نگاہ پر اعتماد و بھروسہ ہے کہ آپ حضرات نے اس مختصر سی تحریر کے بعد اپنے قلب وضمیر کا فیصلہ حاصل کر لیا ہوگا کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی جنگ زرگرمی کو حضرت علامہ فضلِ حق کی تحریک جہاد سے کوئی واسطہ اور نسبت نہیں۔ مولوی اسمٰعیل افغانی پٹھانوں سے جنگ کر رہے تھے اور انگریز بہادر یہاں سے سات ہزار کی ہنڈی بھیج رہے تھے اور حضرت علامہ جیسی بلند پایہ شخصیت جزیرۂ انڈمان میں کس مپرسی کے عالم میں عزم اور استقلال کی ایک تاریخ مرتب کر رہی تھی۔

سچ ہے دونوں اپنے پیچھے ایک تاریخ چھوڑ گئے۔ مگر فرق اتنا ہے کہ مولوی اسمٰعیل کی تاریخ نے اقوام عالم کے سامنے قوم مسلم کی گردن جھکا دی۔ اور حضرت علامہ کی تاریخ نے ہماری علمی وقومی تاریخ کو سرفرازی بخشا۔

حضرت علامہ کی زندگی کے دو اہم پہلو ہیں۔ آپ کی علمی وادبی زندگی دیکھ کر بوعلی سینا، غزالی، رازی، ابوحنیفہ کی یاد تازہ ہوتی ہے اور آپ کے مجاہدانہ کردار سے

حسین ابن علی کے مظلومیت کی خونی داستان آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے جیسے حسین کے بچپنے میں پیغمبر خدا۔ جبرئیل امین، علی مرتضیٰ، سیدہ فاطمہ نے ناز برداری کی، مگر عمر کی آخری ساعت میں نبی کا لال مسافت پردیس میں بے یار و مددگار شہید کر دیا گیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ایسے ہی فضل امام کا شاہزادہ فضل حق جو ہاتھی و پالکی پر چلتا تھا۔ جو والیانِ ریاست اور شہنشاہِ وقت کا مخدوم و پیارا تھا۔ جو آسمانِ علم و ادب کا روشن ستارا اور چمنستان علم وحکمت کا شاداب پھول تھا۔ وہ عمر کی آخری ساعتوں میں آزادئ ہند کی خاطر کس مپرسی کے عالم میں شہید کیا گیا۔ ایسے ہی خیال فرمایئے کہ دریائے شور کو میدانِ کربلا سے کتنی مناسبت ہے۔ وہاں دریائے فرات پر یزیدی پہرے بٹھا دیئے گئے تھے اور یہاں فطرت نے خود پہرہ بٹھا دیا ہے اور تاریخ کی اس مطابقت پر تو سر دھننے کو جی چاہتا ہے کہ جس طرح مسلم ابن عقیل کی کوفہ میں جس دن شہادت ہوتی ہے اسی دن حسین ابن علی کی مکہ مکرمہ سے کوفہ کے لئے روانگی ہوتی ہے

ایسے ہی مولانا شمس الحق جس دن جزیرۂ انڈمان میں پروانۂ رہائی لیکر پہنچتے ہیں تو سب سے پہلے باپ کے جنازہ پر نگاہ پڑتی ہے۔ شاید اسی موقع کے لئے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

اے مالک تحریر یہ تقدیر ہے کیسی ؟

راہوں میں مری آ کے قضا کھیل رہی ہے

اے پروردگار عالم جب تک آسمان کے ستاروں میں چمک اور مرغزاروں میں کوئلوں کی کوک اور پپیہا کی ترنم خیز صدائیں گونج رہی ہوں۔ اے کائنات کے پالنہار جب تک سمندر کی روانی اور سطح سمندر پر مچھلیوں کا کھیل کود ہو۔ اے خالق کائنات جب تک کائنات کی چہل پہل اور گردشِ لیل و نہار ہو۔ اے رب کریم جب تک صحن گلشن میں کلیوں کی مسکراہٹ اور پھولوں کے قہقہے پر بلبلوں کی نوا سنجی ہو اس وقت تک امام المنطق والفلسفہ مجاہد جلیل حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک پر تیرے رحم و کرم کے پھولوں کی بارش ہو۔ آمین۔

ابرِ رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے ✽ حشر میں شانِ کریمی ناز برداری کرے

حفظ الایمان پر ایک طائرانہ نگاہ

حفظ الایمان مولوی اشرف علی تھانوی کی چند ورقی کتاب ہے جس کی ایک کفری عبارت پر آئے دن مناظرہ، مباحثہ، مجادلہ ہوتا رہتا ہے۔ علماء دیوبند کو یہ سب کچھ گوارا ہے مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ چند سطر کی عبارت میں کوئی ایسی مناسب ترمیم کردی جائے جس سے وہ عبارت اعتراضات کی زد سے باہر ہو جائے یا پھر اس عبارت سے رجوع کرلیا جائے۔ واضح رہے کہ یہ وہی مولانا تھانوی ہیں جن کو برٹش گورنمنٹ چھ سو روپیہ ماہانہ دیتی تھی۔ اور تھانوی صاحب کے حقیقی بھائی جناب مظہر علی صاحب سی۔ آئی۔ ڈی کے بڑے عہدہ پر فائز تھے۔ جیسا کہ مولوی حسین احمد ٹانڈوی نے مکتوبات شیخ جلد دوم ص ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹ پر اس کا تذکرہ کیا ہے۔

یہ وہی تھانوی صاحب ہیں جن کو حضرات دیوبند حکیم الامت، حجۃ اللہ فی الارض اور جامع المجددین جیسے خطابات سے یاد کرتے ہیں اور خود تھانوی صاحب بزعم خویش اپنے مرید سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اشرف علی رسول اللہ پڑھواتے تھے۔ غرضیکہ یہ دیوبندیوں کے رسول و پیغمبر مادر زاد ولی و بزرگ تھے۔ پھر تدریجاً نبوت و رسالت کی منزل پر پہنچے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

اشرف السوانح حصہ اول صفحہ ۲۴ کی ایک روایت ملاحظہ فرمایئے جو تھانوی صاحب کے عہد طفولیت کے آثار نیک سے ہے۔

> "حضرت کی تائی صاحبہ نے جن کے پاس بچپن میں رہے ہیں خود حضرت والا سے بیان کیا کہ لڑکپن میں اکثر دیکھا گیا کہ جب حضرت والا کو کہیں سفر کرنے کا اتفاق ہوا تو اس روز ابر ضرور ہوگیا اور بہت راحت کے ساتھ سفر طے ہوا۔"

اشرف السوانح کی مندرجہ بالا عبارت میں لفظ "ضرور" قابل توجہ ہے۔ یعنی ابر کا ہو جانا اتفاقیہ نہ تھا بلکہ قانون الٰہی کے فرشتے جناب تھانوی کی رضا جوئی اور آرام رسانی پر دست بستہ حاضر تھے۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ انگریز بہادر کا لاڈلا اور دلارا گزرے اور اس کے نرم و نازک بدن کو آفتاب کی دھوپ تکلیف پہنچا سکے۔ جوانی اور بڑھاپے میں اس کرامت کا صدور

نہیں ہوا۔ ابھی تو بچپنے کا ذکر ہے۔ اب ایسے ہی صاحبِ کرامت کی ایک اور عبارت سنئے جو علماء دیوبند کی رسول دشمنی پر روشن دلیل ہے۔ اشرف السوانح حصہ اول صفحہ ۶، پر ہے۔

"دارالعلوم دیوبند کے بڑے جلسہ دستار بندی میں بعض حضراتِ اکابر نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جماعت کی مصلحت کے لئے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے جائیں تاکہ اپنے مجمع پر جو وہابیت کا شبہ ہے وہ دور ہو اور موقع بھی اچھا ہے کیونکہ اس وقت مختلف طبقات کے لوگ موجود ہیں۔ حضرت والا (یعنی مولوی اشرف علی تھانوی نے بادب عرض کیا کہ اس کے لئے روایات کی ضرورت ہے اور وہ روایات مجھکو مستحضر نہیں۔"

یہ وہی تھانوی صاحب ہیں جو حکیم الامت، جامع المجددین اور نہ جانے کیا کیا ہیں۔ آنجناب کو شرک و بدعت کی جملہ اقسام یاد تھیں۔ شادی میں سہرا باندھنا شرک، عبدالنبی پیر بخش نام رکھنا شرک۔ اور اتنا ہی نہیں! صابون سازی کا طریقہ۔ گوشت گلانے کی ترکیب مُربّہ اور جیلی بنانے کا طریقہ، بریانی، پلاؤ، قورمہ، فیرینی، شامی کباب، سیخ کباب، چٹپٹہ بنانے کا طریقہ۔ یہ تمام چیزیں تھانوی صاحب کو یاد تھیں جس کو بہشتی زیور کے دس حصّوں میں بھر دیا ہے۔

غرضیکہ صابون فیکٹری کے ناظمِ اعلیٰ، محکمۂ مطبخ کے ناظم امورِ ضروریہ۔ دوا ساز کارخانہ کے جنرل مینیجر، انجمن مسلم خواتین کی ہائی کمانڈر کو جو باتیں معلوم ہونی چاہئیں وہ من وعن تھانوی صاحب کے ذہن میں حاضر تھیں مگر افسوس صد افسوس کہ تھانوی صاحب کا ذہن اگر خالی تھا تو فضائلِ رسول سے۔ چونکہ اس عنوان پر تقریر کرنے کے لئے تو روایات کی ضرورت تھی اور وہ آنجناب کو مستحضر نہ تھیں۔ واضح رہے کہ ایک عاشقِ رسول کے لئے یہ ایسا محبت آفریں عنوان ہے جس پر وہ گھنٹوں نہیں بلکہ مسلسل نہ جانے کتنے دنوں تک تقریر کر سکتا ہے۔ درس نظامیہ کا مبتدی طالب علم بھی۔ اس عنوان پر کچھ نہ سہی تو معجزاتِ نبوت ہی کے تحت سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کا سماں باندھ سکتا ہے۔ مگر یہ بیان معلومات کے ساتھ عقیدت و محبت کا سرمایہ چاہتا ہے۔ وہ بد نصیب اس عنوان پر کیا بولے جس نے عمر بھر آقائے دوجہاں

صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دی ہوں اور دنیا سے جاتے جاتے حفظ الایمان جیسی گندہ اور کفری کتاب چھوڑ گیا ہو۔ جو قیامت تک کے لئے افتراق بین المسلمین کا باعث بن گئی۔

حضراتِ دیوبند انصاف و دیانت سے کبھی اس عبارت پر نظر ثانی کریں اور گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کیا یہ رسول کریم کا منہ بولتا معجزہ نہیں کہ اپنے دشمن سے اُن کہی کہلوائی؟

محبّت کو سمجھنا ہے ناصح تو خود محبت کر
کنارے سے کبھی اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا

اب ذرا اس عبارت کے مختلف حصّوں کا تجزیہ کیجئے تو حضرات دیوبند کے دل کا چور گرفت میں آتے۔

(۱) "حضرات اکابر نے فرمایا کہ اپنی جماعت کی مصلحت کے لئے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے جائیں۔"

یعنی دار العلوم دیوبند کی چہار دیواری میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب عقیدت و محبت کے تقاضے پر بیان نہیں کئے جاتے بلکہ یہ بیان تو بربنائے مصلحت ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہہ لیجئے کہ آج مصلحت آن پڑی ہے لہذا خلاف عادت و معمول کچھ فضائلِ رسول بیان کر دیئے جائیں۔

(۲) "تاکہ اپنے مجمع پر جو وہابیت کا شبہ ہے وہ دور ہو۔"

یہ مصلحت کی وضاحت ہے یعنی اکابر دیوبند کو اس بات کا احساس تھا کہ ہم لوگ رسولِ کریم کے فضائل و مناقب نہیں بیان کرتے اس لئے ہندوستان کی زمین پر ہمیں وہابی کہا جاتا ہے۔ اور اس کا بھی احساس تھا کہ فضائلِ مصطفےٰ پر تقریر کرنے والوں کو وہابی نہیں بلکہ سنّی کہا جاتا ہے۔

لہذا آج عشق و محبت کی وہ راہ اختیار کی جائے جس پر اہلِ سنّت و جماعت کا معمول ہے تاکہ دامن سے وہابیت کا غبار دھل جائے۔ گویا اکابر دیوبند نے خود ایک علامت و نشانی متعین کر دی۔ فضائلِ رسول پر تقریر کرنے والے سنّی ہیں اور اس عنوان سے کترا کر محض شرک و بدعت کی راگ الاپنے والے وہابی ہیں۔

اپنے منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

اس عنوان کی وضاحت کے لئے اشرف السوانح کی ایک دوسری عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

اشرف السوانح حصہ اوّل صفحہ ۴۵

> کانپور کی جامع مسجد جہاں تھانوی صاحب کے طلباء رہتے تھے۔ "چند عورتیں مٹھائی پر نیاز دلانے آئیں تو طلبا بغیر نیاز دیئے سب کھا پی گئے، اس پر بڑی برہمی پھیلی اور کافی تعداد میں لوگ جمع ہوگئے۔ تو تھانوی صاحب نے فرمایا بھائی یہاں وہابی رہتے ہیں یہاں نیاز فاتحہ کے لئے کچھ مت لایا کرو۔"

اسی کا نام ہے اقراری ڈگری! اقرار وہابیت کے ساتھ وہابیوں کی علامت و پہچان بھی بتادی کہ وہابی نیاز و فاتحہ نہیں دیتے۔

مناسب ہوگا کہ اسی موقع پر چند باتیں مولوی رشید احمد گنگوہی کی ذکر کردی جائیں جو انھوں نے عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین کے بارے میں تحریر کیا ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد اوّل صفحہ ۷

> محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں اور ان کے عقائد عمدہ ہیں۔

فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم صفحہ ۷۹

> سوال: عبدالوہاب نجدی کیسے شخص تھے؟
> الجواب: محمد بن عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں۔ وہ اچھا آدمی تھا سنا ہے مذہب حنبلی رکھتا تھا اور عامل بالحدیث تھا بدعت و شرک سے روکتا تھا مگر تشدد اس کے مزاج میں تھی۔"

کیا کہنا ہے آنجناب کا! شرک و بدعت سے روکنے والا گو برہی کیوں نہ کھاتا ہو مگر وہ گنگوہی صاحب کے گلے کا ہار ہے۔ حنبلی ہو یا غیر مقلد، کافر گر ہو یا اس کے مزاج میں تشدد کچھ بھی سہی وہ اپنا ہی ہے۔ محض اس لئے کہ وہ بھی گنگوہی صاحب کی طرح ساری دنیا کو

مشرک و بدعتی بناتا ہے۔ دوستی و بھائی چارگی کے لئے اتنی وجہ بہت کافی ہے اور گنگوہی صاحب کے متبعین کا یہ عالم ہے کہ آنکھ بند کر کے عبدالوہاب نجدی کی پیروی کئے جا رہے ہیں۔

نہ کالے کو دیکھیں نہ گورے کو دیکھیں

پیا جس کو چاہیں سہاگن وہی ہے

لگے ہاتھ فتاویٰ رشیدیہ کی تیسری عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم صفحہ ۱۱

"اس وقت ان اطراف میں وہابی متبع سنت اور دیندار کو کہتے ہیں۔"

انھیں علماء دیوبند کی طرفداری میں جناب فیروز الدین صاحب روحی نے آئینۂ صداقت نام کی ایک کتاب لکھ ڈالی جس کے ہر ہر صفحہ پر امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی اور ان کے متوسلین کو جی کھول کر عامیانہ و سوقیانہ گالیاں دی ہیں جس کتاب کا ایک صفحہ بھی کسی سنجیدہ و متین شخص کے لئے پڑھنا دشوار ہے۔ آئینۂ صداقت جیسی شر انگیز و فتنہ خیز کتاب پر ہم روحی صاحب سے یوں بھی شکایت نہیں کر سکتے کہ وہ اور ان کے بھائی برادر گالی گلوج میں اپنی فطرت و عادت سے مجبور ہیں۔ اور اتفاق سے تبدیلیٔ فطرت کے لئے ہمارے پاس کوئی نسخہ موجود نہیں ورنہ یہ نسخہ سب سے پہلے شہاب ثاقب کے مؤلف جناب مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی پر استعمال کیا جاتا۔ جس کتاب کو صحیح معنوں میں گالی نامہ ہی کہا جا سکتا ہے جس کا احساس نہ صرف سنی مکتبۂ فکر کو ہے، بلکہ فاضلِ دیوبند مولوی عامر صاحب عثمانی مدیر تجلی نے بھی رد شہاب ثاقب پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کا اعتراف کیا ہے کہ شہاب ثاقب تہذیب و ادب سے گری ہوئی کتاب ہے

تجلی فروری و مارچ ۱۹۵۹ء صفحہ ۷۹ کالم ۲

"واقعی مولانا مدنی نے اس کتاب میں جس طرح کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں انھیں موٹی موٹی گالیاں نہ سہی "مہذب گالیاں" کہنا ضرور حق بجانب ہے۔"

مدیر تجلی نے گالیوں کے ساتھ "مہذب" کی قید لگا کر صدر دیوبند کو کسی حد تک بچانے کی کوشش کی ہے مگر آگے چل کر پیمانہ صبر و ضبط لبریز ہو گیا۔ جب تک مولانا ٹانڈوی امام احمد رضا کو

گالیاں دیتے رہے اس وقت تک موٹی موٹی گالیاں نہ تھیں بلکہ مہذب گالیاں تھیں لیکن جب مولانا ٹانڈوی اپنی حسبِ عادت عبدالوہاب نجدی اور جماعتِ اسلامی پر برس پڑے تو مدیر تجلّی بھی لنگوٹی باندھ کر مدمقابل آ گئے اب انھیں مہذب گالیوں کو "تبرا" اور سب وشتم سے تعبیر کیا گیا۔ ملاحظہ ہو۔

تجلّی فروری و مارچ ۱۹۵۹ء ص ۸۴ کالم ۲

"ہم مولانا مدنی کے محبین و مقلدین چاہیں تو اس کتاب سے خاصی عبرت پکڑ سکتے ہیں۔ مولانا موصوف نے الشہاب الثاقب میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کے ساتھ انصاف نہیں کیا تھا۔ بعض الزامات تو ان پر اور ان کے معتقدین پر ایسے بے بنیاد جڑ دیئے تھے جیسے بریلوی ہم دیوبندیوں پر جڑ رہے ہیں اور بعض عقاید کے بارے میں علمی اختلافات کی بجائے "تبرا بازی" اور سب وشتم کا راستہ اختیار کیا۔ گویا حمیت دین اور حمایت حق کے جذبہ میں غیر معمولی حد تک مشتعل ہو جانا اور علمی ثقاہت کو جذباتی ہیجان کی تاخت سے نہ بچانا ان کا دیرینہ وصف رہا ہے۔ اسی وصف نے انھیں بعد میں جماعتِ اسلامی اور مولانا مودودی کے بالمقابل لا کھڑا کیا۔"

مدیر تجلّی کی مندرجہ بالا عبارت میں یہ ٹکڑا خصوصیت سے قابلِ غور ہے۔

"علمی ثقاہت کو جذباتی ہیجان کی تاخت سے نہ بچانا ان کا دیرینہ وصف رہا ہے۔"

یعنی گالی گلوج، تبرا بازی، سب وشتم، مولانا ٹانڈوی کی عادت ثانیہ تھی۔ وہ علمی مسائل کو بھی گالی گلوج ہی سے حل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ابھی تک تو مدیر تجلّی مولانا ٹانڈوی ہی کی خبر لے رہے تھے۔ لیکن جب علماء دیوبند کی بے اعتدالیوں سے کلیجہ چھلنی ہو گیا تو آخر ش کلمۂ حق، نوکِ قلم پر آ ہی گیا!

تجلّی فروری، مارچ ص ۸۴ کالم ۱

"ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نہ صرف "الشہاب الثاقب" کا اندازِ تحریر واقعی غیر محمود و لائق اجتناب ہیں۔ بلکہ ہم "وہابیوں" کے اور بھی بزرگوں سے

کہیں کہیں از راہِ بشریت الفاظ و انداز کی ایسی لغزشیں ہو گئی ہیں کہ انھیں قابلِ اصلاح کہنا چاہیے۔"

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

کاش یہی احساس مولانا تھانوی، مولانا گنگوہی، مولانا انبیٹھوی، مولانا دہلوی وغیرہ کے دورِ حیات میں ہو گیا ہوتا تو وہ لوگ بھی اپنی لغزشوں پر نادم و شرمسار ہو کر دنیا سے گئے ہوتے۔ یہی کیا کم ہے کہ اب احساس ہو چلا ہے۔ خدا کرے یہ وقتی احساس استقلال و استحکام کی صورت پیدا کر لے اور دیوبندی گروپ اپنے اکابر کی غلطیوں سے توبہ کر کے ہدایت و سلامتی کی راہ پر آجائے۔ اس احکم الحاکمین کی رحمت بے پایاں سے کیا بعید جس کا ادنیٰ قہر و غضب انسانوں پر ہدایت کا دروازہ بند کر دے اور وہی اپنی شانِ کریمی سے اپنے بندوں پر ہدایت و فلاح کا دروازہ کھول دے!

مندرجہ بالا ذیلی و ضمنی گفتگو سے بات اس حد تک واضح ہو گئی کہ اکابر علمار دیوبند سے خطائیں و لغزشیں واقع ہوئی ہیں جس کی مزید تفصیل میں فاضلِ دیوبند مولانا سعید احمد اکبرآبادی مدیر "برہان" و سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ عہ و مدیر "فاران" جناب ماہر القادری کی تحریریں اگلے صفحات پر پیش کی جائیں گی۔

اس وقت تو جناب فیروز الدین صاحب روحی کا تذکرہ تھا کہ جناب نے اپنی شر انگیز تالیف آئینۂ صداقت میں امام احمد رضا، علامہ شامی اور علامہ احمد زینی چلان وغیرہم کو خوب خوب گالیاں دے کر دل کا بخار نکالا ہے۔ مجھے اس کتاب پر کوئی سیر حاصل گفتگو کرنی نہیں ہے۔ چونکہ اس کتاب کا علمی و سنجیدہ جواب سلطان المقررین حضرت علامہ مولانا عبد الحفیظ صاحب مفتی آگرہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے شمعِ ہدایت کے نام شائع ہو چکا ہے۔ جو کتاب ہند و پاک میں بہ نظر قبولیت دیکھی گئی ہے۔

اگر کسی صاحب کو تحقیق مقصود ہو تو وہ آئینۂ صداقت کے صـ ۳۸، صـ ۳۹، صـ ۴۲ کو

عہ و صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

ملاحظہ فرمائیں اور اس مقام پر محض تسکین خاطر کے لئے آئینہ صداقت ص۴۴ وص۴۵ کی ایک عبارت درج کی جاتی ہے جو اندازہ وقیاس کے لئے کافی ہوگی۔ آئینہ صداقت ص۴۴ شامی کی عبارت نقل کرنے کے بعد روحی صاحب کا تبرا ملاحظہ کیجئے۔

"شامی کی اس عبارت کو رضاخانی علماء بڑے فخر سے اپنے رسالوں میں نقل کرتے ہیں" "چند سطر بعد" مگر ان کو کیا معلوم کہ ابن عابد شامی نے حکومت کے اثر سے ان غریبوں کو بدنام کیا اور ان (نجدیوں) کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کرکے اپنی دنیا سنبھالی، بُرا ہو اس دنیا پرستی اور سنہری سکوں کا جس کے عوض شامی نے نجدیوں کو دل کھول کر بدنام کیا ہے"

صحیح ہے علماء اہلسنت ہمیشہ حکومت سے الگ تھلگ رہے۔ حکومت کا سربستہ راز تو تھانوی صاحب کے بھائی مظہر علی کے ہم پیشہ وروں ہی کو معلوم ہوسکتا ہے۔ اگر شیخ نجدی پر نقد ونظر کرنے کی وجہ سے علامہ پر آپ ایسے ناپاک وناروا حملے کرسکتے ہیں تو پھر دنیا کو اپنے متعلق بھی رائے قائم کرنے دیجئے کہ اس گالی وگلوج کے پردے میں آپ بھی کس حکومت کی ایجنٹی کا حق ادا کر رہے ہیں

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکے
دیوار آہنی پہ حماقت تو دیکھئے۔

جب علامہ شامی کو برا بھلا کہنے سے جی بھر گیا تو روحی صاحب علامہ ذہنی دہلان کیطرف متوجہ ہوئے اور خوب خوب جلی کٹی سنائی۔

یہ تو روحی صاحب نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تعریف ومنقبت کا خطبہ پڑھا جیسا کہ وہ صفحہ ۴۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"شیخ ایک فاضل اجل تھے، ان کا علمی پایہ بلند ہے وہ ٹھیٹھ محدثانہ طریقہ پر لکھتے ہیں۔ ان کا طریقہ قرآن اور ان کی دلیلیں جزوکل حدیث سے ماخوذ ہوتی ہیں۔

اسی طرح صفحہ ۳۹ پر لکھتے ہیں۔

"وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب بچپن ہی سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی طرف مائل تھے وغیرہ وغیرہ"

جب شیخ الزمیں والآسمان کی مدحت سرائی سے فرصت ملی تو دھینگا مشتی پر اتر آئے روحی صاحب کے ساتھ پروفیسر کا ٹائیٹل دیکھ کر کتاب سے متعلق میرا حسنِ ظن یہ تھا کہ اس میں متانت و شائستگی ہوگی مگر معلوم ہوا کہ "پروفیسر" کا ٹائیٹل اصطلاحی نہیں بلکہ عرفی ہے۔ جیسا کہ عام طور پر مسلم خاندانوں میں رواج ہے کہ عقیقے کا نام تو عبدالحئی ہوتا ہے مگر ماں باپ انتہائی دلار و پیار کے ماتحت بچے کو نواب، شہزادے، لڈن وغیرہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی روحی صاحب کے متعلق بھی قیاس کیا جاتا ہے۔

تصویر کا دوسرا رُخ

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
خود آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

تھانوی صاحب نے جامع مسجد کانپور میں وہابی ہونے کا اقرار کیا۔ پیر مغاں جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے شیخ نجدی کو عامل بالحدیث، متبع سنّت اور فرط محبّت میں نہ جانے کیا کیا کہہ دیا۔ جناب مسعود عالم صاحب ندوی نے عقیدت کیشی کا حق ادا کرتے ہوئے شیخ نجدی کی سوانح عمری مرتب کر ڈالی۔ اور فاضل دیوبند مولانا محمد عامر صاحب عثمانی نے اپنے اور اپنے دوسرے ہم خیال دوستوں کے وہابی ہونے کا اقرار کیا۔ اور جناب روحی صاحب جو ابھی ابھی اس جماعت کے نئے ممبر ہوئے ہیں انھوں نے تو اپنی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے وہ سب کچھ کہہ دیا جس کے اعتراف میں خود ان کے بزرگوں کو بھی تکلف ہوگا۔ اب آئیے اجودھیا باشی جناب مولانا حسین احمد صاحب صدر دیوبند کی سنئے جن کی راہ اپنے ساتھیوں میں سب سے الگ تھلگ ہے۔

ہم پیروئ قیس نہ فرہاد کریں گے
کچھ طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

الشہاب الثاقب مؤلفہ مولانا حسین احمد صؔ کی ایک عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

"صاحبو! محمد بن عبد الوہاب نجدی ابتدائے تیرھویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ خیالاتِ باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا۔ اس لئے اس نے اہل سنّت وجماعت سے قتل وقتال کیا اور ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا۔ ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا۔ ان (اہلسنت) کے قتل کو باعثِ ثواب ورحمت کا شمار کرتا رہا۔ اہلِ حرمین کو خصوصًا اور اہلِ حجاز کو عمومًا اس نے تکالیف شاقہ پہنچائیں۔ سلف وصالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی وبے ادبی کے الفاظ استعمال کئے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ اسکے تکالیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا۔ اور ہزاروں آدمی اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ الحاصل وہ ایک ظالم وباغی، خونخوار، فاسق شخص تھا۔"

اب المہند مرتبہ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی کی چند سطریں ملاحظہ فرمائیے لیکن حوالہ سے پیشتر یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ المہند ہے کیا؟ اگر میری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ سیدھے سادے لفظوں میں صرف یہ کہتا کہ المہند اکابر علماء دیوبند کے دجل، مکر، فریب افتراء، عیاری، چالبازی کا مجموعہ ہے، مگر میں تو محض اتنی سی بات پر قناعت کرتا ہوں کہ المہند ایک ایسی کتاب ہے جس سے علماء دیوبند کے بطلان کا پتہ چلتا ہے۔

اگر المہند صحیح ہے تو حفظ الایمان کو کہیں دریا برد کر کے تھانوی صاحب کے مریدین کو مناظرہ سے بے خوف ہو کر آرام کی نیند سونا چاہئے۔ آخر ش مناظرہ کے ڈر سے کیوں نیند حرام کئے ہیں؟ اور تقویۃ الایمان کو چپکے سے دفن کر کے ہمیشہ کے لئے کتابوں کی فہرست سے اس کا نام خارج کر دیا جائے اور تحذیر الناس کے ٹائیٹل پر کسی قادیانی مولوی کا نام اور ایسے ہی فتاویٰ رشیدیہ کے سرورق اگر کوئی نہ مل سکے تو مولانا حشمت علی خاں صاحب مرحوم کا نام دیکر اعلان کر دیجئے کہ یہ ہم لوگوں کی کتاب نہیں بلکہ قادیانیوں اور سنیوں کی ہے جس کو ہمارے نام سے شائع کر دیا گیا ہے۔ جب آپ حضرات کی جرأت وجسارت المہند جیسی بے بنیاد کتاب

کی اشاعت کر سکتی ہے تو ایسا کرنے میں کون آپ کی کلائی تھام سکے گا۔

اور حفظ الایمان، تحذیر الناس، براھین قاطعہ وتقویۃ الایمان پر آپ کا ایمان ہے تو کسی دن علیٰ روس الاشہاد المہند کا جنازہ نکالئے اور مولانا خلیل احمد و مولانا محمود الحسن وغیرہ کی قبر کے پاس اس کو بھی دفن کر کے اعلان کر دیجئے کہ ہمارے بزرگوں نے المہند کی اشاعت کی تھی مگر اب اس کا بازار سرد پڑ گیا اس لئے اب ہم لوگ المہند کی جگہ المخنث کی اشاعت کریں گے جس میں المہند اور تقویۃ الایمان کا درمیانی مذہب ہوگا۔ (لَا یُنْکَرُ لَا یُوْنَثُ)

اور ایسے ہی ہر سو پچاس برس کے بعد ایک من گڑھت کتاب لکھتے رہئے ہر سال آپ کی جماعت کے اکابر و اساطین سرکاری حج کے لئے حجاز جایا ہی کرتے ہیں۔ علماء حرمین سے دستخط حاصل کرتے رہیں، جب دستخط کا ڈھیر و بلندہ حاصل ہو جائے تو تو الجمعیۃ پریس سے اس کی اشاعت کر دیا جائے۔

کہنا یہ ہے کہ علماء دیوبند کی بعض کفری عبارات کو علماء اہل سنت نے علماء حرمین کی خدمت میں پیش کیا تو علماء مکہ مکرمہ و علماء مدینہ منورہ نے ان عبارات کو دیکھ کر قانون شریعت کے مطابق علماء دیوبند کی تکفیر کی جس کی اشاعت "حسام الحرمین" کے نام سے کی گئی ہے۔ حسام الحرمین کی اشاعت پر دیوبند میں تہلکہ مچ گیا اور اس کے تکذیب کی ترکیبیں سوچی گئیں اور یہ طے پایا کہ اپنے فرضی عقائد کو سوالات کی شکل میں علماء حرمین کی خدمت میں پیش کرنا چاہئے چنانچہ اپنے نہیں بلکہ اہلسنت کے عقائد کو سوال کی شکل میں مرتب کیا اور علماء حرمین کی خدمت میں پیش کر کے ان کے دستخط حاصل کئے یا علماء حرمین کے فرضی دستخط سے المہند کے نام سے اسکی اشاعت کر دی گئی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے، سچ پوچھئے تو علماء دیوبند نے المہند کی اشاعت سے اپنی جڑیں اور بنیادیں کھوکھلی کر دیں۔ اس کتاب کی اشاعت پر ان لوگوں نے خود اپنے ہاتھ پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ حسام الحرمین کی اشاعت پر انتہائی وحشت و بوکھلاہٹ میں یہ لوگ وہ کر گئے جس کو کوئی دیوبندی مولوی ہوش و حواس میں کبھی کبھی گوارا نہیں کر سکتا اور سچ تو یہ ہے کہ المہند کی اشاعت سے دیوبندیوں نے اپنا کم اور سنیوں کا کام زیادہ انجام دیا ہے اس خوف سے اپنے عقائد تلمبند نہ کر سکے کہ اس کا بھی وہی جواب ہوگا جو حسام الحرمین میں ہے

لہذا اپنے عقائد کو توڑ مروڑ کر مرتب کیا جو اہلسنت کے عقائد ہیں یا ان سے قریب تر۔ انشاء اللہ تعالیٰ کتاب کے آخری صفحات پر المہند اور تقویۃ الایمان اور حفظ الایمان کا ایک اجمالی موازنہ پیش کروں گا جس سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ المہند اور تقویۃ الایمان میں کسی ایک ہی کتاب کو صحیح کہا جا سکتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ بیک وقت دونوں کتابیں صحیح مانی جا سکیں دونوں کتابوں کو صحیح ماننا گویا آگ و پانی کو ایک ہی جگہ جمع کرنا ہے۔ اب تک تو یہی معلوم ہے کہ "اجتماع نقیضین" محال ہے ہاں اگر دیوبند نے کسی نئے فلسفہ کی بنیاد ڈالی ہو جس میں اجتماع نقیضین کے محال نہ ہونے پر کوئی قابلِ تسلیم دلیل قائم کی گئی ہو تو اس کا پیش کرنا ان کے ذمہ ہے۔ "هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ"

بات بہت دور آگئی، مضمون یہ چل رہا تھا کہ متعدد علماء دیوبند نے عبدالوہاب نجدی کی تعریف و توصیف کی اور بعض لوگوں نے اس کو ظالم، باغی، خونخوار وغیرہ کہا جیسا کہ مولوی حسین احمد ٹانڈوی کی کتاب شہاب ثاقب سے اس کا حوالہ پیش کیا گیا۔

اب المہند ص۱۲ کی عبارت ملاحظہ فرمایئے جس پر تمام اکابر علماء دیوبند کے دستخط ہیں۔

> "ہمارے نزدیک ان کا (عبدالوہاب نجدی کا) وہی حکم ہے جو صاحبِ دُرِّ مختار نے فرمایا ہے"

یعنی عبدالوہاب فاسق، خونخوار باغی تھا۔

اب! دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث جناب مولوی محمد انور صاحب کشمیری کی رائے ملاحظہ فرمایئے۔

مقدمہ فیض الباری۔

اما محمد بن عبد الوهاب النجدی فانه کان رجلاً بلیداً قلیل العلم فکان یتسارع إلی الحکم بالکفر۔

اور محمد بن عبدالوہاب نجدی ایک کم علم اور کم فہم انسان تھا اس لئے کفر کا حکم لگانے میں اسے کوئی باک نہیں تھا۔

آخری فیصلہ

اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ ایک طرف مولانا رشید احمد گنگوہی مولانا محمد عامر عثمانی، پروفیسر فیروز الدین روحی، مولانا مسعود عالم ندوی اور مولانا تھانوی کی جماعت ہے کہ یہ لوگ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مدّاح اور اپنے کو اس کا پیرو سمجھتے ہیں۔

یہ ضرور ہے کہ اس جماعت میں مولانا تھانوی کی حیثیت ''تھالی کے بیگن'' جیسی ہے ''نیم دروں نیم بروں'' اشرف السوانح میں وہابی ہونے کا اقرار اور اس پر طرفہ تماشا یہ کہ المہند پر بھی آنجناب کی تصدیق ہے۔ اس فلسفہ کو مولانا تھانوی کے خلفاء اور مریدین ہی زیادہ سمجھ سکتے ہیں ع ہم سے کچھ، غیروں سے کچھ اور دربان سے کچھ۔

اور دوسری جماعت میں مولانا کفایت اللہ، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی، مولانا محمد انور کشمیری، مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا حسین احمد ٹانڈوی وغیرہ ہیں۔ شیخ عبدالوہاب نجدی کے بارے میں ان لوگوں کا وہی مسلک ہے جو علامہ شامی کا ہے۔ یعنی عبدالوہاب نجدی ظالم باغی الطیرا، خونخوار، فاسق اور کم علم تھا۔

انصاف تو ناظرین کے ہاتھ ہے کہ مولانا ٹانڈوی اور مولانا گنگوہی میں پیری مریدی کا رشتہ ہے، مولانا ٹانڈوی مولانا گنگوہی کے چہیتے مریدوں میں ہیں مگر پیر کچھ کہتا ہے اور مرید کچھ؟

عجب کچھ پھیر میں ہے سینے والا جیب و داماں کا
جو یہ ٹانکا تو وہ ادھڑا جو وہ ادھڑا تو یہ ٹانکا

مولانا ٹانڈوی کی بات مانیئے تو گنگوہی صاحب کا دامن ہاتھ سے جاتا رہا اور گنگوہی صاحب کی بات مانیئے تو ٹانڈوی صاحب سے رشتہ منقطع!

نہیں معلوم میکدۂ گنگوہ کے طالبانِ راہ ساقیٔ میخانہ کی زلفوں کا پیچ وخم کس طرح سلجھاتے ہیں؟

یہ سوال جناب ٹانڈوی صاحب کی خدمت میں بھی پیش ہو چکا ہے کہ شیخ نجدی کے بارے میں گنگوہی صاحب کی کچھ رائے ہے اور آپ کی کچھ، تو جواب میں ٹانڈوی صاحب نے

کیسا حسین گریز فرمایا ہے ملاحظہ کیجئے، مکتوبات شیخ جلد دوم صفحات ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹

"وہ جو عبارت اس (شیخ نجدی) کی تحسین میں لکھی گئی ہے وہ محض سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے۔ حضرت گنگوہی صاحب قدس سرہ العزیز اس کتاب (شامی) پر بہت زیادہ اعتماد فرماتے تھے۔ عموماً ان کے فتاوے اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔"

کیا کہنا ہے مولانا ٹانڈوی کا! پیرو مرشد ہمیشہ شامی ہی سے فتاویٰ دیتے رہے۔ ساری کتاب تو چھان ڈالی مگر نظر نہ آیا کہ شیخ عبدالوہاب نجدی ظالم، فاسق، خونخوار تھا یا متبع سنت؟ حالانکہ گنگوہی صاحب کی نگاہ شامی کے ہر صفحہ وہر سطر پر تھی ملاحظہ فرمایئے۔ ارواح ثلثہ صفحہ ۲۹۲ کی عبارت جو مولانا گنگوہی کی تعریف و توصیف سے بھرپور ہے۔

"خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی یحییٰ صاحب کاندھلوی سے فرمایا کہ فلاں مسئلہ شامی میں دیکھو، مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وہ مسئلہ شامی میں تو ہے نہیں۔ فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لاؤ شامی اٹھا لاؤ۔ شامی لائی گئی۔ حضرت (یعنی مولانا رشید احمد گنگوہی) اس وقت آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے، شامی کے دو ثلث دائیں جانب کر کے اور ایک ثلث بائیں جانب کر کے اندازے سے کتاب ایک دم کھولی اور فرمایا کہ بائیں طرف کے صفحہ پر نیچے کی جانب دیکھو، دیکھا تو مسئلہ اسی حصہ میں موجود تھا۔ سب کو حیرت ہوئی حضرت (گنگوہی صاحب) نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرما لیا ہے کہ میری زبان سے غلط نہیں نکلوائے گا۔"

کو اکھانے کے باوجود گنگوہی صاحب آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے مگر با ایں ہمہ شامی کے صفحات و سطریں ذہن میں محفوظ تھیں اور اسی پر بس نہیں بلکہ ان کے اللہ صاحب وعدہ فرما چکے تھے کہ گنگوہی صاحب کی زبان سے غلط نہیں نکلوائیں گے۔ حالانکہ خود گنگوہی صاحب کے دین و دھرم میں ان کے اللہ صاحب جھوٹ بول چکے ہیں اور ہر وقت جھوٹ بولنے کا امکان ہے۔ نہ جانے ان کے اللہ صاحب کی کیسی خدائی ہے۔ خود تو جھوٹ بولیں مگر اپنے

بندوں سے وعدہ کرلیں کہ تمہاری زبان سے جھوٹ نہ نکلے گا۔

اب فرمائیں کہ مولانا ٹانڈوی کے متبعین بالخصوص مولانا عامر عثمانی کے اسعد سلمہٗ زید علمہٗ کہ بات ان کے والد بزرگوار کی صحیح ہے یا ان کے پیر و مرشد مولانا گنگوہی کی؟

الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
دے آدمی کو موت پر یہ بدادا نہ دے

ممکن ہے ناظرین کو تشویش اور خلجان ہو کہ مولانا تھانوی اور مولانا گنگوہی جیسے ذمہ داران دیوبند کی کتابوں میں کیونکر اس قسم کا اختلال اور تضاد واقع ہو سکتا ہے اور ایسی غیر محتاط عبارات کس طرح نوک قلم پر آسکتی ہیں جبکہ ایک مبتدی و ناپختہ کار سے بھی ایسی غلطیاں شاذ و نادر ہی واقع ہوتی ہیں۔

ناظرین کے قلب و جگر کا چبھتا ہوا کانٹا دور کرنے کے لئے اپنے ضمیر و مذاق کے خلاف محض یقین دہانی کی خاطر چند واقعات نقل کرتا ہوں جس سے یہ صحیح اندازہ ہو سکے گا کہ علماء دیوبند اپنی تحریر و مجلسی گفتگو میں کس حد تک غیر محتاط واقع ہوئے ہیں۔ بات اگر سنی سنائی اور محض روایتی ہوتی تو میں ہرگز اس کو معرض تحریر میں نہ لاتا مگر واقعات شائع ہو چکے ہیں اس لئے میری حیثیت محض ناقل کی ہے جس پر دیوبندی مکتبہ فکر کو ناک بھوں چڑھانے کے بجائے سنجیدگی سے کام لینا چاہئے ؎

کوئی کوئی بڑا دلچسپ باب ہے اس میں
کہیں کہیں سے محبت کی داستاں سن لو

تذکرۃ الرشید جلد دوم صفحہ ۲۴۵

"آپ (یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی) ایک مرتبہ خواب بیان فرمانے لگے کہ مولوی محمد قاسم کو میں نے دیکھا کہ دولہن بنے ہوئے ہیں اور مرا نکاح ان کے ساتھ ہوا، پھر خود ہی تعبیر فرمائی کہ آخر ان کے بچوں کی کفالت کرتا ہی ہوں۔"

دوسرا خواب ملاحظہ فرمائیے تذکرۃ الرشید حصہ دوم صفحہ ۲۸۹۔

"مولوی رشید احمد گنگوہی نے ایک بار ارشاد فرمایا۔ میں نے ایکبار خواب دیکھا

تھا کہ مولوی محمد قاسم دولہن کی صورت میں ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا ہے سو جس طرح زن و شوہر میں ایک دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح مجھے ان سے اور انھیں مجھ سے فائدہ پہنچا ہے۔ چند سطر بعد یہ توضیح اور ہے۔ حکیم محمد صادق کاندھلوی نے کہا "اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ" یعنی مرد حاکم ہیں عورتوں پر۔ آپ نے یعنی گنگوہی صاحب نے فرمایا ہاں آخر ان کے بچوں کی تربیت کرتا ہی ہوں۔"

یہ جواں سال امنگیں یہ اچھوتے ارماں
کس کی جھولی میں یہ انمول ستارے بھر دوں

"بلّی کو خواب میں چھیچھڑے ہی نظر آتے ہیں" کے مطابق مولانا گنگوہی کو بھی خواب میں مولانا قاسم ہی نظر آتے تھے۔ اس سے گنگوہی صاحب کے فلک پیما افکار و خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ یہ تو خواب و خیال کی باتیں تھیں۔ اب خانقاہ گنگوہ کی ایک محبت آمیز کہانی سنئے کہ بھری محفل میں وہاں کیا کیا شگوفے کھلتے تھے۔

یہی کچھ امیدیں یہی آرزوئیں
مری زندگی کے یہی ہیں سہارے

ارواح ثلٰثہ صفحہ ۲۸۹

" حضرت والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب و عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہما نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمع تھا۔ حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی کے مرید و شاگرد سب جمع تھے اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے حضرت مولانا قاسم نانوتوی سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا یہاں ذرا لیٹ جاؤ۔ حضرت نانوتوی کچھ شرما سے گئے مگر حضرت گنگوہی نے پھر فرمایا تو بہت ادب کے ساتھ چیت لیٹ گئے حضرت بھی اسی چارپائی پر لیٹ گئے اور مولانا قاسم نانوتوی کی طرف کو کروٹ لے کر اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھدیا جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین دیا

کرتا ہے۔ مولانا قاسم نانوتوی ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو یہ لوگ کیا کہیں گے۔ حضرت (گنگوہی) نے فرمایا لوگ کہیں گے کہنے دو۔"

بنتی نہیں ہے صبر کو رخصت کئے بغیر
کام ان کی بیقرار نگاہوں سے پڑ گیا

میری نظر میں مندرجہ بالا عبارت محتاج تبصرہ نہیں ہے۔ ناظرین خود ہی خیال فرمائیں کہ دن دھاڑے گنگوہ کی خانقاہ میں کیا کچھ ہوتا تھا۔ اپنے بزرگوں کے کرتوت و کردار پر قیاس کر کے جب ہی تو حضرات دیوبند خانقاہوں کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ یہ غریب و یتیم العقل سمجھتے ہیں کہ ہر خانقاہ میں وہی ہوتا ہے جو تھانہ بھون یا گنگوہ کی خانقاہ میں ہوتا ہے۔"

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر

بر سرِ راہ اشرف التنبیہ صفحہ ۴۰ کی بھی ایک عبارت ملاحظہ کیجئے۔

"تھانوی صاحب رقمطراز ہیں۔ مولانا یعنی (قاسم نانوتوی) بچوں سے ہنستے بولتے بھی تھے اور جلال الدین صاحب صاحبزادہ مولانا محمد یعقوب سے جو اس وقت بالکل بچے تھے بڑی ہنسی کیا کرتے تھے، کبھی ٹوپی اتارتے کبھی کمر بند کھول دیتے تھے۔

ندامت ہوئی حشر میں جن کے بدلے
جوانی کی دو چار نادانیاں ہیں

تکفیری افسانے "الشہاب الثاقب"، "آئینۂ صداقت"، "فسادی ملّا"، کے مولفین و حامئین اپنے اکابر و اساطین کا معاشقہ دیکھ کر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور جنھیں افسانہ نویسی ہی کا شوق ہے انھیں تکفیری افسانے کے بجائے اکابر دیوبند کے عشق و محبت کا افسانہ مرتب کرنا چاہئے، جس میں ایک معنوی رابطہ بھی ہے۔ بھلا افسانے کا تکفیر کے ساتھ کیا جوڑ اور پیوند ہے؟ خانقاہِ گنگوہ کے ایک عاشق صادق کی ایسی دلگداز و جاں نواز کہانی لکھئے جس کو پڑھ کر وامق و عذرا، شیریں فرہاد، قیس و لیلیٰ کی داستانِ عشق و محبت

کو بھول جائیے۔ پھر تو کشورِ محبت میں آپ ہی آپ ہوں گے اور آپ ہی کا چرچا ہوگا!

کتنے غضب کی بات ہے، خانقاہ گنگوہ میں ایک عاشق صادق کے ہاتھوں صبر و شکیب کا دامن چھوٹ گیا۔ آبگینۂ دل ٹوٹ کر چور چور ہو گیا۔ مگر تکفیری افسانے کے مؤلف کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ حالانکہ خلف صادق کو تو یہ کرنا چاہئے تھا کہ گنگوہ اور دیوبند کی دردبھری کہانی" کے نام کوئی افسانہ لکھ کر اپنے بزرگوں کے عشق و محبت کو زندگی جاوید بخش دیتے۔

خانقاہِ گنگوہ کی بھری محفل میں مولانا قاسم نانوتوی شرما شرما کر کہتے تھے کہ میاں یہ کیا کر رہے ہو، مگر گنگوہی صاحب ہو سنا کیوں کے ہاتھ مجبور ہو کر صبر وضبط کی آخری سلام کر بیٹھے۔

جا اور کوئی ضبط کی دنیا تلاش کر
اے عشق ہم تو اب ترے قابل نہیں رہے

کیا تعجب ہے کہ مرزا غالب نے انھیں سب واقعات کے پیش نظر یہ شعر کہا ہو ؎

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

" دیوبندیوں کے یہاں لفظ میاں بھی عجیب و غریب حیثیت رکھتا ہے۔ کہیں رشید میاں کہیں اللہ میاں" اللہ تعالیٰ کے لئے انھیں کوئی دوسرا لفظ ہی نہیں ملتا۔"

اگر تکفیری افسانے کے مؤلف کو زحمت نہ ہو تو ان سے ایک بات دریافت کرنی ہے کہ ہند و پاک کا وہ طبقہ جس کے زبان و قلم سے عشقِ رسول اور عظمتِ اولیاء کا اظہار ہوتا ہے انھیں بدعتی، مولودی اور قبر پجوا، کہہ کر آپ لوگ میلاد، فاتحہ، عرس و قیام کے لئے قرآن و حدیث کی دلیلیں طلب کرتے ہیں۔ اب ذرا سے ایک عاشقِ صادق کی قیامت خیز داستانِ عشق و محبت کے پیشِ نظر یہ فرمائیے کہ جس طرح نانوتوی صاحب اور گنگوہی صاحب خانقاہِ گنگوہ میں لیٹے تھے اس طرح لیٹنے اور گفتگو کرنے کا حکم قرآن کی کس آیت اور صحاح ستہ کی کس حدیث میں ہے۔ ایک عامی مسلمان بھی جانتا ہے کہ سرکارِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ " اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ" حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے

مگر اس بیحیائی پر قرآن وحدیث کا کوئی ٹکڑا پیش نہیں کیا جا سکتا جبکہ قرآن وحدیث کا مقصد شرم وحیا کی تلقین ہے نہ کہ بے حیائی کی! میلاد وفاتحہ پر برہان ودلیل طلب کرنے والوں کی غیرت ایمانی یہاں کیوں سوگئی ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں پہونچ کر حضرات دیوبند کے اتباع سُنّت کی قلعی کھل جاتی ہے۔ اب معاملہ میلاد وفاتحہ کا نہیں ہے بلکہ اپنے مولویوں کے کرتوت وکردار کی باری ہے جن کی ولایت وکرامت کا خطبہ پڑھتے پڑھتے زبان گھس گئی ہے۔

کارِ شیطاں می کند نامش ولی
گر ولی ایں است لعنت بر ولی

مناسب ہوگا کہ اسی مقام پر مولانا تھانوی کے بلندی کردار ومکارم اخلاق وپختگیٔ رائے کی ایک جھلک پیش کردی جائے تاکہ ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

سیف یمانی صفحہ ۲۳ و ۲۴ مرتبہ مولوی منظور صاحب نعمانی دیوبندی تھانوی صاحب اپنے ابتدائی دور میں کان پور میں تھے تو وہاں کے وجوہِ اقامت بیان کرتے ہیں

"تیسرے میں نے دیکھا کہ وہاں (کانپور) بدون شرکت ان مجالس (میلاد شریف) کے کسی طرح قیام ممکن نہیں، ذرا انکار کرنے سے وہابی کہدیا درپئے تذلیل وتوہین ہوگئے اور شرکت بھی اس نظر سے کہ ان لوگوں کو ہدایت ہوگی اور یوں خیال ہوتا ہے کہ اگر ایک مکروہ کے ارتکاب سے دوسرے مسلمانوں کے فرائض وواجبات کی حفاظت ہو تو اللہ تعالیٰ سے امید تسامح ہے۔ بہر حال وہاں (کانپور) میں بدون شرکت "میلاد" قیام کرنا قریب بمحال دیکھا اور منظور تھا وہاں رہنا کیونکہ منفعت بھی ہے کہ مدرسے سے تنخواہ ملتی ہے"

دنیاوی منفعت اور تنخواہ کا ملنا یہ ہے ٹیپ کا بند! کسی نے کیا پتے کی بات کہی ہے ؎

کیا جھوٹ کا شکوہ تو یہ جواب ملا
تقیہ ہم نے کیا تھا ہمیں ثواب ملا

تھانوی صاحب ان بزرگوں میں ہیں کہ تقیہ کر کے خوب خوب ثواب لوٹ چکے ہیں اس عبارت کا خلاصہ و نچوڑ یہ ہے کہ جہاں تنخواہ مل رہی ہو اور دنیاوی منفعت ہو وہاں تقیہ کر کے میلاد شریف میں شریک ہو جانا چاہئے اور جیسے جیسے ماحول پر قابو پاتے جایئے۔ پھر انھیں محافل کو شرک و بدعت و کنہیا کا جنم کہیئے۔

چنانچہ آج تک دیوبندیوں کا یہی دستور ہے، جہاں دیکھیں گے سنیوں کی اکثریت ہے وہاں بگلا بھگت بن کر میلاد میں شرکت کریں گے اور جب دس پانچ سادہ لوح ان کے دام تزویر میں آجائیں گے تو " شبرات کے حلوے اور قیام میلاد پر ناک بھوں چڑھا کر ان غریب سنیوں سے قرآن وحدیث کی دلیل طلب کریں گے جہاں کے "سنی" مسائل آشنا اور تجربہ کار ہوتے ہیں۔ وہ یہ کہہ کر برخوردار کا ٹکٹ کٹا دیتے ہیں کہ " ہماری بلی اور ہمیں سے میاؤں" ہمارا ہی کھاتے ہو اور ہم پر غراتے ہو، جاؤ کہیں اور کا راستہ لو جہاں میلاد و فاتحہ کا دستور نہ ہو۔ مگر بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں کے لوگ ان روباہ صفت مولویوں کے دجل و فریب میں آگئے اور یہ کہہ کر ان سے رشتہ و ناطہ جوڑ لیا کہ یہ بھی تو مولانا صاحب ہیں حالانکہ وہ غریب بات کی تہ تک نہ پہونچ سکے اور دھیرے دھیرے دیوبندیت ان کے سر پر مسلط ہو گئی۔

اس لئے سنیوں کو چاہئے کہ جہاں کہیں بھی ایسی صورت پیدا ہو جائے فتویٰ اور دلیل طلب کرنے سے پہلے ایسے دشمن رسول کو اپنے یہاں سے رخصت کر دیں پھر کسی سنی عالم سے مسائل کو سمجھتے رہیں۔ چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی نے کانپور میں ایسے ہی کیا کہ ابتداءً بھیگی بلی بنے رہے اور جیسے جیسے رنگ چوکھا ہوتا گیا ویسے ویسے وہابیت کا پرچار کرتے گئے۔ افسوس ہے کہ سنیوں کے سامنے ان کے مکر و فریب کی سیکڑوں مثالیں ہوتے ہوئے بھی اس کو بھول بیٹھے ہیں۔

یہ وہی تھانوی ہیں جن کے سفر میں ابر کا ہونا ضروری تھا۔ یہ کچھ تھانوی صاحب ہی کی کرامت نہیں بلکہ تھانہ بھون اور نانوتہ،، کی مٹی ہی میں کچھ ایسی تاثیر ہے۔

ارواحِ ثلثہ ص۳۲۲ کی ایک روایت ملاحظہ کیجئے۔

" فرمایا کہ مولوی معین الدین صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے وہ حضرت مولانا کی ایک کرامت جو بعدِ وفات واقع ہوئی

بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ نانوتہ میں جاڑا بخار کی بہت کثرت ہوئی سو جو شخص کہ قبر سے مٹی لے جاکر باندھ لیتا تو اسے آرام ہو جاتا بس اس کثرت سے مٹی لے گئے کہ کہ جب بھی قبر پر مٹی ڈالو تب ہی ختم، کئی مرتبہ ڈال چکا پریشان ہو کر ایک دفعہ میں نے مولانا کی قبر پر جاکر کہا کہ آپکی تو کرامت ہوئی اور ہماری مصیبت ہو گئی یاد رکھو اگر اب کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے ایسے ہی پڑے رہیو، لوگ جوتا پہن کر تمہارے اوپر ایسے ہی چلیں گے بس اسی دن سے آرام نہ ہوا جیسے شہرت آرام کی ہوئی تھی ویسے ہی یہ شہرت ہوگئی کہ اب آرام نہیں ہوتا پھر لوگوں نے مٹی لے جانا بند کر دیا۔"

مذکورہ بالا عبارت کا رخ اور تیور ملاحظہ فرمایئے کہ صاحب قبر سے عدم شفا کی درخواست اس بنیاد پر نہیں کی گئی کہ مخلوق خدا شرک وبدعت میں مبتلا ہوگئی ہے بلکہ خاندان والے قبر پر مٹی ڈالتے ڈالتے تھک کر چور ہو گئے۔ یہ بات تو اجمیر وکلیر میں پہنچ کر شرک و بدعت ہو جاتی ہے۔ یہاں تو تھانہ بھون اور نانوتہ کے بزرگوں کی کرامت بیان کرنی مقصود ہے۔

کوچۂ جاناں سے خاک لائیں گے

اپنا کعبہ الگ بنائیں گے

چڑھ تو غریب نواز، پیرانِ کلیر، خواجہ قطب اور محبوبِ الٰہی سے ہے نہ کہ نانوتہ کے بزرگوں سے، اور صرف مٹی میں شفا ہی نہ تھی بلکہ صاحب قبر خاندان والوں کی آواز سنتے اور ان کی باتیں بھی مان لیتے تھے، مگر اللہ کے پیارے محبوب خلاصۂ کائنات سرکار ابد قرار روحی فداہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اس بہتان تراشی و افترا پردازی پر شرم نہ آئی کہ

"میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں" تقویۃ الایمان ص۹۶ "

خیال فرمایئے کہ نانوتہ کے مردوں کی قبر سے شفا ہو، وہ آواز دینے والوں کی آواز سنیں مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم "مر کر مٹی میں مل گئے" معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، اور آج تک توفیق نہ ہوئی کہ علماء دیوبند اپنی ان ناپاک عبارات سے توبہ کر لیتے؟ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے اس میں ان کے بزرگوں کے علم و قلم کی توہین ہے۔

رسولِ خدا کی توہین ٹھنڈے دل گوارا ہے مگر ان کے بزرگوں کے قلم پر حرف نہ آئے!
اگر تقویۃ الایمان ہی دیوبندی دھرم میں دین و ایمان ہے تو تقویۃ الایمان ہی کی روشنی میں انھیں اس عبارت کو خارج کر دینا چاہئے۔

تقویۃ الایمان صفحہ ۶۴

"یہ بات محض بیجا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولے اور اس سے کچھ اور معنی مراد لے"
تقویۃ الایمان کی مندرجہ بالا عبارت نے ان عبارات میں توجیہہ و تاویل کا دروازہ بند کر دیا جن کے ظاہر میں رسولِ خدا کی توہین و تنقیص ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرات دیوبندیہ کہہ کر اپنا دامن نہ بچا سکیں گے کہ اس عبارت میں "میں" معنی میں "سے" "کے ہے" "یعنی مر کر مٹی سے مل گئے"
جیسا کہ بعض کٹھ حجّت لوگ جواب دیا کرتے ہیں۔

انصاف و دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ اپنی کتابوں سے ان گندہ و بھونڈی عبارات کو خارج کر کے اپنی حق پرستی و للٰہیت کا ثبوت دیتے۔ مگر مشکل یہ آن پڑی ہے کہ جہاں ان عبارات کو آپ نے خارج کیا۔ فتاوی گنگوہی کے مطابق ایمان آپ سے کوسوں دور اور اسلام آخری سلام کر کے رخصت ہو جائے گا۔

ملاحظہ ہو فتاوی رشیدیہ جلد اوّل ص ۱۱۵

> "اور کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور ردِ شرک و بدعت میں لاجواب ہے۔ استدلال اسکے بالکل کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں اس کا رکھنا اور پڑھنا عینِ اسلام ہے۔"

پوری تقویۃ الایمان عین اسلام ہے اگر اس کی ایک عبارت خارج کر دی گئی تو ایمان کا ایک حصہ رخصت ہو جائے گا۔ تف ہے ایسی کتاب پر اور لعنت ہے ایسی گندہ ذہنیت پر! گنگوہی صاحب فرماتے ہیں تقویۃ الایمان کے استدلال کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں تو کوئی دیوبندی صاحب یہی بتلا دیں کہ مذکورہ بالا عبارت کس آیت یا کس حدیث کا ترجمہ ہے یا محض قرآن و حدیث بولنے کا خبط سوار ہے۔

وہابیوں میں شرم کا کچھ بھی اثر نہیں

ہے اعتراض غیروں پہ اپنی خبر نہیں

پہلے اپنے گھر کی خبر لیجئے پھر کہیں میلاد و فاتحہ کرنے والوں پر آنکھیں لال پیلی کر کے اعتراض کی جرأت کیجئے۔

ابھی تو آپ حضرات نے محض نانوتہ کی ایک قبر کا مضحکہ خیز حال سنا ہے اب اسی ضمن میں دو ایک اور بھی فرضی و من گڑھت کرامات کا حال سنتے چلیئے۔

ارواح ثلثہ ص ۲۰۲

"فرمایا کہ ایک صاحب کشف حضرت حافظ محمد ضامن تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گئے۔ بعد فاتحہ کہنے لگے کہ بھئی یہ کون بزرگ ہیں بڑے دل لگی باز ہیں، فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے جاؤ فاتحہ کسی مردہ پر پڑھیو یہاں زندہ پر فاتحہ پڑھنے آئے ہو۔ یہ کیا بات ہے۔ جب لوگوں نے بتلایا کہ یہ شہید ہیں"

نوٹ: تھانہ بھون کے شہید کی قبر پر نیاز و فاتحہ درست ہے مگر سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر مبارک پر جانا شرک و بدعت؟ ہاں اگر روپیہ و نذرانہ ملے تو وہاں کی حاضری درست ہے جیساکہ مولوی ابوالوفا، مولوی محمد قاسم شاہجہاں پوری حضرات سال بہ سال آستانہ بہرائچ پر حاضر ہوتے ہیں ایسے ہی زرخیز مقامات پر مولانا تھانوی کی پیروی کام دے جاتی ہے۔

ارواح ثلثہ ص ۲۸۸ کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

"خانصاحب نے یہ فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے خود مجھ سے فرمایا کہ جب میں ابتداءً گنگوہ کی خانقاہ میں آکر مقیم ہوا ہوں تو خانقاہ میں بول و براز نہ کرتا تھا، بلکہ باہر جنگل جاتا تھا حتیٰ کہ لیٹنے اور جوتے پہن کر چلنے پھرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی"

نوٹ: اب کوئی دریافت کرے علمائے دیوبند سے کہ گنگوہی صاحب کس آیت یا کس حدیث کی اتباع میں اس نوعیت کا احترام کرتے تھے۔ آخرش گنگوہ میں مساجد بھی ہوں گی اس ہیں استنجا خانہ بھی ہوگا اس میں تو گنگوہی صاحب نے بول و براز کیا ہوگا؟ تو کیا خانقاہ کا مرتبہ خانہ خدا سے بھی بڑھ گیا۔

قربان جائیے اس الٹی کھوپڑی پر کہ خانقاہِ گنگوہ کا استنجا خانہ تو مقام ادب و احترام ہے مگر اولیاء کرام کے مزارات لائقِ ادب و احترام نہیں ؟

ابھی چند برس کی بات ہے کہ سلطان الہند سیدی سرکار معین الدین اجمیری سنجری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے گنبد مبارک پر وہابی دیوبندی طلباء نے نجاست پھینکی تھی جس پر بھارت کے تمام ہی سنی مسلمانوں نے غم و غصہ کا اظہار کیا تھا۔ بعض اخبار و رسائل میں بھی یہ خبر شائع ہوئی تھی۔ یہ پروردگار عالم کا قہر و غضب اور اسکی لعنت و پھٹکار نہیں تو اور کیا ہے کہ مزارات اولیاء کی تعظیم و تکریم سے گریز کرنے سے استنجا خانہ کی تعظیم و توقیر کرائی گئی۔

یہ تو اپنی اپنی قسمت اور اپنا اپنا نصیبہ ہے کہ کوئی مزاراتِ اولیاء کے سامنے باادب باقرینہ کھڑا ہے اور کوئی استنجا خانے کے سامنے دست بستہ حاضر ہے۔ ناظرین یہ نہ خیال فرمائیں کہ بات ختم ہو گئی ہے

یہ قصہ لطیف ابھی ناتمام ہے
جو کچھ بیاں ہوا ہے وہ آغاز باب تھا۔

ارواح ثلثہ ص۲۴۰ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

"مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ میں ۲۵ برس حضرت مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور کبھی بلا وضو نہیں گیا۔ میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا دیکھا۔ وہ شخص ایک فرشتہ مقرب تھا جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا"۔

نوٹ: مولانا نانوتوی ایک فرشتہ مقرب تھے جو انسانوں کی شکل میں ظاہر کئے گئے تھے۔

دربار قاسم میں اداب و احترام کا یہ عالم کہ ان کا پرستار نہ بچاری پچیس برس مسلسل باوضو حاضر ہوتا رہا۔ گویا وہ بھی کوئی نماز تھے کہ بغیر وضو کے حاضری قبول نہ ہوتی!

مناسب ہے کہ اسی مقام پر تقویۃ الایمان کی دو چار عبارتیں پیش کر دی جائیں جس سے دیوبندی مشن کے صحیح خدوخال سامنے آجائیں۔

تقویۃ الایمان صفحہ ۶۸

"انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی

بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے۔"

نوٹ: واضح رہے کہ اس عبارت میں بڑے بزرگ سے انبیاؑ و اولیأ سب ہی مراد ہیں!
چنانچہ اس کے بعد لکھا ہے کہ جتنے اللہ کے بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندۂ عاجز اور ہمارے بھائی۔

تقویۃ الایمان ص۱۷ رسولِ کریم کی تعریف کے بارے میں آنجناب لکھتے ہیں۔

"جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو اس میں بھی اختصار ہی کرو۔"

تقویۃ الایمان ص۲۷

"جیسا ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار سو ان معنوں کر ہر پیغمبر اپنی امّت کا سردار ہے۔"

تقویۃ الایمان ص۱۶

"ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔"

تقویۃ الایمان کی مندرجہ بالا عبارت پر نہ صرف علماء اہلسنت نے اظہارِ بیزاری کی بلکہ دیوبند کے فاضل مولانا محمد عامر عثمانی بھی چیخ اٹھے۔

ماہنامہ "تجلی" فروری، مارچ ۱۹۵۷ء کے خاص نمبر ص۱۷ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:۔

"میں نے دیکھا کہ شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تقویۃ الایمان میں فصل اوّل فی الاجتناب عن الاشراک کے ذیل میں لکھا ہے۔
"ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔" اس عبارت پر غور فرمائیے۔ میرے نزدیک (عامر عثمانی) یہ سو فیصدی صحیح ہے لیکن کیا اس کا صاف اور بدیہی مطلب یہ نہیں ہے کہ اولیأ و صحابہ تو ایک طرف رہے، تمام انبیاء و رسل اور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کی شان کے آگے چمار سے زیادہ ذلیل ہیں، کیسا خطرناک انداز بیان ہے۔ کتنے لرزا دینے والے الفاظ ہیں اور یہ نہ سمجھئے کہ شاہ صاحب کے الفاظ کی

یہ تعبیر کچھ میں اپنی طرف سے پیش کر رہا ہوں۔ نہیں یہ تعبیر تو اسی زمانے میں کی گئی اور تذکیر الاخوان اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ بعض خطوط کتنے غصہ کے آئے لیکن خود شاہ صاحب نے بھی ان الفاظ کو درست و برحق ثابت کیا اور علماء موجود بھی ان الفاظ کو بے عیب و بے خلل ٹھہراتے ہیں۔

نوٹ :۔ اس عبارت کا حقیقی مفہوم تو جناب مولانا عامر عثمانی صاحب ہی سمجھ سکتے ہیں کہ تقویۃ الایمان کی عبارت لرزا دینے والی اور خطرناک ہونے کے باوجود ان کی نظر میں پچانوے فیصدی بھی نہیں بلکہ سو فیصدی صحیح ہے ، لیکن یہ اعتراف تو انھیں کرنا ہی پڑا کہ اس کا اندازِ بیان خطرناک ہے جس پر بہت سے لوگوں کے غم و غصے کے خطوط بھی آئے۔

اب یہیں پر الامداد کی ایک عبارت ملاحظہ فرمایئے اور میری ماسبق تحریر کہ مولانا تھانوی دیوبندیوں کے مادر زاد ولی تھے پھر تدریجاً مرتبۂ نبوّت پر پہونچے ، یہاں تک کہ اپنے مرید سے اپنی نبوت و رسالت کا کلمہ پڑھواتے تھے۔ اس کی شہادت و گواہی حاصل کیجئے۔

رسالہ الامداد مجریہ ماہ صفر ۱۳۳۶ھ ص ۳۵، ایک مرید کا خواب و بیداری میں مولانا اشرف علی کا کلمہ پڑھنا اور تھانوی صاحب کا جواب۔

" ایک روز کا ذکر ہے کہ حسن العزیز ، دیکھ رہا تھا اور دوپہر کا وقت تھا کہ نیند نے غلبہ کیا اور سو جانے کا ارادہ کیا۔ رسالہ حسن العزیز کو ایک طرف رکھ دیا لیکن جب بندے نے دوسری طرف کروٹ بدلی تو دل میں خیال آیا کہ کتاب کو پشت ہو گئی اس لئے رسالہ حسن العزیز کو اٹھا کر سر کی جانب رکھ لیا اور سو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد خواب دیکھتا ہوں کہ کلمہ شریف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھتا ہوں لیکن محمد رسول اللہ کی جگہ حضور (یعنی اشرف علی) کا نام لیتا ہوں۔ اتنے میں دل کے اندر خیال پیدا ہوا کہ تجھ سے غلطی ہوئی ، کلمہ شریف کے پڑھنے میں اس کو صحیح پڑھنا چاہیئے۔ اس خیال سے دوبارہ کلمہ شریف پڑھتا ہوں۔ دل پر تو یہ ہے کہ صحیح پڑھا جاوے لیکن زبان سے بے ساختہ بجائے رسول اللہ کے نام کے اشرف علی نکل جاتا ہے۔ حالانکہ مجھ کو اس بات کا علم

ہے کہ اس طرح درست نہیں لیکن بے اختیار زبان سے یہی کلمہ نکلتا ہے۔ (یعنی
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، اشرف علی رسول اللّٰہ) دو تین بار جب یہی صورت
ہوئی تو حضور کو اپنے سامنے دیکھتا ہوں اور یہی چند شخص حضور کے پاس تھے۔
لیکن اتنے میں میری یہ حالت ہو گئی کہ میں کھڑا کھڑا بوجہ اس کے کہ رقت طاری ہو گئی
زمین پر گر گیا اور نہایت زور کے ساتھ ایک چیخ ماری اور مجھکو معلوم ہوتا تھا کہ میرے
اندر کوئی طاقت باقی نہیں رہی۔ اتنے میں بندہ خواب سے بیدار ہو گیا لیکن بدن
میں بدستور بے حسی تھا اور وہ اثر ناطاقتی بدستور تھا لیکن حالت خواب و بیداری
میں حضور ہی کا خیال تھا لیکن حالت بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پر جب خیال
آیا تو اس بات کا ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دور کیا جائے، اس واسطے کہ
پھر ایسی کوئی غلطی نہ ہو جائے بایں خیال بندہ بیٹھ گیا اور پھر دوسری کروٹ لے کر
کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف
پڑھتا ہوں لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں اَللّٰھُمَّ صلِّ علیٰ سیدنا ونبینا ومولانا اشرف علی"
حالانکہ اب میں بیدار ہوں خواب میں نہیں۔ لیکن بے اختیار ہوں مجبور ہوں۔ زبان
اپنے قابو میں نہیں، ایک روز ایسا ہی کچھ خیال رہا تو دوسرے روز بیداری میں
رقت رہی خوب رویا اور بھی بہت سے وجوہات ہیں جو حضور کے ساتھ
باعث محبت ہیں کہاں تک عرض کروں۔

جواب: اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ
متبع سنت ہے۔

تھانوی صاحب کی اس تعلیم و تلقین پر فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی سابق پرنسپل
مدرسہ عالیہ کلکتہ مدیر "برہان" کی تنقید ملاحظہ فرمائیے۔

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم
جنید و شبلی و عطار شد مست

برہان دہلی فروری ۵۲ء صفحہ ۱۰۷

"اپنے معاملات میں تاویل و توجیہہ اور اغماض و مسامحت کرنے کی مولانا (اشرف علی تھانوی) میں جو خوبی تھی اس کا اندازہ ایک واقعہ سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی مرید نے مولانا کو لکھا کہ میں نے رات خواب میں دیکھا کہ میں ہر چند کلمۂ تشہد صحیح صحیح ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن ہر بار ہوتا یہ ہے کہ " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے بعد اشرف علی رسول اللّٰہ" منہ سے نکل جاتا ہے۔ ظاہر ہے اس کا صاف اور سیدھا جواب یہ تھا کہ یہ کلمہ کفر ہے شیطان کا فریب اور نفس کا دھوکا ہے تم فوراً توبہ کرو اور استغفار چاہو۔ لیکن مولانا تھانوی صرف یہ فرماکر بات آئی گئی کر دیتے ہیں کہ تم کو مجھ سے غایت محبت ہے اور یہ سب اسی کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔"

مت پوچھئے کہ داغ جگر میں کہاں کے ہیں
کچھ آپ کے دیئے ہیں اور کچھ آسماں کے ہیں

الامداد کی کفری عبارت پر فاضل دیوبند مولانا اکبرآبادی کی جرح و تنقید آپ نے ملاحظہ فرمائی اب لگے ہاتھ مکتوبات شیخ پر جناب نجم الدین صاحب اصلاحی کے حاشیہ کی چند سطریں ملاحظہ فرمایئے جس سے اندرون خانہ کی نوک جھونک کا پتہ چلتا ہے۔

مکتوبات شیخ حصہ دوم ص۳۶

"مرید کو زیبا نہیں کہ ایسے الفاظ لکھے یا زبان سے نکالے جو پیغمبروں کے لئے مخصوص ہے شیخ الاسلام مدظلہٗ ان بزرگوں میں نہیں ہیں کہ مرید کی ہر بات کی توجیہہ کرکے اور اس کو محبت کے دائرے کے اندر لاکر گستاخ بنائیں بلکہ .....
.....ہوتے ہیں۔"

اس تیر کے نشانے پر براہِ راست الامداد کی عبارت ہے جس سے تھانہ بھون کے معتقدین مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہے ہیں۔ گو اصلاحی صاحب نے الکنایۃ ابلغ من التصریح پر عمل کرتے ہوئے بات اشارے و کنائے میں کہی لیکن بات اسقدر واضح ہوگئی ہے کہ اب انہیں مجالِ انکار نہیں بقول شاعر

یوں ترچھی نگاہوں سے مجھے قتل بھی کرنا
پھر صاف مکرنا کہ میں اس سے بری ہوں

رسالہ الامداد کی کفری عبارت پر فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا یہ تبصرہ آپ کی نظر سے گزرا کہ "یہ کلمہ کفر ہے" مگر فاضل اکبر آبادی یہ نہ فرما سکے کہ "کلمہ کفر" پر راضی ہونا کیسا ہے۔ ظاہر ہے وہ ایک ادیب ہیں۔ مدرسہ عالیہ کے پرنسپل اور "برہان" کے مدیر ہیں۔ اس وقت وہ منصب افتار پر فائز نہیں لہذا ایک مفتی اس قانون کے ماتحت الرّضا بالکفر کفر" کفر سے راضی ہونا کفر ہے" کا فتویٰ دے سکتا ہے جو موصوف کے لئے بھی قابل تسلیم ہوگا اور فتویٰ مفتی کا خانہ ساز نہ ہوگا بلکہ قانونِ شریعت کی روشنی میں ہوگا جس پر چراغ پا ہونے کے بجائے اپنی غلطیوں سے توبہ کرکے خدا ترسی کا ثبوت دینا چاہئے۔ مگر اس کو کیا کہئے کہ انھیں عبارات پر آئے دن مناظرہ ومجادلہ کے لئے طبل جنگ بجتا رہتا ہے ایک طرف تو جمعیۃ العلماء ہند اتحاد بین المسلمین کا نعرہ بلند کرتی ہے اور دوسری طرف ایسی ایمان سوز وکفری عبارتیں جو افتراق بین المسلمین کا باعث ہیں انھیں کو حرزِ جان بنائے ہوئے ہے گویا آسمان کی اتری ہوئی کوئی دستاویز ان کے ہاتھ آگئی ہے۔ فقہاء محدثین اور مجتہدین کی کتابوں پر نقد ونظر کی گنجائش ہے مگر حفظ الایمان، تقویۃ الایمان اور فتاویٰ رشیدیہ، یہ سب کی سب منزل من السماء ہیں جس پر تنقید وتبصرہ کرنا گویا وحی الٰہی سے اعلانِ جنگ ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ اگر علماء دیوبند و اراکین جمعیۃ العلماء ہند کے دل میں اس کا صحیح احساس ہے کہ بھارت کی آزاد فضا میں قوم مسلم چین وسکون کی زندگی گزار سکے اور احساس کمتری کے اس ہوش ربا دور میں اس کا متحدہ پلیٹ فارم اور مشترکہ نظریۂ حیات ہو تو ممبر سازی وشاخوں کے قیام سے پہلے انھیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اکابر دیوبند کے بعض ذمہ داروں سے بربنائے بشریت جو غلطیاں سرزد ہوگئیں ہیں اور آج تک وہی کتابیں اتحاد بین المسلمین کے مابین ایک ناقابلِ عبور خلیج بن کر حائل ہیں انھیں پاٹنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر جمعیۃ العلماء نے اس کے لئے کوئی قدم اٹھایا تو اسکی تاریخ کا ایک نیا باب ہوگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کام بظاہر بہت ہی حوصلہ شکن وہمت آزما ہے۔ اپنے وغیر دونوں سے جنگ کرنی پڑے گی مگر اس خدائے قدیر کی رحمتوں سے کیا بعید کہ وہ پردۂ غیب سے کچھ ایسے اسباب فراہم کردے کہ اس راہ کے نوکیلے کانٹے نرم ونازک پھول بن جائیں اور مدتوں کی بچھڑی ہوئی قوم پھر شیر وشکر ہوکر اپنی کتاب زندگی کا کوئی نیا ورق الٹ سکے۔ یہ کس قدر حیرت انگیز وتعجب خیز معاملہ ہے کہ

محض چند علماء کی خاطر کروڑوں مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہے اور آج تک اتنی بڑی اکثریت جو صدیوں حکمراں رہ چکی ہو وہ اپنا کوئی موقف نہ متعین کر سکی کیا اس سے بھی بڑھ کر قوم مسلم کی بدنصیبی کا کوئی وقت آئے گا؟

پھر علماء دیوبند کی بعض کتابوں کی ایسی عبارتیں جس پر سبھی نکتہ سنج ہیں اگر ان سے رجوع کر لیا جائے تو اس میں شرم و حجاب کے کیا معنی؟ یا انھیں اپنے حق میں باعث ننگ و عار کیوں سمجھا جائے؟ جبکہ شریعت مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کا یہ قانون محکم آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ، گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسے ہی ہے گویا اس سے گناہ ہی سرزد نہ ہوا ہو پھر یہ بھی کوئی دانشمندی ہے کہ بعض علماء دیوبند کی بعض عبارات کو بے غبار ثابت کرنے کے لئے کروڑوں مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق خطرے میں ڈال دیا جائے۔ گویا چند مردوں کی قبر پر کروڑوں مسلمانوں کو بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ اس پر طرفہ تماشا یہ کہ علمبردار اتحاد بن کر گلی کوچوں میں پھر رہے ہیں۔ اختلافات کی چھوٹی چھوٹی نالیوں کے پاٹنے سے پہلے ان بڑے بڑے دریاؤں کو پاٹیئے جہاں سے اختلافات کی ان گنت و بے شمار ندیاں بہہ رہی ہیں۔ اگر آپ لوگوں کے سینے میں قوم و ملت کا صحیح درد و احساس ہے تو بلا خوف و مة لائم اٹھئے اور وہ کر گزریئے جس سے ہندی مسلمانوں کی تاریخ ہمیشہ کے لئے آپ کی مرہون کرم ہو جائے اور اگر چند کتابوں کے ہیر پھیر میں الجھ کر اس دکھیا قوم کو مصلحت کوشی و وقت شناسی کی تلقین کرتے رہے تو آپ کے حق میں قوم مسلم ہمیشہ یہ شعر دہراتی رہے گی ؎

حق سے بہ عذر مصلحت وقت یہ جو کرے گریز
اس کو نہ پیشوا سمجھ اس پر نہ اعتماد کر

اگر قوم کا اعتماد حاصل کرنا ہے تو میلاد، فاتحہ، عرس و نیاز پر رزمگاہ مجادلہ طلب کرنے سے پہلے حفظ الایمان، تقویۃ الایمان جیسی کتابوں پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے اور اہلسنت کے جائز و صحیح مطالبے کو تسلیم کر کے دنیا پر دین کی متاع عزیز کو ترجیح دیجئے اور بھارت کے کروڑوں مسلمانوں جو محض میلاد و فاتحہ کے نام دست گریباں میں ان کے سامنے قوم و ملت کا تعمیری پروگرام رکھدیجئے۔ یہی وقت کا تقاضا ہے اور وقت کی پکار ہے۔ کاش آپ لوگوں کے

دل میں یہ احساس پیدا ہوتا اور قوم کی خاطر آپ حضرات کوئی قربانی پیش کر سکتے۔

یا للعجب! یہ کیسا دردناک سانحہ ہے کہ چند مولویوں کے علم وقلم کی لاج رکھنے کے لئے کروروں مسلمانوں کی قومی وملکی عزت وآبرو کا جنازہ بے گور وکفن پڑا ہے۔ تہذیب وادب کی بھری پوری محفل میں مدتوں سے ہٹ دھرمی وکٹ حجتی کا ننگا ناچ ہو رہا ہے۔ مگر آج تک یہ نہ ہو سکا کہ شرم وغیرت سے یہ گردنیں آستانۂ نبوت پر جھک جائیں۔ گویا مولانا تھانوی، مولانا گنگوہی اور مولانا اسمٰعیل نے جو کچھ لکھدیا وہ پتھر کی لکیر ہے۔ اے دوستو، تم کبھی ٹھنڈے دل سے سوچو کہ کیا سچ مچ تمھارا ضمیر یہ گوارا کرتا ہے کہ رسولِ خدا "چمار سے زیادہ ذلیل اور ذرۂ ناچیز سے کمتر ہیں اور محبوبِ خدا کا علم، گائے بیل اور جانوروں جیسا ہے" خدارا تم اپنے اور قومِ مسلم کے حال پر رحم کھاؤ اور قدرت کائنات کی اُس گرفت سے ڈرو جو سب سے زیادہ سخت ہے اور اس کا عذاب دردناک ہے۔ کیا تم کبھی یہ نہیں سوچتے کہ آج کی دنیا میں اگر تمہارے چہیتے کو کوئی آنکھ دکھاوے یا انگلی اٹھاوے تو تم کٹ مرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہو، اسی لئے نا کہ وہ تمہارا چہیتا و محبوب ہے! پھر تم نے یہ کیوں نہ سوچا کہ جس کو تم چمار یا گاؤں کا چودھری کہہ رہے ہو، وہ محبوبِ خدا ہے۔ کیا تم قہرِ الٰہی کو اپنے حق میں چیلنج نہیں دے رہے ہو؟ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم تو اپنے محبوب کی حمایت میں کوہِ آتش فشاں بن سکتے ہو اور غیرت خداوندی کو تمہاری دریدہ دہنی پر جنبش بھی نہ ہو سکے گی اب بھی وقت ہے کہ تعصب وتنگ نظری سے الگ تھلگ ہو کر انصاف پسندی نیک نیتی سے ان کتابوں کا مطالعہ کرو۔ اور چند علماء کے نشۂ محبت میں سرشار ہونے کے بجائے اگر ممکن ہو تو کبھی عشقِ رسول کی عینک لگا کر ان کتابوں کو دیکھو، ہو سکتا ہے توفیقِ الٰہی تمہارا ساتھ دے اور تم اپنی ہڈیوں اور بوٹیوں کو عذابِ جہنم سے محفوظ کر سکو یہ تو ہوتا چلا آیا ہے اور ہوتا ہی رہے گا ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

اور سرکار رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی بھی پوری ہو کر رہے گی کہ میری امت میں تہتر فرقے ہونگے ایک ناجی ہوگا اور باقی سب جہنمی ہوں گے اور وہ فرقہ ناجی اہلسنت

وجماعت کا ہے، جیساکہ صحابہ کے سوال پر حضور نے ارشاد فرمایا۔ (مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِی)
بات بہت دور آگئی! رسالہ الامداد کی عبارت پر فاضل اکبرآبادی کی تنقید اور مکتوبات شیخ پر مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی کے حاشیہ کی چند سطریں پیش کر رہا تھا اب اس ضمن میں اشرف السوانح حصہ اوّل صفحہ ۱۸۴ کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمایئے اور مولانا تھانوی کے بارے میں اصولی وآئینی رائے قائم کیجئے۔

"گو حضرت والا (مولانا تھانوی) کو سفر سے طبعی اعراض رہتا لیکن چونکہ اللہ تعالےٰ نے حضرت والا کو حجۃ اللہ فی الارض بنا کر دنیا میں بھیجا تھا جس کا خود حضرت والا کو بھی علم ضروری کے درجے میں احساس تھا"

نوٹ: اب ناظرین ہی انصاف کر سکتے ہیں کہ بھلا وہ شخص جو اپنے آپ کو اس روئے زمین پر اللہ کی حجت ودلیل سمجھتا ہو اور یہ احساس محض مریدین ہی کو نہ تھا بلکہ خود آں بدولت کو نہ صرف گمان وظن کے مرتبہ میں تھا بلکہ علم ضروری کے مرتبے میں حاصل تھا کہ "یقیناً میں اللہ کی حجت ودلیل" ہو کر آیا ہوں تو ایسے شخص سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنی غلطیوں سے رجوع کرے گا۔ رجوع کرنے کے یہ معنی ہوں گے گویا اللہ کی حجت و دلیل جھوٹی ہوگئی۔

یہی نخوت وغرور، پندار وجہل مرکب کی وہ مسند ہیں جس پر تھانوی صاحب بیٹھ کر اپنے مریدسے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْرَفُ عَلِی رَسُوْلُ اللّٰہِ، کا کلمہ پڑھواتے تھے۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کے
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

کے مطابق کہاں تو "وہ شوری شوری اور کہاں یہ بے نمکی" یا تو مولانا تھانوی کے اتباع سنت و پیروی اسلاف کی دھوم مچی تھی اور کہاں ہذیان وبوالفضولی کا یہ عالم کہ انا رسول و انا نبی اللہ، کی دعوت دینے لگے اور

ع " ایمان لانے والے ایمان لا رہے ہیں" کے مطابق آج تک مولانا تھانوی کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ کاش شخصیت پرستی وکورانہ تقلید کے کوڑھی مریض کبھی یہ سوچ سکتے کہ متنبی و

مسیلمہ کذاب کے پیرو کو متبع سنت کہنا کہاں تک درست ہے؟

برا ہو ایسی عصبیت اور غلو، محبت کا جو انسانوں کی آنکھ پر پٹی باندھ دے جس سے وہ حق و باطل کا امتیاز نہ کر سکے۔

اسی عنوان کی ایک دوسری کڑی ملاحظہ فرمایئے اور تھانوی صاحب کے بارے میں صحیح رائے قائم کیجئے۔

اشرف السوانح حصہ اوّل ص۱۶۱

"مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم خاص تھے ایک بار احقر سے فرمایا کہ میرا اب تک گمان تھا کہ اس صدی کے مجدد حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز تھے لیکن اب میرا یہ خیال ہے کہ ہمارے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا فیض تو خاص تھا اور زیادہ تر آپ سے علماء فیضیاب ہوئے لیکن اب میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں کو اس وقت عام نفع مولانا تھانوی سے بہت پہنچ رہا ہے اس لئے مجددیت کی شان ان میں زیادہ پائی جاتی ہے ممکن بلکہ مظنون ہے کہ حضرت رح (تھانوی) کا درجہ مجددیت سے بھی عالی ہو۔

اب یہاں سے فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی ایک مبسوط اور مفصل تنقید ملاحظہ کیجئے جو انھوں نے اشرف السوانح کے متعدد مضامین پر برہان ۵۲ء کی مختلف اشاعتوں میں کی ہے جس میں "اکملیت۔ مجددیت عدل بین الزوجین" اور مولانا تھانوی کی دوسری شادی کا قصہ خصوصیت سے قابل دید ہے۔

برہان دہلی دسمبر ۵۲ء صفحہ ۶۵

"مولانا (تھانوی) شریک تجدید ہیں مگر خود مستقل بالذات مجدد نہیں کیونکہ ایک مجدد میں جو اوصاف و کمالات موجود ہونے چاہئیں۔ اور جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے ان میں سے بعض اوصاف مولانا تھانوی میں نہیں ہیں۔"

مولانا تھانوی کی مجددیت پر فاضل دیوبند کا دوسرا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے۔

"برہان" دہلی ستمبر ۵۲ء

"جناب مؤلف (یعنی مولوی عبدالباری مؤلف جامع المجددین) نے بار بار اور بڑی تحدی کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہٗ عہد حاضر کے نہ صرف مجدد بلکہ جامع المجددین یعنی کامل مجدد تھے اور دین کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جس کی تجدید حضرت تھانوی صاحب نے نہ کی ہو۔ ہم کو اس سے اختلاف ہے۔"

حسب ذیل تنقید و تبصرہ میں فاضل دیوبند نے ایک حقیقت کی نقاب کشائی کی ہے جس سے اپنے معاملات میں حضرات دیوبند کے افراط و غلو کا پتہ چلتا ہے اور بارگاہِ نبوت میں علماء دیوبند کے جسارت و بیباکی کی نشاندہی کرتے ہوئے ایسے جذبہ ملعون پر نفرین و ملامت کی ہے۔

برہان دہلی اگست ۵۲ء صـ ۱۱۲ و ۱۱۳۔

"لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ان تمام حقائق کے برخلاف آج ہمارے مکرم مولانا عبدالباری ندوی کا دعویٰ ہے کہ "عین دین وہی ہے جو حضرت مولانا تھانوی نے فرمایا" کیا اس کے علاوہ جو کچھ ہے گمراہی اور بے دینی ہے۔"

نوٹ: علماء دیوبند کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رفتار زمانہ کے ساتھ ان کا دین و اسلام بھی بدلتا رہتا ہے۔ مولانا گنگوہی نے اپنے زمانہ میں فرمایا کہ "تقویۃ الایمان کا رکھنا اور پڑھنا عین اسلام ہے" اور کچھ دنوں بعد مولانا عبدالباری نے فرمایا کہ "عین دین وہی ہے جو حضرت مولانا تھانوی نے فرمایا" یعنی بہشتی زیور، حفظ الایمان، اب دیکھئے آیندہ کس کا قول و فعل عین اسلام قرار پاتا ہے۔ بقول فاضل اکبرآبادی کہ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ گمراہی اور بے دینی ہے۔

مولانا عبدالباری نے بڑی رعایت سے کام لیا کہ مولانا تھانوی کے علاوہ سب کو گمراہ و بے دین ہی سمجھا۔ اگر کہیں حکومت کی طرف سے کچھ اور اختیارات مل جاتے تو اپنے اور تھانوی صاحب کے علاوہ سب کو قابلِ گردن زدنی ہی قرار دیتے۔ ؎

اس بے لبسی میں ذوق بشر کا یہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

جامع المجددین صفحہ ۱۵۱ کی مندرجہ ذیل تحریر پر فاضل اکبر آبادی کی منصفانہ رائے۔

"جس طرح انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے لئے اس احسن عمل کا اکمل اسوہ ہوتے ہیں اسی نبی الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کے تھانوی مجدد کی زندگی تجدیدی درجہ میں امت محمدیہ کے لئے اسلام کی عملی تعلیمات کا ہر شعبہ میں کامل و جامع نمونہ تھی۔"

پھر اس کے بعد صفحہ ۱۷۵ پر حضرت تھانوی کی تجدیدی کرامات کے زیر عنوان فرماتے ہیں۔

یہی اصلاح و تجدیدی جامعیت ہے جو ذالک الکتاب والے دین کے جامع المجددین کی سیکڑوں کتابوں کے ہزاروں صفحات پر اصلاحی و تجدیدی صورت میں پھیلی ہوئی ہے اور جس طرح ذالک الکتاب اس دین کے پیغمبر کا سب سے بڑا معجزہ یا سب سے بڑی برہان و آیت تھی اسی کے اتباع میں اس کے تھانوی مجدد وقت کی کتابیں اپنی کمیت و کیفیت ہر اعتبار سے اسکی تجدیدی جامعیت کی سب سے بڑی کرامت ہیں۔ آج جو شخص دین اسلام کے چہرے کو پورے جمال و کمال کے ساتھ بالکل صاف و بے غبار جامع و کامل صورت میں از سر نو تجدید یافتہ اور تر و تازہ دیکھنا اور پانا چاہتا ہے وہ عہد حاضر کے جامع المجددین کی کتابی آیتوں کی طرف علماً و عملاً رجوع کر کے خود مشاہدہ کر سکتا ہے۔ عجیب بات ہے جس طرح ذالک الکتاب کا معجزہ رکھنے والے نے غیر متعلق معجزات کے مطالبہ کی نسبت یہ فرمایا کہ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ، ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ان اتبع الا ما یوحی الی۔ اسی طرح نبی کامل کے متبع کامل کے کلام میں بھی کثرت سے جابجا کشف و تصرفات سے اپنی قطعاً تبری فرمائی گئی ہے اور سارا زور بس وحی یا شریعت کے احکام و اتباع پر ہے۔

نوٹ: جامع المجددین کی مندرجہ بالا عبارت پر اگر علماء اہلسنت کی طرف سے کچھ لکھا یا کہا جاتا تو مولانا عبد الباری اور تھانوی صاحب کے متبعین یہ کہہ کر شور و غوغا مچاتے کہ دیکھو ان لوگوں کا صرف یہی ایک کام رہ گیا ہے کہ ہم لوگوں کو کتابوں کی

تغلیط و تخطیہ کرتے رہیں، لیکن اب دیکھنا ہے کہ ندوی صاحب فاضل اکبرآبادی کے مقابل مورچہ بندی میں کتنے داؤں اور پینترے استعمال کرتے ہیں اور ہار و جیت کے اکھاڑے میں کتنی کروٹیں لیتے ہیں یا محض یہ کہہ کر خاموش ہوجائیں گے ؎

خونِ دل، خونِ تمنّا، خونِ شوق
آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا

یعنی میں تو تھانوی صاحب کو جامع المجددین ثابت کر دکھاتا مگر آپ نے میری آرزوں پر پانی پھیر دیا۔ اب فاضل اکبرآبادی کی تنقید ملاحظہ فرمایئے۔

برہان دہلی اگست ۵۲ء

"آپ نے دیکھا بھلا اس جوش عقیدت کی کوئی انتہا بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن پاک کا ارشاد ہے هو الذی بعث فی الامیین رسولا۔ تو یہاں حضرت مولانا تھانوی کے لئے بھی جگہ جگہ مجدد مبعوث کا خطاب ہے، وہاں لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ۔ تو یہاں بھی لکم فی رسول اللہ اسوۃٌ حسنہ کا عکس۔ وہاں قرآن مجید آنحضرت کا معجزہ ہے تو یہاں بھی مولانا تھانوی کی کتابیں تجدیدی کرامت وہاں ذالک الکتاب۔ آیات بینات تو یہاں بھی مولانا تھانوی کی کتابوں کے مباحث "کتابی آیتیں"، عقیدت وارادت کا کتنا ہی جوش اور زور ہو آخر یہ تو سوچنا چاہئے تھا کہ آفتاب بہر حال آفتاب ہے اور ایک ذرہ کیسا ہی چمکیلا و درخشاں ہو، بہر حال ذرہ ہے۔ اس بنا پر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ "ذرہ کے صفات کو آفتاب کے صفحات پر منطبق کرنے کی کوشش کی جائے" اور ذرا عنوان بدل کر یہ باور کرایا جائے گا کہ اب آفتاب غروب ہوگیا ہے تو ذروں سے کسب ضیا کرنا چاہئے۔"

نوٹ۔ کاش اب بھی علماء دیوبند اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچتے کہ اپنے علماء کی تعریف و توصیف اور آقائے دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص میں

ان کے افراط و تفریط کا کیا عالم ہے؟ جس پر نہ صرف علماء اہلسنت ہی بلکہ ان کی درسگاہ تربیت کا ایک فاضل بھی چیخ اٹھا۔ کلکتہ کے ایک سفر میں مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ اس تنقید و تبصرہ پر بجائے غور و فکر کرنے کے تھانوی صاحب کے متبعین نے کئی سو خطوط مدیر "برہان" کے پاس بھیجے کہ اپنی تحریر واپس لے لو تم نے تو علم و ادب کی بھری محفل میں ہماری عزت و آبرو لوٹ لی۔ فاضل دیوبند ہونے کے ناطہ تمہیں کچھ تو ہماری جنبہ داری کرنی تھی؟ یہ سب کچھ ہوتا رہا مگر فاضل اکبر آبادی ڈاکٹر اقبال کے اس شعر سے اپنا دل بہلاتے رہے ؎

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

مدیر برہان کی مندرجہ ذیل تنقید مولوی عبد الباری ندوی کی اس عبارت پر ہے کہ "مولانا تھانوی اپنے کو اکمل سمجھتے تھے" یعنی حضرت فرمایا کرتے تھے۔

اپنے کو اکمل سمجھنا جائز ہے افضل سمجھنا جائز نہیں۔

صحیح فرمایا ندوی صاحب نے جس نے اپنے کو حجۃ اللہ فی الارض سمجھا ہو اگر اس نے اپنے کو اکمل جانا تو کیا غضب ڈھایا اگر وہ اکمل نہ ہوتا تو حجۃ اللہ فی الارض ہی کیوں ہوتا گویا منطقی اصول کے تحت شکل اول کے یہ دو ٹکڑے ہیں کہ مولانا تھانوی حجۃ اللہ فی الارض تھے۔ اور حجۃ اللہ فی الارض کا اکمل ہونا ضروری ہے۔ حد اوسط کو ساقط کرنے کے بعد نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ مولانا تھانوی کا اکمل ہونا ضروری ہے۔

خواہ شکل اول کے دونوں ٹکڑے محتاج دلیل ہوں یا سرتاسر غلط مگر نتیجہ تو آپ کے ہاتھ آہی جائے گا۔

آپ کی بس بقراطی پر فارابی، بوعلی سینا، علامہ فضل حق خیر آبادی بھی اپنی اپنی قبروں میں تحسین و مرحبا کہتے ہوں گے۔ ناظرین بھی خیال کرتے ہوں گے کہ میں نے کیسی تحشک بحث چھیڑ دی۔ لیجئے بقول سودا میں نے اپنی گفتگو ختم کردی ؎

سودا خدا کے واسطے قصہ مختصر ؛ اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں

اب الکلیت کے زیر عنوان مدیر برہان کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔
'برہان' دہلی مئی ۵۲ء ص ۲۹۷

"حضرت تھانوی کو اکمل سمجھنے کا یہ اثر تو اس کتاب میں عام طور پر اور جگہ جگہ نمایاں ہے کہ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں، ان (تھانوی صاحب) کی اوصاف شماری میں اس درجہ غلو اور مبالغہ کیا گیا ہے کہ ان کو صحابہ و تابعین کیا معنی انبیاء سے بھی جا ملایا ہے اور دوسری جانب چونکہ کامل دین اور جامع دین وہی ہے جو مولانا تھانوی کے ارشادات اور قول و عمل سے ظاہر ہوتا ہے، اس بنا پر ہر وہ عمل اور فعل جو کہ اس سے مختلف ہو خواہ اصل اسلامی تعلیمات کے اعتبار سے کتنا ہی صحیح اور درست ہو اسے بھی مردود قرار دیا جائے۔ چنانچہ ہندوستان کی تمام اسلامی جماعتیں، تمام اسلامی ادارے، سب علمائے کرام و مشائخ مؤلف کی بارگاہ عدالت میں مجرم و خطاکار ہیں۔ ہم آگے چل کر جہاں مجددیت پر گفتگو کریں گے بتائیں گے کہ حضرت تھانوی ارباب عزیمت و دعوت میں سے نہیں تھے، بلکہ حضرت شیخ محمد تھانوی اور دوسرے سیکڑوں اکابر و مشائخ و علماء کی طرح ارباب رخصت میں سے تھے لیکن مؤلف جامع المجددین کی جرأت و جسارت کا یہ عالم ہے کہ محض مولانا تھانوی کو اکمل مان لینے کی بنا پر علماء عزیمت اور ارباب جہاد فی سبیل اللہ پر بھی برس پڑے ہیں اور ان میں بھی کیڑے نکالنے کی کوشش کی ہے۔"

لوٹ: اس کے بعد فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبرآبادی حضرات دیوبند کی بارگاہ نبوت و رسالت میں مطلق العنانی اور ان کی رسول دشمنی سے متاثر ہو کر "شرک فی الرسالۃ" کے زیر عنوان رقمطراز ہیں جس کی حیثیت علماء دیوبند کے حق میں نسخہ فکریہ کی ہے اور علماء اہلسنت کے جائز مطالبے پر تائید و حمایت کی ہے۔

برہان دہلی فروری ۵۲ء ص ۱۰۸

شرک فی الرسالۃ — اس مقام پر ایک نہایت اہم اور ضروری نکتہ جسے اپنے مرشد

کے ساتھ غالی عقیدت وارادت رکھنے والے مرید اکثر بھول جاتے ہیں۔ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک ماننا شرک فی اللہ اور کفر ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات نبوت میں کسی کو شریک جاننا شرک فی الرسالۃ اور عظیم ترین معصیت ہے۔"

گھائل تری نظر کا بنوع دگر ہر ایک
زخمی کچھ ایک بندہ درگاہ ہی نہیں

لوٹ :- مدیر برہان کی اس صاف اور واضح تحریر کے بعد رسالہ الامداد میں لا الٰہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ والی عبارت کو پھر ذہن میں تازہ کرلیجئے اور اس پر مولانا تھانوی کی رضامندی کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں چونکہ میں متبع سنت ہوں اور تمہیں مجھ سے غایت درجے کی محبت ہے لہٰذا پڑھو اور خوب جی بھر کر پڑھو گویا کھلے بند مولانا تھانوی نے اپنی نبوت ورسالت کا اقرار کیا۔ اس کا نام "شرک فی الرسالۃ" نہیں بلکہ دعوئ نبوت ہے۔ اب علمار اہلسنت سے نہ پوچھئے بلکہ فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی سے دریافت کیجئے کہ ایسے شخص کے لئے قانونِ شریعت کا کیا حکم ہے؟

اس بات کو تقریباً ہر مسلمان جانتا ہے کہ جس طرح کسی نبی کی نبوت کا انکار کفر ہے ایسے ہی غیر نبی کی نبوت کا اقرار بھی کفر ہے اور کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔ یہ شریعت کی ایک کھلی ہوئی روشن دلیل ہے نہ تو فلسفہ کا کوئی عقدۂ لاینحل ہے اور نہ ہی منطقی ایچ پیچ کی بھول بھلیاں جس میں بال کی کھال نکالی جائے یا بات کا بتنگڑ کیا جائے۔ اسی ضمن میں تھانہ بھون کے ایک دوسرے پیر پرست کی بڑ اور ہذیان ملاحظہ فرمایئے جو پیر پرستی کی بحرانی کیفیت میں علی العموم ایسے ہی آئیں بائیں شائیں ہانکا کرتا ہے۔

رسالہ "الاحسان" جلد ۲ شمارہ ماہ محرم الحرام ۱۳۷۵ھ ستمبر ۱۹۵۵ء ص ۴

"دوسرے آپ (مولانا تھانوی) نے اپنے نائبین کی ایک جماعت چھوڑی کہ اہل زمانہ اپنے نئے نئے واقعات اور جدید حالات میں ان حضرات

سے فیضیاب ہو سکیں۔ نیز اس لئے کہ یہ حضرات طالبین کی ضروریات اور حالات کے مطابق راہِ حق کی طرف ان کی رہنمائی فرماتے رہیں اور اس طرح آپ کے بعد بھی آپ کا فیض باقی رہے منجملہ انھیں حضرات کے مرشدی و مولائی محی السنۃ والاخلاق ماحی البدعت والنفاق حضرت مولانا شاہ محمد وصی اللہ صاحب دامت برکاتہم و فیوضہم بھی ہیں آپ کی جامعیت اور کمال کے بارے میں اپنا خیال تو یہ ہے۔

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

— یا —

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اسی کا نام ہے "شرک فی الرسالۃ"

نوٹ:۔ یعنی جس طرح آدم سے مسیح علیہ السلام تک جتنے بھی انبیاء و رسل آئے وہ علٰحدہ علٰحدہ اوصاف و کمالات کے حامل تھے مگر رسول کائنات خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم میں وہ تمام فضائل و کمالات مجموعی حیثیت سے پائے جاتے تھے! ایسے ہی معاذ اللہ ثم معاذ اللہ شاہ وصی اللہ صاحب خلیفہ مولانا تھانوی بھی انبیاء و رسل کے کمالات کے جامع ہیں۔

پنبہ کجا کجا نہم تن ہمہ داغ داغ شد

مدیر الاحسان نے اپنی اس ناپاک و ناروا عبارت میں دو دعوے کئے ہیں۔

(۱) گویا شاہ وصی اللہ ایسے ہی جامع کمالات نبوت ہیں جس طرح سرکار رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

"اس میں رسول کائنات کے ساتھ ہمسری و برابری کا دعویٰ ہے"

(۲) حضرت یوسف۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت عیسیٰ علیہم السلام میں جو کمالات انفرادی

طور پر تھے وہ مجموعی طور پر شاہ وصی اللہ میں ہیں۔

"اس میں ان جلیل القدر انبیاء ورسل کی توہین ہے جو موجب کفر ہے۔"

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

اگر کوئی سر پھرا انبیاء ورسل کی عظمت وتقدیس کو نہ مانے تو اس میں ان کا کیا بگڑ جائے گا۔ البتہ اس خبط الحواس کو ایمان کے لالے پڑ جائیں گے اور سچ تو یہ ہے اگر صاحبِ ایمان ہوتا تو ایسا لکھتا ہی کیوں؟

اور مجھے تو تعجب ہے جناب شاہ وصی اللہ صاحب پر یہ سب دیکھ سن کر خاموش رہے اور کوئی توبہ نامہ تک نہ شائع کرایا۔ اگر ایسے ہی شاہ صاحبان کو محی السنۃ اور ماحی بدعت کا ٹائیٹل دیا جائے گا تو گمراہ و بدعتی کن کو کہا جائے گا؟ اپنے بجاری کی والہانہ عقیدت دیکھ کر شاہ صاحب بھی پھولے نہ سمائے ہوں گے اور دل ہی دل میں خیال کیا ہوگا۔ اگر ایسے ہی دس پانچ اور مل گئے تب تو تعویذ وگنڈے کی مارکیٹ گرم ہی ہو جائے گا۔ انھیں شاہ صاحبان کو دیکھ کر ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے۔

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کے بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذر و دلقِ اویس وچادر زہرا

اب سے پہلے تو آپ حضرات نے مولانا گنگوہی اور مولانا نانوتوی کے معاشقہ کی سرگزشت ملاحظہ فرمائی ہے۔ اب مولانا تھانوی کی عبرت انگیز ونصیحت آموز شادی کا حال سنئے جو انھوں نے آخری عمر میں کسی کمسن لڑکی سے کی تھی۔ جس شادی کو مولانا تھانوی نے تقرب الی اللہ اور حصول درجات کا ذریعہ قرار دیا ہے یعنی چلّہ ومجاہدات سے جو باتیں انہیں حاصل نہ ہوئی تھیں بیگم صاحب کے آتے ہی وہ تمام مراتب انھیں حاصل ہو گئے۔ ایسی ہی فیض بخش و عزت مآب شادی پر فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبرآبادی کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔

برہان دہلی ۵۲ء ص ۱۰۵ بحوالہ "جامع المجددین" ص ۴۲۶

محبت اثر کرتی ہے چپکے چپکے ؛ محبت کی خاموش چنگاریاں ہیں

"مولانا تھانوی جیسا کہ خود فرماتے ہیں، دوسرا نکاح محبت دلی کے اقتضاء سے کرتے ہیں، لیکن شہرت و وجاہت خانگی چپقلش کی وجہ اور برادری میں چہ میگوئیوں کی وجہ سے اس واقعہ کے سبب مولانا تھانوی کو جو ضغطۂ دماغی (complex) پیش آگیا ہے اس کی وجہ سے اپنے فعل کی تاویل و توجیہہ میں عجیب عجیب باتیں کہتے ہیں۔ حالانکہ سیدھی بات یہ تھی کہ میں نے عقد ثانی کیا اور یہ شرع میں ناجائز نہیں ہے۔ بس بات ختم ہو جاتی۔ لیکن مولانا (تھانوی) کبھی تو فرماتے ہیں کہ بے ساختہ ذہن میں آیا کہ بہت سے درجات موقوف ہیں سقوط جاہ و بدنامی پر جن سے تو اب تک محروم ہے، پس اس واقعہ (یعنی شادی) میں حکمت یہ ہے کہ تو بدنام ہوگا، اور حق تعالیٰ درجات عطا فرمائیں گے۔ کبھی مولانا تھانوی فرماتے ہیں، ایک مصلحت یہ بھی ظاہر ہوئی کہ اس سے پہلے موت کی محبوبیت کی دولت نصیب نہ تھی۔ الحمد للہ کہ اس واقعہ (شادی) سے یہ دولت بھی نصیب ہوگئی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ مجھ کو ثواب آخرت سے طبعاً کم دلچسپی تھی، اب معلوم ہوا کہ یہ ایک قسم کی کمی اور استغنا تھی، الحمد للہ کہ اس کمی کا تدارک ہوگیا۔ اس کے بعد مولانا تھانوی کا ارشاد ہے کہ حلم و تحمل کا ذوق نہ تھا۔ خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ یہ کام بھی (بعد شادی) پورا ہوگیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مصلحتیں لکھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ "مولانا تھانوی نے نکاح ثانی کیا گیا" سلوک و معرفت اور طریقت و حقیقت کی صبر آزما منزلیں بیک جنبش قدم طے کرلی ہیں جو ملکات و فضائل اور کمالات روحانی و باطنی سالہا سال کے بعد مجاہدہ اور ریاضت شاقہ کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتے وہ عقد ثانی کرتے ہی فوراً مولانا (تھانوی) کو حاصل ہوگئے۔"

برہان دہلی فروری ۵۲ء ص ۱۰۶

"غور کیجئے فطرت انسانی کی یہ کتنی بڑی اخلاقی کمزوری ہے کہ ایک شخص کوئی کام محض لذت نفس اور حظ جسمانی کے لئے کرتا ہے لیکن اپنے عقیدتمندوں

میں اپنا وقار قائم رکھنے کے لئے اس کو کمالات وملکات روحانی و باطنی کے حصول کا ذریعہ قرار دیتا ہے ۔ خیر یہ سب کچھ تو تھا ہی اس سے بڑھ کر غضب یہ ہے کہ مولانا تھانوی حضرت زینب کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا واقعہ بیان فرماکر اپنے فعل کو سنت کا اضطراری اتباع قرار دیتے ہیں اور دو واقعوں میں سات وجوہ مشابہت ومماثلت کا پتہ دیتے ہیں حالانکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ کہاں ایک پیغمبر جسکی ہر قوت وطاقت بدرجہ کمال اور غیر معمولی ہوتی ہے اور کہاں ایک وہ شخص جس کے لئے ایک بیوی بھی زائد از ضرورت ہو۔

جس طرح مولانا تھانوی کی عادت خوردہ گیری اور ایک معمولی سی بات میں تشقیقات اور احتمالات کی بھرمار کردینے کی تھی اسی طرح اگر کوئی شخص نکتہ چینی پر آجائے تو مولانا تھانوی کی مذکورہ بالا مصلحتوں اور حکمتوں کو بآسانی مجروح کرسکتا ہے مثلاً وہ کہہ سکتا ہے۔

(۱) بدنامی حاصل کرنا محمود نہیں مذموم ہے۔ حدیث میں ہے کہ تہمت کی جگہوں سے بچو

(۲) موت کی محبوبیت بے شک مستحسن ہے مگر لقائے رب کے لئے یا جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے اس کے برخلاف دنیا سے گھبرا کر موت طلب کرنا بزدلی اور نامردی ہے جو اسلام میں مذموم و قبیح ہے۔

(۳) ثواب آخرت سے جتنی کم دلچسپی ہو اسی قدر اچھا ہے تاکہ عبادت بالکل بے غرض و بے لوث ہو۔

(۴) حلم و تحمل وہی محمود ہے جو طاقت و قوت کے ساتھ ہو، بیچارگی کے عالم میں غصہ پی جانا حلم نہیں کہلاتا۔

(۵) واقعۂ نبوت میں اور اس واقعہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح آسمان پر ہوا اور یہ زمین پر، آنحضرت نے حضرت زینب کا نکاح حضرت زید سے کیا تھا جو آپ کے عزیز قریب نہ تھے۔ مولانا (تھانوی) نے اپنی منکوحہ کا نکاح اپنے بھانجے سے کیا۔ حضرت زینب بیوہ

نہیں ہوئی تھیں بلکہ حضرت زید کی مطلقہ تھیں۔ (ص۱۰۱) مولانا کی بیوی مولانا کے ساتھ عقد سے قبل بیوہ ہوگئی تھیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاقِ رجعیہ دی تھی اور مولانا تھانوی نے خود اس بیوی کو طلاق رجعیہ دی جن کا یہ معاملہ تھا۔ پھر ایک شخص یہ بھی سوال کر سکتا ہے کہ مولانا تھانوی جس کو سنّت کا اضطراری اتباع فرماتے ہیں۔ یہ آخر اعمالِ مندوبہ و مستحبہ کی کون سی قسم ہے؟ اور کیا شریعت میں اس کی کوئی اہمیت ہے؟۔

نوٹ: ؎ بات سیدھی کوئی صاحب کی نظر میں نہیں آتی
آپ کی پوشاک کو کپڑا ابھی آڑا چاہیئے

ناظرین نے ملاحظہ فرمالیا کہ "شادی" کے ایک واقعہ پر مولانا تھانوی نے کتنے پینترے بدلے اور کیسے کیسے بل کھائے۔ مریدین و معتقدین پر رنگ جمانے اور زہد و تقدس کا رعب گانٹھنے کے لئے کتنے شوشے پیدا کئے مگر فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے سارا بھرم کھول دیا۔

ناظرین خود بھی خیال فرمائیں کہ مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ شادی سے پہلے مجھے موت محبوب و پسندیدہ نہ تھی مگر بعدِ شادی مرے قلب و جگر میں موت کی محبوبیت سماگئی۔ کیوں نہ ہو جبکہ شادی ہی کے لئے زندہ تھے تو موت سے کیونکر پیار ہو سکتا تھا۔ موت سے پیار تو بعدِ شادی ہونا ہی چاہیئے تھا ؎

جب تک ملے نہ تھے تو جدائی کا تھا ملال
اب یہ ملال ہے کہ تمنّا نکل گئی!

کتنے پتے کی بات کہی ہے فاضل اکبر آبادی نے کہ "موت کی محبوبیت بے شک مستحسن ہے مگر لقائے رب کے لئے یا جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے اسکے برخلاف دنیا سے گھبرا کر موت طلب کرنا بزدلی و نامرادی ہے جو اسلام میں مذموم و قبیح ہے"

مدیر برہان کے مندرجہ بالا ٹکڑوں سے مولانا تھانوی اور ان کی بیگم صاحبہ کی نا اتفاقی و خانہ جنگی و باہمی چپقلش کا پتہ چلتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا تھانوی کی زندگی دوبھر

ہوگئی تھی۔ اب موت کی دہائی دینے کے سوا چارہ کار ہی کیا تھا۔ بقولِ مرزا غالب ؎

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

جب تک مولانا تھانوی نے شادی نہ کی تھی اس وقت تو چپکے چپکے یہ شعر گنگناتے رہے ؎

دمِ نزع چلی آؤ خدا را!
میں اپنی موت کو بھی ٹال دونگا

کیا تعجب کہ تسبیح کے دانوں پر بھی یہی شعر رہا ہو۔ مگر شادی ہوتے ہی پتہ چل گیا کہ ایسی زندگی سے بہتر موت ہے۔ دماغ بدل گیا۔ طبیعت بدل گئی۔ شادی کا سارا نشہ ہرن ہوگیا۔ "یا حسرتاہ واحسرتاہ" کے نالۂ شبگیر نے راز افشاں کر دیا۔ اب تو مولانا تھانوی یہ فرمانے لگے کہ۔

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ
اے اسیرانِ چمن میں تو گرفتاروں میں ہوں

ایسے ہی مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ شادی سے پہلے مجھے حلم و تحمل محمود و پسندیدہ نہ تھا لیکن بعد شادی مزاج میں تحمل و بردباری کی صلاحیت پیدا ہوگئی۔ فاضلِ دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے بات بہت ہی صاف و عریاں کہدی کہ وہ حلم و تحمل وہی محمود ہے جو طاقت کے ساتھ ہو، بے چارگی کے عالم میں غصہ پی جانا حلم نہیں کہلاتا" یعنی جب تک مریدوں اور شاگردوں سے سابقہ رہا اس وقت تک تو مولانا تھانوی پر حلم و تحمل کی پرچھائیں نہ پڑ سکی وہ کبھی خیال میں بھی نہ لا سکے کہ تحمل و بردباری کس چڑیا کا نام ہے؟ سب کو بات بات پر ڈانٹتے ڈپٹتے رہے۔ چنانچہ خود الہ آباد کے ایک صاحب تھانہ بھون کی خانقاہ گئے۔ دورانِ قیام میں ایک دن کسی بات پر آنجناب نے مولانا تھانوی کو ٹوک دیا۔ بس اتنی سی بات پر تھانوی صاحب کے قہر و جلال کا کوہِ آتش فشاں پھٹ پڑا اور فرمایا کہ ابھی اس کم بخت کو میری خانقاہ سے باہر کر دو۔ یہ مجھ سے سیکھنے آیا ہے یا میری اصلاح کرنے آیا ہے؟ متوسلین کے ساتھ تو تھانوی صاحب کی ڈانٹ ڈپٹ کا یہ عالم تھا مگر شادی کے ہوتے ہی جب نیا سابقہ گلے پڑ گیا تو بھیگی

بلی بن کر حلم و تحمل کی راہ اختیار کی۔ یہ تو فرمانہ سکے کہ اس بارگاہِ عالی میں دم مارنے کی مجال نہیں، یہاں تو "ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم" پر عمل کرنا پڑتا ہے، جو کچھ بھی زبان فیض ترجمان سے نکل جائے۔ "اٰمنّا" کہنے کے سوا مجالِ انکار نہیں۔ اسی کو اکبر الہ آبادی نے اپنے انداز میں اس طرح کہا ہے ؎

اکبر کبھی ڈرے نہیں دشمن کی فوج سے
لیکن اگر ڈرے ہیں تو بیوی کی نوج سے

چنانچہ خود فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی مولانا تھانوی کی بد خلقی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق مبارک یہ تھا کہ خود بھوکے رہتے اور مہمان کی خاطر تواضع کرتے تھے۔ اس کا کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے لیکن ہمارے مولانا تھانوی کا یہ حال ہے کہ "مہمانی بند" اور اگر کسی مہمان نے ازراہِ مروت کھانے میں اپنے ساتھ کسی کو شریک کرلیا ہے تو بس اس کی شامت ہی آگئی ہے۔ رات کے وقت دیوان خانہ میں اگر ٹھہر گیا ہے تو شکنجہ میں کس دیا گیا ہے۔"

چنانچہ فاضل دیوبند ایک مقام پر خود اپنی آپ بیتی کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔ برہان دسمبر ۱۹۵۲ء ص ۳۶۶

"مولانا (تھانوی) کی تشدد پسندی اور درشت مزاجی کی جو روایات برابر سننے میں آتی رہتی تھیں ان کا اثر یہ ہوا کہ قیام دیوبند کے زمانہ میں بارہا جی چاہنے کے باوجود مولانا کی خدمت میں حاضری کی جرأت کبھی نہیں ہوئی جامع المجددین میں اسی طرح کے واقعات نظر سے گزرے تھے یہ اثر اور قوی ہوگیا۔"

مولانا تھانوی کی سنگدلی و درشت مزاجی کا واقعہ سن کر مجھے محترمی عالیجناب حکیم سید قمر الاسلام صاحب دہلوی مقیم حال بمبئی کے مطب کی ایک ادبی نشست یاد آگئی جس میں مولانا ابوالوفا صاحب فصیحی مولانا عبدالقیوم صاحب علی گڑھی۔ مولانا زاہد القادری مفتی آستانہ

حکیم نجم الہدیٰ صاحب گیاوی سبھی شریک تھے اور مجلس کا ہر شخص اپنے پسندیدہ اشعار سنا رہا تھا۔ قمر میاں کا ایک شعر آپ کی ضیافت طبع کے لئے حاضر ہے ؂

میں سرتاپا صعوبت کش مگر اک دل ہی نازک ہے
وہ سر سے پاؤں تک نازک مگر اک دل ہی پتھر ہے

نوٹ: تھانہ بھون کے خانہ ساز مجدد کی بد خلقی و درشت مزاجی وتشدد پسندی کا حال فاضل دیوبند کی زبانی آپ نے سن لیا۔ جس سے تھانوی ڈھول کے پول کا صحیح اندازہ ہو گیا ہوگا اور یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ مریدین نے تھانوی صاحب کو اچھالنے میں کیسے کیسے غلط پروپیگنڈوں کو آلۂ کار بنایا ہے۔

اب جامع المجددین کی حسب ذیل عبارت پر فاضل اکبرآبادی کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) تھانوی صاحب سے متعلق مولوی عبد الباری صاحب ندوی تحریر فرماتے ہیں کہ "علم و عمل میں حدود کی رعایت اس درجہ تھی کہ لوازم بشریت کے ساتھ اس سے زائد کا تصور دشوار ہے"۔

(۲) اس عدل کے اہتمام کی انتہا یہ تھی کہ ایک "بیوی" کی باری میں دوسری بیوی کا خیال لانا بھی (تھانوی صاحب خلاف عدل خیال فرماتے کہ جس کی باری ہے اس کی طرف توجہ میں کمی ہوگی جو حق تلفی ہے"۔

برہان دہلی۔ مارچ ۵۲ء از ص۱۶۷ تا ص۱۷۶

"حضرت تھانوی صاحب اپنی دو بیگمات کے درمیان جو عدل قائم رکھتے تھے وہ ایک امر واقع ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ اپنے بعض فضائل وخصائص کی طرح وہ اس میں بھی بہت ممتاز تھے لیکن جناب مؤلف نے اس کو جس آب و تاب کے ساتھ بیان کیا ہے اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ فلسفہ کا ایک استاذ سابق تو درکنار کوئی معمولی درجہ کی سمجھ رکھنے والا بھی ایسی بات کہہ سکتا ہے؟ اس کے بعد مولانا تھانوی کا ایک واقعہ لکھ کر دوسروں پر چھینٹے اڑانے اور کچوکے لگانے کی جو خو مؤلف نے پیدا کرلی ہے اس کے مطابق فرماتے ہیں "بھلا یہاں تک

ذہن بھی کس کا جا سکتا ہے سوائے اس کے جو اپنے قلب کی ہر جنبش کی نگرانی کرتا اور ہر وقت اپنے کو حق تعالےٰ کے حضور میں پاتا اور اس کو حاضر و ناظر جانتا ہو"

غور کیجئے۔ جناب مولف نے حضرت تھانوی کے انتہائی عدل بین الزوجین کی جو کیفیت بیان کی ہے وہ عقلی و منطقی اور نفسیاتی طور پر کس قدر غلط اور بے معنی ہیں اور ساتھ ہی اس سے کس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تنقیص ہوتی ہے۔

عقلی اور نفسیاتی طور پر اس کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انسانی خیال پر کبھی روک ٹوک نہیں لگائی جا سکتی اس پر ہرگز پہرہ نہیں بٹھایا جا سکتا۔ یعنی آپ کسی خیال کی نسبت لاکھ عہد کریں کہ اسے اپنے دل یا دماغ میں گھسنے ہی نہ دیں گے آپ اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

(چند سطر بعد)

عربی کا ایک شاعر کہتا ہے ؎

ذکرتك والخطي يخطر بيننا
وقد نهلت منا المثقفة السمر

(ترجمہ) "پیاری میں نے تجھ کو اس وقت بھی یاد کیا جبکہ گندمی رنگ کے تیز دھار والے خطی نیزے (میدان جنگ میں) ہمارے خون سے اپنی پیاس بجھا رہے تھے اور کھٹا کھٹ چل رہے تھے۔"

اس خیال کے آنے میں نہ میلوں اور کوسوں کی بعد مسافت حائل ہوتی ہے اور نہ زندان و محن کی آہنی اور اونچی دیواریں۔

(شعر) خیال لام السلسبیل و دونها
مسیرة شهر للبرید المذبذب

(ترجمہ) میری محبوبہ ام سلسبیل کا خیال میرے پاس آتا ہے حالانکہ میرے اور اس کے درمیان میں ایک تیز رفتار قاصد کی ایک مہینہ کی مسافت ہے۔"

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے۔

عجبت لمسراها وانی تخلصت
الیّ وباب السجن دونی مغلق

(ترجمہ) "میری محبوبہ کا خیال معلوم نہیں کس طرح میرے پاس چلا آیا جبکہ قید خانہ کا دروازہ میرے اوپر بند تھا۔

اس بنا پر مؤلف کا یہ دعویٰ کہ حضرت تھانوی ایک بیوی کی باری میں دوسری بیوی کا خیال لانا بھی خلافِ عدل سمجھتے تھے سرتاسر غلط اور بے بنیاد ہے جیسا کہ ہم نے ابھی اشارہ کیا! جناب مؤلف کے خیال میں غالباً حضرت مولانا تھانوی کے فضل وکمال کا اعتراف اس وقت ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ ایک نہایت معصومانہ انداز میں دوسرے حضرات پر فقرے نہ کسے جائیں اور ان پر طنز وتعریض نہ کی جائے لیکن نہایت افسوس اور بڑے شرم کی بات ہے کہ اس موقع پر وہ "حبك الشيء يعمي ويصم" (لبسا اوقات کسی شی کی محبت انسان کو اندھا وبہرا بنا دیتی ہے) کے مطابق اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کر بیٹھے ہیں تاریخ وسیر اور احادیث کی کتابوں میں صاف طور پر مذکور ہے کہ حضرت سرور کونین کو حضرت خدیجہ سے اتنی محبت تھی کہ آپ دوسری بیویوں کی باری کے دنوں میں حضرت خدیجہ کا ذکر سوز وگداز کے ساتھ اس طرح فرمایا کرتے تھے کہ ازواجِ مطہرات کو بعض اوقات ناگواری تک ہو جاتی تھی۔ حضرت خدیجہ کے بعد آپ کو حضرت عائشہ سے محبّت تھی اور حضرت عائشہ بھی اسے جانتی تھیں لیکن اسکے باوجود فرماتی ہیں کہ میں نے خدیجہ کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا اسکی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے اس پر اپنی آزردگی کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا خدا نے مجھ کو ان کی محبّت دی ہے۔ (صحیح مسلم فضائل خدیجہ)

غور کیجئے مولانا تھانوی کے نزدیک تو دوسری بیوی کا خیال لانا بھی خلافِ عدل

ہے لیکن یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف خیال ہی نہیں لاتے بلکہ ذکر بھی فرماتے ہیں اور ذکر بھی ایک دو دفعہ نہیں۔ بھول چوک سے نہیں بلکہ ہمیشہ عمدًا اور قصدًا۔

(چند سطر بعد)

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ سے بہت محبت تھی۔ تاریخ وسیر کی کتابوں میں کثرت سے واقعات مذکور ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اس محبت کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ مرض الوفات میں آپ کسی دوسری بیوی کے گھر میں مقیم تھے کہ دریافت فرمایا کل میں کس کے گھر میں رہوں گا۔ ازواجِ مطہرات منشائے مبارک سمجھ گئیں۔ سب نے کہا آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں۔ وقت آگیا تھا کہ یہ خاکدان عالم آفتاب نبوت کے جسد عنصری سے محروم ہو جائے اس لئے ضعف اس درجہ ہو گیا تھا کہ خود چل نہیں سکتے تھے۔ حضرت علی اور حضرت عباس دونوں بازو تھام کر حضرت عائشہ کے حجرہ میں لائے اور بالآخر یہاں ایک ہفتہ قیام فرمانے کے بعد رفیق اعلیٰ سے جاملے۔

غور کرو کتنا نازک مقام ہے۔ سید کونین کے اس دنیا سے رحلت کا وقت آگیا ہے ایسے موقع پر ہر رفیقۂ حیات کی طبعی طور پر خواہش ہو سکتی تھی کہ آپ کی وفات انھیں کے حجرہ میں ہو تاکہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ کسب سعادت کا شرف حاصل ہو اور پھر دوسری بیویوں کا دن بھی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت عائشہ کے ساتھ غیر معمولی محبت کی وجہ سے اس وقت جو آرزو ہے آپ اس کو پوشیدہ نہیں رکھتے لیکن غایت خلق وکرم کے باعث زبان اشارہ سے اس کا اظہار فرماتے ہیں۔ (چند سطر بعد)

غور کرو ان سب واقعات سے کیا ثابت ہوتا ہے! یہی ناکہ دل میں خیال کالانا کجا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیوی کی باری میں دوسری حرم محترم کا ذکر تک کرتے تھے اور ان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار بھی فرماتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ اس سے دوسری بیویوں کو "اذا

رضیت احد اھما سخطت الاخریٰ" کے مطابق طبعی طور پر ناگواری ہوئی ہے لیکن عدل انھیں چیزوں میں ہوسکتا ہے جو انسان کے خود اپنے اختیار میں ہو اور محبت چونکہ غیر اختیاری چیز ہے۔ ع

جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

اس لئے اس بنا پر اس میں عدل کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا، تاہم کمالِ عبدیت کا تقاضہ یہ تھا کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات میں عدل فرماتے تھے اور ساتھ ہی دعا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ ھٰذہٖ قسمتی فیما املك فلا تلمنی فیما تملك ولا املك	اے اللہ یہ میری تقسیم ان چیزوں میں ہے جن کا میں مالک ہوں پس تو مجھ کو ملامت نہ کر ان چیزوں میں جن کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں۔

اب اس کے مقابل مولوی عبد الباری صاحب مؤلف جامع المجددین کا بیان پڑھئے کہ مولانا تھانوی ایک بیوی کی باری میں دوسری بیوی کا خیال لانا خلاف عدل سمجھتے تھے اور بتایئے کہ العیاذ باللہ کیا اس جملہ کا حاصل یہ نہیں ہے کہ اس معاملہ میں مولانا تھانوی کا مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اونچا ہے کہ جو کام آپ یعنی سرورِ کونین) نہ کرسکے وہ مولانا (تھانوی) نے کرکے دکھایا۔ پھر مولانا عبد الباری ندوی نے مذکورہ بالا جملہ کے بعد جو یہ لکھا ہے کہ "بھلا یہاں تک ذہن بھی کس کا جاسکتا ہے۔ تو اس کی زد کس پر پڑتی ہے"۔

'برہان'، دہلی مئی ۱۹۵۲ء ص ۲۹۶

"ممکن ہے بعض قارئین کو یہ خیال ہو کہ ایک ذرا سا فقرہ اور اس پر یہ طویل گفتگو "چھوٹی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا" لیکن اصل یہ ہے کہ تمام گمراہیوں کا سرچشمہ اپنے کو اکمل سمجھنا ہی ہے اس سے پہلے شخصیت پرستی پیدا ہوتی ہے اور یہ آگے چل کر اوتار یا دیوتا یا الوہیت کے عقیدے کی شکل اختیار کر لیتی ہے"

برہان، دہلی۔ فروری ۱۹۵۲ء ص ۱۱۰

" یہ عقیدت مفرط اچھے اچھے علماء کو بھی بسا اوقات کس طرح افراط و تفریط میں مبتلا کر کے بارگاہِ رسالت میں بالواسطہ گستاخی کا سبب بنتی ہے۔"

برہان، دہلی مارچ ۱۹۵۲ء صـ ۱۷۶

" ایک بلند پایہ بزرگ کو صرف اسکے اس مرتبہ و مقام تک محدود دیکھنے کا جذبہ ہو اسکے برخلاف اگر پہلے سے مان لیا گیا ہے کہ اس بزرگ کو جامع المجددین ہی ثابت کرنا ہے تو پھر ظاہر ہے کہ جو بھی بے اعتدالی ہو اور اس بے اعتدالی کی زد میں اکابر مشائخ علماء کا کیا ذکر پیغمبر اور پیغمبر کے ساتھی بھی آجائیں تو ذرا مستبعد نہیں۔

اے کاش لائق مصنف کو معلوم ہوتا کہ کم بخت شیطان کے راہ مارنے کے طریقے ایک نہیں ہزاروں ہیں کہیں یہ بدی کے راستے پر لگا کر انسان کو خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق بناتا ہے اور کبھی نیکی میں غلو پیدا کر کے اس راہ سے بے راہ کر دیتا ہے۔"

لوٹ:۔ اگر علماء اہلسنت کی طرف سے یہ آواز اٹھائی جاتی کہ مولف جامع المجددین مولوی عبد الباری ندوی نے توہین رسالت کر کے اپنی دنیا و آخرت برباد کی تو اب تک ایک قیامت برپا ہو گئی ہوتی۔ تھانہ بھون سے نجد تک کہرام مچ گیا ہوتا مگر فاضل اکبر آبادی کی تنقید و تبصرہ پر ساری دیوبندیت دم بخود ہو کر سسک رہی ہے! تھانہ بھون کا ہر پجاری سر بگریباں ہے مگر توفیق توبہ نصیب نہیں ہو رہی ہے۔ جب پیر و مرشد ہی بغیر توبہ چل بسے تو اِن غریب پجاریوں کو توبہ کی پونجی کہاں سے ہاتھ آئے؟ اسی کو کہتے ہیں خدائی مار۔ کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ اللہ کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔ اب تک تو حضرات دیوبند یہ کہہ کر راہ فرار اختیار کرتے تھے کہ ہماری کتابوں سے علماء بریلی و علماء بدایوں کو للٰہی بغض ہو گیا ہے؟

اب فرمائیں کہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے لئے کیا فتویٰ ہے؟

ناظرین نے اچھی طرح محسوس کر لیا ہوگا کہ جامع المجددین میں جا بجا سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص و توہین کی گئی ہے اور مولانا تھانوی کو مرتبہ نبوت سے بھی بڑھانے کی کوشش کی گئی ہے ''یہی ہے دیوبندی مشن کا مطمح نگاہ اور کعبۂ مقصود کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا جیسا البشر۔ ذرۂ ناچیز سے کمتر، چمار سے زیادہ ذلیل، گاؤں کا چودھری، بڑا بھیا، مرکر مٹی میں ملنے والا۔ حشر میں اپنے انجام سے بے خبر، کی تبلیغ کرو اور جب مولانا تھانوی کی باری آئے تو سر منڈا کے، پائجامہ چڑھا کے، گلے پھاڑ پھاڑ کر، خوب اچک اچک کر یہ کہنا کہ وہ اکمل تھے، حجۃ اللہ فی الارض تھے، مجدد اعظم تھے۔ ان کے پاؤں کو دھو کر پینا نجاتِ اخروی کا سبب ہے اور کیا کہنا ہے ہمارے مجدد اعظم کا کہ انھوں نے عدل بین الزوجتین کے معاملہ میں وہ کر دکھایا جس کو رسولِ خدا بھی نہ کر سکے یہی وجہ ہے کہ اب ہم دیوبندی محمد رسول اللہ کے بجائے اشرف علی رسول اللہ کا کلمہ پڑھنے لگے۔

اب ہم دیوبندیوں کو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ضرورت نہیں ہے جو خود اپنی بیٹی کے کام نہ آسکیں گے اور انھیں یہ بھی نہیں معلوم کہ قیامت میں ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا اب ہم لوگوں کے لئے تو حضرت تھانوی بہت کافی ہیں ان کا پاؤں نہ مل سکے گا تو ان کی قبر ہی دھو کر پی لیا کریں گے جو ہماری نجات کا باعث ہوگا۔

کاش اب بھی حضراتِ دیوبند سوچتے کہ اسی پیر پرستی اور مریدوں کی بیجا نیازمندی نے مولانا تھانوی کا دماغ اتنا اونچا کر دیا تھا کہ لا الٰہ الا اللہ، اشرف علی رسول اللہ، پڑھواتے اور اس پر اپنی رضامندی کی مہر ثبت کرتے اور دیوبندی مکتبۂ فکر کا یہ عالم کہ آج تک وہ الامداد کی اس عبارت کو جزو ایمان بنائے ہے اور سیف یمانی میں مولانا منظور نعمانی نے اس عبارت کی توجیہہ و تاویل پر وہ گل کھلائے ہیں کہ انھیں بھی دیکھ کر اب شرم آتی ہوگی مگر یہ نہ ہو سکا کہ تقویۃ الایمان ہی کی روشنی میں یہ کہہ دیتے کہ چونکہ اس کا ظاہر درست نہیں لہٰذا اس کو خارج کر کے توبہ کرنی چاہئے۔

خدا جانے کیا ہو گیا ہے علماء دیوبند کو کہ توبہ کا نام سنتے ہی انھیں بخار آجاتا ہے۔ کوئی کریلا اور گلاب جامن سے چڑھتا ہے مگر حضراتِ دیوبند توبہ سے چڑھتے ہیں۔

مولانا تھانوی نے اپنی دوسری شادی کے بعد ایک مجددانہ وعارفانہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا جس پر فاضلِ دیوبند مولانا سعید احمد اکبرآبادی کا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے اور اندازہ کیجئے کہ کس بحرانی کیفیت میں جناب تھانوی صاحب نے یہ خطبہ دیا تھا۔ ابتدائے عشق میں مولانا (تھانوی) مولانا محمد علی جوہر کے اس شعر پر عمل پیرا تھے ؎

عشق ہی باعثِ تکوینِ جہاں ہے غافل ∴ تو نے سمجھا ہے کہ اک شغل ہے بیکاری کا

اور بعدِ عشق کیا حالت ہوئی اس کو خطبہ میں ملاحظہ کیجئے۔

برہان، مارچ ۵۲ء زیرِ عنوان تعدّدِ ازدواج اور شوہر کا دستور العمل۔

" اور سنئے حضرت مولانا تھانوی نے غالباً عقدِ ثانی کے بعد اپنے ذاتی تجربات سے متاثر ہو کر تعدّدِ ازدواج کے مسئلہ پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا ہے جس میں تعدّد ازدواج کو ہر روایتی صراطِ مستقیم کی طرح بال سے باریک اور تلوار سے تیز تر بتایا گیا ہے اور یہاں تک فرمایا ہے "من نکردم شما حذر بکنید" پھر آگے چل کر اس میں جو قباحتیں دشواریاں اور صعوبتیں ہیں ان کا تذکرہ کرنے کے بعد تعدد میں پڑنا یا تو دنیا برباد و تلخ کرنا ہے اور یا آخرت و دین کو تباہ کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں ہماری گذارش ہے بے شبہ ہوس رانی اور لذّتِ نفس کے لئے خواہ مخواہ تعدد ازدواج کی راہ اختیار کرنا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پسندیدہ نہیں ہے لیکن یہ چیز اس درجہ قبیح اور لائق اجتناب بھی نہیں ہے جتنی کہ مولانا تھانوی کے بیان سے ظاہر ہوتی ہے۔

لوٹ ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

ابتدائے عشق میں تو یہ عالم تھا کہ یہی "شادی" تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنی تھی۔ چلّہ مجاہدہ، ریاضت، عبادت، مشقت سے جو مراتب و درجات تھانوی صاحب کو نہ حاصل ہو سکے تھے وہ بیک جنبش قدم بیگم صاحبہ کے آتے ہی حاصل ہو گئے۔ یا تو سرتاسر وہ فرشتۂ رحمت ہی بن کر آئی تھیں یا پھر

زحمت ہی زحمت ثابت ہوئیں ع چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی۔

کاش یہ فلسفہ پہلے ہی مولانا تھانوی سوچ لئے ہوتے مگر اس کو کیا کہئے کہ پیچھے سے سوچنے کی عادت تھی! افسوس تھانوی صاحب کو شادی خانہ بربادی کا احساس اس وقت ہوا جبکہ دنیا و آخرت دونوں برباد ہوگئی، بقول جگر ؎

لوٹ پڑتا ہے دفعتاً جو عشق

بیشتر دیرپا نہیں ہوتا

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ تھانوی صاحب اگر دوسری بیوی سے نباہ نہ کر سکے تو یہ کیوں سمجھ بیٹھے کہ ساری دنیا انھیں کی طرح ہے، کچھ نہ سہی تو کم از کم نص قرآنی کا لحاظ کرتے کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کو بیک وقت چار بیویوں کی اجازت دی ہے تو کیا معاذ اللہ قرآن مجید بھی مسلمانوں کو دنیا و آخرت کے برباد کرنے کی تلقین کر رہا ہے۔ آخرش صحابہ کرام اور بہت سے اولیائے عظام نے کئی کئی شادیاں کیں تو کیا العیاذ باللہ من ذالک۔ ان سب لوگوں نے بقول مولانا تھانوی اپنی دنیا و آخرت برباد کی۔ آج بھی بہت سے کھاتے پیتے صحت مند و توانا لوگ کئی کئی شادیاں کرتے ہیں ان میں عدل بھی باقی رکھتے ہیں معمولات دینی و دنیاوی میں بھی کوئی فرق نہیں آتا مگر مولانا تھانوی ہیں کہ سب کو ایک ہی ڈنڈا سے ہانک رہے۔ ان کی نظر میں "سب دھان بائیس[۲۲] پنسیری ہے" کہاں تو تھانوی صاحب شادی سے پہلے اور شادی کے وقت اتنا مگن تھے کہ خواہ بدنامی ہو یا رسوائی مگر شادی ہو کر رہے گی اور اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ خواہش نفس و لذت جسمانی کو اتباع سنّت کا اضطراری جذبہ قرار دیا۔ مگر کیا کہنا بیگم صاحبہ کا! کہ پہنچتے ہی انھوں نے مولانا تھانوی کے نام نہاد تصوّف و طریقت کا حلیہ ٹائٹ کر دیا اور وہ درگت بنائی کہ ایڑی کا پسینہ چوٹی اور چوٹی کا پسینہ ایڑی آگیا۔ اب بیچارے اتنے گھبرائے کہ قرآن و سنت سبھی بھول بیٹھے اور عالم بدحواسی میں فرمانے لگے کہ "جس کو اپنی دنیا و آخرت برباد کرنی ہو" وہ دوسری شادی کرلے۔ مولانا تھانوی کا یہ حال پڑھ کر غالب کا ایک شعر یاد آگیا ؎

عشق نے غالب نکمہ کر دیا ❊ ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

اب مولانا تھانوی کے مجددانہ خطبہ پر فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے پندو نصائح ملاحظہ فرمائیں۔ برہان، مارچ ۵۲ء صفحہ ۱۷۴۔

"مناسب یہ تھا کہ حضرت مولانا تھانوی اس مسئلہ پر گفتگو کرتے وقت ذرا وسعت نظر سے کام لیتے اور شخصی نفع وضرر کے علاوہ قومی مفاد و امضار اور اجتماعی مصالح وحکم کو بھی پیش نظر رکھتے۔ خیر یہ مسئلہ تو اپنی جگہ الگ نظر و بحث کا محتاج ہے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تعداد ازدواج کی قباحتوں کو بیان فرمانے کے بعد مولانا (تھانوی)، نے ان لوگوں کے لئے جو اس میں مبتلا ہی ہو جائیں ایک دستور العمل بھی لکھا ہے جس میں آپ نے شوہر کو بارہ ہدایات دی ہیں ان میں سے تین ہدایتیں نمبر ۷۔۸۔۹ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ایک کے ساتھ محبت کا اظہار دوسرے کے سامنے نہ کرے۔

(۲) ایک کی تعریف دوسرے سے نہ کرے۔

(۳) غرض ایک کا تذکرہ دوسرے سے نہ کرے۔

اب مولانا تھانوی کی ان ہدایات کو ملاحظہ فرمائیے اور ساتھ ہی ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے جو بعض اوقات اوپر بیان کئے گئے ہیں ان پر نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ (۱) ایک کے ساتھ محبت کا اظہار دوسرے کے سامنے کرتے تھے۔

(۲) ایک کی تعریف دوسرے سے کرتے تھے۔

(۳) اور ایک کا تذکرہ بھی دوسرے سے کرتے تھے۔

اب فرمائیے آپ کس کو حق اور قابل اتباع قرار دیں گے؟ ہمارے فاضل مؤلف (مولانا عبد الباری ندوی) کا مولانا تھانوی کی مذکورہ بالا ہدایات کے متعلق ارشاد علی الاطلاق ہے کہ نسخوں کے مجرب تیر بہدف ہونے میں شبہ نہیں ہر ہر جز حکیمانہ وعارفانہ ہے۔ اگر مؤلف کا یہ دعویٰ صحیح ہے تو وہ بتائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ان کا ارشاد کیا ہوگا؟"

لوٹ سے — تناقض کے پیچھے تعارض کا شور
تعارض کی دم میں تناقض کی ڈور

فاضل اکبر آبادی ایک ہی تعارض و تناقض میں حیران و ششدر ہیں حالانکہ علماء دیوبند کی عبارات میں تناقض اور تعارض کی حیثیت "سلسلہ غیر متناہی" یعنی "لاتقف الیٰ حد" کی ہوتی جارہی ہے جو تسلسل منطقیوں کی نظر میں محال تھا وہ اب ممکن الوقوع ہوتا جارہا ہے واضح رہے کہ وہابیوں اور دیوبندیوں کی نظر میں مولانا اسمٰعیل، مولانا گنگوہی، مولانا تھانوی کی حیثیت معتبر نائی کی ہے۔ جیسے کہ ایک واقعہ مشہور ہے۔

کسی شہر میں کوئی حجام پہونچا — ملاقات ججمان سے کر کے بولا
کہ بی بی تمہاری ہوئیں آج بیوہ — میاں تم کو اس غم میں ماتم ہے زیبا
سنا جب انھوں نے بہت روئے پیٹے — کہ افسوس بیوی ہوئی میری بیوہ
تو احباب نے آکر ان کو بتایا — کہ بیوہ ہوئی کیسے تم تو ہو زندہ

لگے کہنے قاصد بھی معتبر تھے
پھر اس کو میں کس طرح سمجھوں گا جھوٹا

بالکل یہی حال علماء دیوبند کا ہے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی لاکھ کہتے رہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے اور اس کے خلاف مولانا تھانوی نے یہ فرمایا! لہٰذا کس پر عمل کیا جائے؟ تو جواب ایک ہوگا اور صرف ایک کہ "ہم مولانا تھانوی پر اعتبار کر چکے ہیں" معتبر نائی کی بات جھٹلائی نہیں جاتی۔ کیا آج کی دنیا میں اس سے بھی بڑھ کر شخصیت پرستی کی کوئی جیتی جاگتی مثال مل سکتی ہے کہ خود دیوبند کا ایک فاضل کہہ رہا ہے کہ مولانا تھانوی کی یہ ہدایات مصلح اعظم سرورِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے خلاف ہیں اسکے باوجود حضرات دیوبند خوابِ خرگوش میں پڑے سانس ڈکار تک نہیں لیتے۔ گویا یہ گوارا ہے کہ رسولِ کائنات سے رشتہ و ناطہ ٹوٹ جائے مگر حکیم الامت مولانا تھانوی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اب جبکی عقل ماری گئی ہے وہ علماء دیوبند کی ہاں میں ہاں ملاتا رہے اور انکی جی حضوری ہی کو حاصلِ

زندگی سمجھے لیکن خدا نے جس کو تھوڑی بہت عقل دی ہے وہ سوچ سکتا ہے کہ علماء دیوبند کی نظر میں رسولِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی کیا حیثیت ہے اور ان کے خانہ ساز مجدّدِ اعظم مولانا تھانوی کی کیا حیثیت ہے ؟

اب اسی عنوان کی دوسری کڑی پر فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے۔

برہان سنہ ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۱۶ خلیفہ منصور یا ہارون رشید کا ایک واقعہ بیان کرنے کے بعد مدیر برہان تحریر فرماتے ہیں۔

"یہاں اس واقعہ کے نقل کرنے کا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ حضرت مالک ابن انس ایسا امام عالیمقام اپنے ہی اجتہادات و استنباطات کو ہر ایک کے لئے لازمی نہیں قرار دیتا لیکن ہمارے فاضل مؤلف (مولانا عبدالباری ندوی) کا ارشاد ہے کہ حضرت تھانوی مجدد نہیں جامع المجددین تھے اور ان کو پانا و ان کا دامن تھامنا دین کے اصل و پاک سرچشمہ تک پہونچنے اور عمل کی دینی و دنیوی برکات و ثمرات حاصل کرنے کے لئے ضروری ولابدی ہے"

نوٹ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ میری اپنی رائے ہے اور جس پر مجھے قدرت تھی اس میں یہ بہترین رائے ہے اگر کوئی اس سے عمدہ رائے لائے تو وہ اولیٰ بالصواب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب تم میرے کلام کو حدیث کے مخالف پاؤ تو میرے کلام کو دیوار پر پھینک دو۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی سے ملتی جلتی بات ارشاد فرمائی۔ امام یوسف و امام زفر فرماتے ہیں کہ ہمارے قول سے فتویٰ دینا اس وقت تک درست نہیں تاوقتیکہ مفتی یہ جان نہ لے کہ یہ بات میں نے کہاں سے کہی!

ائمہ مجتہدین کے حزم و احتیاط کا تو یہ عالم تھا مگر تھانوی کے پجاری مولانا عبدالباری ندوی ارشاد فرماتے ہیں کہ "مولانا تھانوی کو پانا اور ان کا دامن تھامنا اصل و پاک سرچشمہ

تک پہونچنے اور عمل کی دینی و دنیوی برکات و ثمرات حاصل کرنے کے لئے ضروری ولابدی ہے۔"
رسول کریم، امام ابو حنیفہ، امام یوسف، امام محمد وغیرہم کا دامن ہاتھ میں آئے یا نہ آئے مگر مولانا تھانوی کا دامن ہاتھ آنا ضروری ولابدی ہے"۔ اے کاش! علماء دیوبند کی چکنی چپڑی باتوں پر سر دھننے والے کبھی یہ بھی سوچ سکتے کہ ؎

نگاہ لطف کی اک اِک ادا نے لوٹ لیا
وفا کے بھیس میں اک بیوفا نے لوٹ لیا

جامع المجددین کی ایک اور عبارت پر فاضل اکبر آبادی کا آخری تبصرہ لیجئے تو پھر حفظ الایمان کی عبارت پر علماء دیوبند کی قلابازیاں ملاحظہ فرمائیے۔

برہان، فروری ۵۲ء صہ ۱۱۲ و ۱۱۳

"حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کا سب سے نمایاں اور بڑا کمال راقم احقر (مولوی عبد الباری ندوی) کی نظر میں یہ تھا کہ علم و عمل میں حدود کی رعایت اس درجہ تھی کہ حضراتِ انبیاء کا تو ذکر نہیں۔ ورنہ لوازم بشریت کے ساتھ اس سے زائد کا تصور دشوار ہے اور اس میں یقیناً اس نعمت کا دخل تھا کہ اللہ تعالےٰ نے بسطۃً فی العلم کے ساتھ بسطۃً فی العمل کا بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ جسمانی خلقت ظاہری و باطنی حواس کی صحت اور نتیجۃً اعتدال مزاج کی لطافت میں بھی مجدد امت کی ذات نبیٔ امت صلے اللہ علیہ وسلم کی پرتو تھی۔"

برہان، دہلی فروری ۵۲ء صہ ۱۱۴

"حضرات انبیاء کا تو ذکر ہی نہیں ورنہ لوازم بشریت کے ساتھ اس سے زائد کا تصور دشوار ہے۔ اس عبارت کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ تابعین و تبع تابعین اور ائمہ عظام و صدیقین و شہداء تو کیا مولانا تھانوی کا مقام صحابہ سے بھی اونچا تھا کیونکہ صحابی سب ایک ہی مرتبے کے نہیں تھے ان میں آپس میں بھی فرق مراتب تھا اور لوازم بشریت کے ساتھ اس سے زائد کا تصور ہی نہ ہونا یہ سب سے اونچا مرتبہ ہے اس بنا پر مولانا تھانوی فرداً

فرداً فرداً ہر ایک صحابی سے اونچے نہ سہی بعض صحابہ سے جو دوسرے صحابہ کے مقابلہ میں مفضول تھے ان سے لامحالہ تھانوی صاحب اونچے ہو ہی گئے۔"

کاش اب بھی اہلِ نظر سوچتے کہ دارالعلوم دیوبند، تبلیغی جماعت اور جمیعۃ العلماء ہند کے نام پر مسلمانوں کا دین و ایمان کس بری طرح غارت کیا جا رہا ہے اور ایک "سنی"، کو مٹانے کے لئے کتنے حربے استعمال کئے جا رہے ہیں؟ ؎

کرم کوشیاں ہیں ستم کاریاں ہیں
بس اک دل کی خاطر یہ تیاریاں ہیں

دوستو! دیوبندیت اور اہلسنت یہ دو مکتبۂ فکر ہیں۔ توحید و رسالت پر گفتگو کرتے ہوئے علماء دیوبند کا یہ کہنا ہے کہ رسولِ خدا ہمارے جیسے بشر، ذرہ ناچیز سے کمتر اور چمار سے زیادہ ذلیل تھے۔ معاذاللہ اور علماء اہلسنت کا یہ کہنا ہے ؎

اللہ کا محبوب بھی کم پایہ نہیں ہے
واں جسم نہیں ہے تو یہاں سایہ نہیں ہے

مقدمے کی پوری روداد تم نے سن لی اب فیصلہ تمہارے ہاتھ ہے۔ یہاں جبر و اکراہ کا سوال نہیں ہے۔ یہ تو دین و ایمان کا سودا ہے۔ جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلے اور جنت کے حسین و دیدہ زیب محل دونوں پس پردہ ہیں، خواہ رسول کا دامن تھام کر جنت کا داخلہ لو یا ان سے کترا کر اور انھیں گالیاں دے کر جہنم کی آگ میں اپنا ٹھکانا بناؤ۔ یاد رکھو ؎

گندم ز گندم بروید جو ز جو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

گیہوں بونے والا گیہوں کاٹتا ہے اور جَو کی کھیتی کرنے والا جَو کاٹتا ہے۔ اس لئے تمہیں بھی اپنے عمل سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔ رسولِ خدا کو گالیاں دے کر تم جنت نہیں لے سکتے۔ دشمن رسول اور باغیٔ مصطفےٰ کے لئے جنت میں کوئی جگہ نہیں۔ جنت تو ان کی اور ان کے غلاموں کی ہے۔ امام احمد رضا فاضلِ بریلوی نے کتنی پیاری بات فرمائی ہے ؎

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا :: ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

گفتگو یہ ہو رہی تھی کہ " مولوی یحییٰ کاندھلوی نے کہا کہ پہلے تو میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو اس صدی کا مجدد سمجھتا تھا لیکن اب میں حضرت مولانا تھانوی کو نہ صرف مجدد بلکہ مظنون کہ حضرت (تھانوی) کا درجہ مجددیت سے عالی ہو۔

مولوی یحییٰ کاندھلوی نے تو بات اشارے کنائے میں کہی تھی مگر مؤلف جامع المجددین مولوی عبدالباری ندوی نے صاف صاف کھلے بند کہہ دیا کہ مولانا تھانوی کا مرتبہ صحابہ اور رسولِ خدا سے بھی بلند و بالا تھا جسکی تفصیل فاضلِ دیوبند مولانا سعید احمد اکبرآبادی کے تبصرہ میں گزر چکی۔

اب حفظ الایمان جیسی رسوائے زمانہ کتاب کی ایک دلخراش، کفر آمیز و غارت گر ایمان عبارت پر علماء دیوبند کی علمی بے مائگی باہمی دھینگا مشتی تھکا فضیحتی ملاحظہ کیجئے۔ بقول کسی شاعر ے

جیسا موسم ہو مطابق اس کے میں دیوانہ ہوں
مارچ میں بلبل ہوں میں جولائی میں پروانہ ہوں

یہی حال اس عبارت پر حضرات دیوبند کا ہے کہ انھیں کسی کروٹ چین نہیں اصل عبارت یہ ہے۔

حفظ الایمان مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی ص ۷

" پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقولِ زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل اگر بعض علوم غیبیہ ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع بہائم کے لئے حاصل ہے "

دل کے پھپھولے جل گئے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حفظ الایمان کی یہی وہ عبارت ہے جس پر ملک کے طول و عرض میں مناظرہ و مجادلہ ہوتا رہتا ہے۔ علماء عرب و عجم نے اس گندہ و کفری عبارات سے نہ صرف اظہارِ بیزاری کیا بلکہ اس کے

قائل کو کافر و مرتد قرار دیا اور اس سے رجوع کرنے و توبہ کرنے کی تلقین کی گئی۔ چونکہ اس عبارت میں آقائے دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم کی کھلی ہوئی توہین ہے جو علماء اہلسنت و علماء دیوبند کے درمیان متفقہ طور پر موجب کفر ہے۔ علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفا شریف میں یہاں تک تحریر فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نعل مبارک کو تحقیراً "نعیل" یعنی حضور کی جوتی کو جوتڑیا کہدے تو ایسا شخص کافر اور واجب القتل ہے چونکہ اس شخص نے آقائے دوجہاں کی اس نعل مبارک کی تنقیص کی جو پائے نبوت سے مس ہو چکی ہے اور قدم ناز نبوّت سے اسے اک گونہ نسبت حاصل ہے۔

ان سب کے باوجود شاتم رسول، بارگاہ نبوّت کے گستاخ و بے ادب مولانا تھانوی کے کان پر جوں تک نہ رینگی محض یہ خیال کرتے ہوئے کہ بات مشتہر ہو چکی ہے مسجد و مدرسہ دارالافتاء و خانقاہ، خواص و عوام، غرضیکہ کوچہ و بازار تک یہ بات پہنچ گئی ہے۔ لہذا اب توبہ کرنے میں بڑی سبکی و رسوائی ہو گی دنیا کافر کہے یا مرتد مسلمان لڑیں یا مریں، مناظرہ ہو یا مجادلہ عظمتِ اسلام باقی رہے یا لٹ جائے۔ عرب و عجم میں غم و غصّے کا اظہار ہو یا نفرین و ملامت۔ یہ سب کچھ گوارا ہے مگر نوک قلم پر آئی ہوئی بات واپس نہ لی جائے گی۔

مری مایۂ ناز شہرۂ آفاق عبارت پر قوم مسلم مجھ سے کائی کی طرح چھٹ جائے تو مجھے کیا غم؟ سلامت رہیں انگریز بہادر اور باقی رہے ان کی راجدھانی کہ چھ سو روپئے ماہانہ "ان داتا" کی طرف سے گزر اوقات کے لئے مل ہی جاتے ہیں اور مرا بھائی مظہر علی سی آئی ڈی کے بڑے عہدے پر فائز ہے جب چاہوں گا اس عبارت پر معترضین کے خلاف رپٹ دلوا کر ایک ایک کو چن چن کر ڈیڑھ لاکھ کے مکان میں بند کرا دوں گا" سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا ہے"

یہ ظاہر ہے کہ مسلمان اتنی رقم نہ دے سکتا تھا جو انگریز بہادر کے خزانے سے مل رہی تھی! انگریز اپنے حربے میں کامیاب اور تھانوی صاحب سنہری سکوں کی جھنکار پر والہ و شیدا یہی تھی انگریز کی وہ ڈپلومیسی چال جس کے بل بوتے وہ صدیوں سے زائد بھارت کی سرزمین پر مسیحی پرچم لہراتا رہا۔ انگریز خود تو سات سمندر پار گیا مگر حفظ الایمان، تقویۃ الایمان

بہشتی زیور، براہین قاطعہ، الشہاب الثاقب، تحذیر الناس، صراط مستقیم، فتاوی رشیدیہ جیسی شرانگیز کتابیں مناظرہ کے لئے چھوڑ گیا جس سے ہندی مسلمانوں کا چین و سکھ جاتا رہا یہ ایک ایسی درد انگیز و دکھ بھری کہانی ہے جس کو لکھتے ہوئے قلم کا جگر شق ہوا جاتا ہے ؎

قیامت خیز ہے افسانۂ پر درد و غم میرا
نہ کھلواؤ زباں میری نہ اٹھواؤ قلم میرا

مختصر یہ کہ اس عبارت پر بھارت کی زمین انگارہ اگل رہی تھی اور آسمان آگ برسا رہا تھا بات کچھ ہلکی پھلکی نہ تھی۔ ناموس رسالت کا سوال تھا۔ جس پر بیدار مغز و زندہ دل مسلمان سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے۔ نہ جانے کتنے نوجوان ہتھیلی پر سر لئے اور کاندھے پر کفن ڈالے میدانِ عشق و محبت میں یہ کہتے ہوئے کود پڑے۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

مسلمان ہزار گنہگار و سیہ کار سہی مگر اس کے سینے میں ایمان بھرا دل اور اسکی رگوں میں عشق رسول کا گرم گرم خون ہے۔ وہ اپنی لٹتی ہوئی عزت و آبرو پر صبر بھی کر سکتا ہے مگر آمنہ کے لال محبوب کردگار سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت پر خون کا آخری قطرہ قربان کر دینے میں اپنی سعادت و نجات سمجھتا ہے۔

ملک کی بھرپور آبادی میں کہرام مچا تھا کہ حفظ الایمان کی عبارت واپس لے لو! علماء اہلسنت کا چین و سکون جاتا رہا۔ نہ جانے کتنے مسلمانوں نے اپنے اوپر دانہ پانی حرام کر لیا۔ کہ ایسی زندگی سے موت بہتر ہے جس میں جیتے جی سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کا روح فرسا منظر دیکھنا پڑے۔ بوڑھے۔ جوان، مرد، عورت، سبھی حفظ الایمان کی عبارت پر خون کے آنسو رو رہے تھے ؎

الہی کیوں نہیں اٹھتی قیامت ماجرا کیا ہے؟

مگر مولانا تھانوی اور ان کے مقلدین خم ٹھوک ٹھوک دعوتِ مناظرہ دیتے رہے حالانکہ علماء اہلسنت جانتے تھے کہ ؎

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

لیکن اہلسنت کا ہوشمند و مستقبل آشنا طبقہ یہ نہ چاہتا تھا کہ آپس میں مناظرہ و مباحثہ کی نوبت آئے ورنہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جائے گی جس سے ان کے دامنِ اتحاد و اتفاق کی دھجیاں تار تار ہو جائیں گی۔ علماء اہلسنت پوری اعتدال پسندی و سنجیدگی سے تھانوی صاحب اور ان کے حامئین کو سمجھاتے رہے کہ الانسان مرکب من الخطاء والنسیان انسان کچھ فرشتہ نہیں اس کی تو خمیر میں خطا و نسیان ہے اگر آپ سے لغزش و خطا ہو گئی تو کیا تعجب؟ دنیا کی عظیم ترین ہستیوں کے زبان و قلم نے ٹھوکر کھائی ہے پھر آپ جیسے لوگوں کا ٹھوکر کھانا تو امر یقینی ہے لہذا یہ مقام ضد و ہٹ دھرمی کا نہیں ہے بلکہ کفر و ایمان کا سوال ہے، سوچئے اور ہزار بار سوچئے کہ یہ کچھ وحیٔ الٰہی نہیں جس میں ترمیم و تنسیخ کی گنجائش نہ ہو۔ یہ تو آپ ہی کی عبارت ہے جس کے ردّ و بدل میں آپ کو سو فیصدی حق حاصل ہے مگر افسوس کہ اس معقول اور واضح مطالبہ پر مولانا تھانوی نے کوئی توجہ نہ کی۔ شاید انھیں اس اندیشے نے اپنی غلط روش پر اڑے رہنے پر مجبور کیا ہو کہ عبارت واپس لینے پر کہیں حلقۂ معتقدین میں کمی نہ ہو جائے اور میری لٹتی ہوئی آبرو دیکھ کر انگریز بہادر بھی مجھ سے آنکھیں پھیر کر گھر سے باہر نہ کر دیں اور اس شعر کا مصداق بننا پڑے ؎

سنا کرتے تھے آدم کا نکلنا خلد سے لیکن

بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

صحیح ہے! جنت ہاتھ آئے یا نہ آئے مگر پیرس اور لندن کا باغیچہ تو مل جائے؟ افسوس کہ حیات مستعار زندگی ناپائیدار کے عیش عارضی کی خاطر نہ جانے انسان کیا سے کیا کر گزرتا ہے ؎

وہ عشرت موت ہے یارب جو نظر پر ڈال دے پردے

وہ دولت قہر ہے جو دل کو تجھ سے بے خبر کر دے

اے پروردگار عالم! اب اس سے بڑھ کر قیامت کی اور کیا نشانی ہو گی کہ تیری خدائی میں ایسے بھی سرکش و باغی ہیں جو تیرا کھاتے ہیں اور تیرے ہی محبوب کو گالیاں دیتے ہیں؟

اے کائنات کے پالنہار! اب بات گھر سے باہر آچکی ہے۔ آج انسانوں کی کھلی آبادی میں تیرے محبوب کے علم پاک کو جانور، پاگل، مجنون کے علم جیسا کہا جارہا ہے۔ شیطان اور ملک الموت کے علم کو نص قرآنی سے ثابت کیا جاتا ہے مگر آمنہ کے دلارے کے لئے علم غیب ماننے والوں کو مشرک کہا جاتا ہے۔

اے خالق ارض وسما! یہ کیسا اندھیر ہے کہ نماز میں گائے بیل کا خیال لانے سے تو نماز ہوجائے مگر تیرے پیارے محبوب سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا خیال لانے سے نماز فاسد ہوجائے۔

اے کائنات کے مالک و مختار! یہ وقت ترے محبوب کے جاں نثاروں پر کتنا کٹھن اور ان کی عقیدت و محبت کا کیسا سنگین امتحان ہے کہ ہم جیتے جی تیرے محبوب کی بارگاہ بے کس پناہ میں گالیوں کی بوچھار دیکھ رہے ہیں۔ آج نہ جانے کتنی ایسی رسوائے زمانہ کتابیں ہیں جس میں تیرے پیارے محبوب کی عظمت و تقدیس پر حملہ ہے اور اسلامی لیبل پر کتنے ایسے اسٹیج ہیں جس پر دن دھاڑے ناموس رسالت کی بے حرمتی پر شعلہ بار تقریریں ہیں۔

اے رب قدیر! ہم تیرے امتحان کے قابل نہیں اپنی عجز و ناتوانی کا احساس رکھتے ہوئے ہم تیری بارگاہِ عدالت میں عہد و پیمان کرتے ہیں کہ عمر کے آخری لمحہ تک تیرے اور تیرے رسول کے دشمنوں پر نفریں و ملامت کرتے رہیں گے اور ان کی ہر گستاخ و بے ادب تحریر و تقریر کا دندان شکن جواب دیتے رہیں گے تو ہمیں اس راہ میں استقلال و استحکام عطا فرما اور ہمارے سینے کو اپنی اور اپنے رسول کی محبّت کا گنجینہ بنادے۔

اے علیم و خبیر! تو دلوں کے بھید کا جاننے والا ہے۔ تو جانتا ہے کہ ہمارا یہ اختلاف زر و زمین کی بنیاد پر نہیں، جائداد و دولت کے پیشِ نظر نہیں! محض ترے محبوب کی بارگاہ میں وفاداری کا سوال ہے جو تیرا اور تیرے رسول کا ہے وہ ہمارے گلے کا ہار ہے جو تیرے مصطفٰے کا باغی ہے اس سے ہمیں کوئی رشتہ و تعلق نہیں۔ ہمارا تو مسلک یہ ہے ؎

چھُٹ جائے اگر دولتِ کونین تو کیا غم
چھوٹے نہ مگر ہاتھ سے دامانِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

بات کہاں سے کہاں پہنچی، عرض یہ کر رہا تھا کہ حفظ الایمان کی گندہ عبارت پر سنی مسلمان

تڑپ رہا تھا اور علماء دیو بند ماتھا ٹیکے تاویل و توجیح کی راہیں تلاش کر رہے تھے۔ آخرش تھانہ بھون، گنگوہ، دیو بند، سہارنپور کے اکابر اصاغر دارالندوہ میں جمع ہوئے یہ وہی دارالندوہ ہے جس کا صدر علی الاطلاق شیخ نجدی ہے چنانچہ شیخ ہی کی صدارت میں حفظ الایمان کی عبارت پر ایک مجلس مشاورت منعقد ہوئی۔ مولانا تھانوی بہت ہی مضمحل و نڈھال تھے۔ کسی نے اشارے کی زبان میں دریافت کیا۔ آخرش یہ مُردنی کیسی؟ تو تھانوی صاحب یہ کہہ کر خاموش ہوگئے ؎

دیکھ لو روئے رنگِ ناکامی
یہ نہ پوچھو کہ بیکسی کیا ہے

اس جواب پر حاضرین مجلس کو بڑا ترس آیا اور انتہائی ردو قدح کے بعد یہ بات طے کر لی گئی کہ عبارت واپس لینے میں بڑی رسوائی و بدنامی ہوگی۔ ہم لوگ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائیں گے۔ اپنے و غیر سبھی ہماری علمی بے مائگی پر آواز کسیں گے اور طرح طرح کے فقرے چست کریں گے۔ گویا ہمارے علم و فضل کا جنازہ نکل جائے گا۔ لہٰذا سلامتی اسی میں ہے کہ رسولِ خدا کا دامن چھوڑ کر بقراط و سقراط کے دامن میں پناہ لو۔ زبان و لغت ہمارا ساتھ دے یا نہ دے اپنی من گڑھت دلیلیں لے کر میدان میں پھاٹ پڑو ع

کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں

یہ سنتے ہی تھانہ بھون کے مجدد اعظم جناب تھانوی صاحب کے سوکھے سوکھے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی ,, ڈوبتے کو تنکے کا سہارا آگے بڑھ کر اپنے چیلے چاپڑ اور ذریت کی پیٹھ پر شاباشی کا ہاتھ رکھا اور یہ کہتے ہوئے کہ مجھے آج کے دن تم جیسے سپوتوں سے یہی امید تھی ,, کھلکھلا کر ہنس پڑے،،

بات ختم ہوتے دیکھ کر شیخ نجدی نے اجازت چاہی کہ اب جلسے کی کاروائی ختم ہونی چاہئے مگر ایک طرف سے آواز آئی کہ ابھی ایجنڈے کی ایک دفعہ باقی رہ گئی ہے۔ یعنی ان لوگوں کو نامزد کر دیا جائے جو اس عبارت پر قرآن و حدیث کی دلیل سننے کے علاوہ عوام الناس کی " دلیلیں،، بجائے سننے کے کھانے کو تیار ہوں،،

ایجنڈے کی معقولیت پر سب کی گردن جھک گئی اور یکایک مجلس پر سناٹا چھا گیا اور آنکھوں آنکھوں میں گفتگو شروع ہوگئی ؎

پیغام دیا ہے کبھی پیغام لیا ہے
نظروں سے محبت میں بڑا کام لیا ہے

چنانچہ ارکانِ مجلس نے اشاروں ہی اشاروں میں کچھ لوگوں کا انتخاب کرلیا اور یہ اعلان کرتے ہوئے کہ مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی، مولوی حسین احمد ٹانڈوی، مولوی عبدالشکور لکھنوی، مولوی منظور احمد سنبھلی کو اس اہم کام کے لئے تجویز کیا گیا جلسے کی کارروائی ختم کردی گئی۔ یہ سنتے ہی اربعہ عناصر اپنے بزرگوں کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے آداب بجالائے ع

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

حفظ الایمان کی آنے والی گفتگو پر یہ ایک تمہیدی نظریہ تھا۔ اب دارالندوہ کی مجوزہ اسکیم کے پیشِ نظر ان چاروں حضرات کی قلابازی اور مبلغ علم ملاحظہ فرمایئے لیکن دیوبندی سورماؤں کو اکھاڑے میں دیکھنے سے پہلے تھانوی صاحب کے مریدین و متوسلین کا ایک خط پڑھ لیجئے۔ جس سے آپ کو اندازہ ہوسکے کہ حفظ الایمان کی اس ایمان سوز عبارت پر نہ صرف علمائے اہلِ سنت ہی کو اعتراض تھا بلکہ تھانوی صاحب کے مخلص مریدین سے بھی نہ رہا گیا تو خط بھیجکر یہ درخواست والتجا کی کہ حکیم الامت سے بصد منت وسماجت عرضداشت ہے کہ حفظ الایمان کی عبارت خارج کردی جائے یا ایسی مناسب ترمیم کردی جائے جس سے رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی توہین وتنقیص کا شائبہ تک نہ رہ جائے۔ اب اس خط کی اصل عبارت ملاحظہ فرمایئے ؂

دیکھ اس قوم کی تذلیل نہ ہونے پائے
اپنے ایوان میں جس قوم کی آواز ہے تو

تغیر العنوان فی بعض عبارات حفظ الایمان ص۱۸ مصنفہ مولانا اشرف علی تھانوی"

۱۷ر صفر ۱۳۴۲ھ کو ایک خط حیدرآباد دکن سے جس کے کاتب کا عنوان عامۂ مخلصین حیدرآباد دکن تھا اور ذریعہ جواب منگانے کا ایک معین مولوی صاحب تھے آیا اس میں حفظ الایمان کی ایک مشہور عبارت کے متعلق "جس پر مہربانوں کا اعتراض مشہور ہے" دی تھی کہ اس کی ترمیم کردی جائے اور مقتضیات

ترمیم کا اجتماع اور موانع ترمیم کا ارتفاع ان الفاظ میں ظاہر کیا تھا۔
(۱) ایسے الفاظ جس میں مماثلت علمیت غیبیہ محمدیہ کو علوم مجانین و بہائم سے تشبیہہ دی گئی ہے جو بادی النظر میں سخت سوئے بے ادبی کو مشعر ہے کیوں ایسی عبارت سے رجوع نہ کرلیا جائے؟
(۲) جس میں مخلصین حامیئن جناب والا کو حق بجانب جواب دہی میں سخت دشواری ہوتی ہے۔
(۳) وہ عبارت تو آسمانی اور الہامی عبارت نہیں کہ جسکی مصدرہ صورت اور ہئیات عبارات کا علیٰ حالہ و بالفاظہ باقی رکھنا ضروری ہو۔
(۴) یہ سب جانتے ہیں کہ جناب والا کسی دباؤ سے متاثر ہونے والے نہیں اور کسی سے کوئی طمع جاہ و مال جناب کو مطلوب ہے بجز اس کے کہ عام طور پر جناب والا کی بے نفسی کا اعتراف ہو اور حکیم الامت کی شان سے جو توقع تھی وہ پوری ہو سکے۔ اور اس مشورہ کے ساتھ یہ سوال بھی تھے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے علوم غیبیہ جزیہ محمدیہ زید و عمر و غیرہ کی مماثل ہیں یا نہیں؟
(۲) اور جو شخص اس مماثلت کا قائل ہو اس کا کیا حکم ہے؟
(۳) اور علوم غیبیہ جزیہ محمدیہ کمالات نبوت میں داخل ہیں یا نہیں؟ انتہی مکتوب"۔

نہ ہو جائے کوئی خاطر کبیدہ
بڑا نازک تعلق ہے دلوں کا!

مندرجہ بالا شعر کے پیش نظر حیدر آباد کے حامیئن و مخلصین نے کیسا عاجزانہ و نیاز مندانہ عریضہ حاضر کیا مگر تھانوی صاحب ہیں کہ "مرغے کی ایک ٹانگ" کے مطابق ہم تو جو کچھ لکھ چکے وہ پتھر کی لکیر ہے، آسمانی والہامی کتابوں میں نسخ ہوتا رہے مگر حکیم الامت کی شانِ مجددیت کے خلاف ہے کہ وہ اپنی کسی عبارت کو خط نسخ مجروح کردیں۔

ہے مریدوں کو تو حق بات گوارا لیکن
شیخ و ملّا کو بری لگتی ہے درویش کی بات

ناظرین نے حیدر آباد کے خط سے یہ اندازہ کرلیا ہوگا کہ خود مولانا تھانوی کے حامئین کو حسبِ ذیل باتوں کا اعتراف ہے۔

(۱) اس عبارت میں علوم غیبیہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم مجانین و بہائم سے مماثلت دی گئی ہے!

(۲) اس عبارت میں بڑی بے ادبی ہے!

(۳) اس عبارت پر معترضین کو ہم مخلصین و حامئین کوئی حق بجانب جواب نہیں دے پاتے ”یہ اور بات ہے کہ دھاندلی کرتے ہیں“

(۴) جبکہ یہ کوئی آسمانی و الہامی عبارت نہیں تو اس کو علی حالہ باقی رکھنا کچھ ضروری نہیں۔

(۵) لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اس عبارت سے رجوع کرلیا جائے۔

سنانے چلے ہیں انھیں قصۂ غم
بہت دل کے ہاتھوں سے مجبور ہوکر

حالات کی نزاکت سے متاثر ہوکر پریشان حال مریدین نے مندرجہ بالا پانچ دفعات پر مشتمل عریضہ مولانا تھانوی کی خدمت میں حاضر کیا۔ ان غریبوں کا خیال تھا کہ ”تھانہ بھون“ ”آنند بھون“ کا ہم قافیہ ہے ہوسکتا ہے کہ کچھ ہم لوگوں کو بھی سکھ و آنند کی بھیک مل جائے مگر تھانوی صاحب نے ان کی ساری آرزوؤں پر پانی پھیر دیا۔ تھانوی صاحب کے غالی و اندھے معتقدین شکستہ خاطر ہونے کے باوجود یہ کہتے رہے۔

یہ آستانِ یار ہے صحنِ حرم نہیں
جب رکھ دیا ہے سر تو اٹھانا نہ چاہئے

گویا بزبانِ حال وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں جنّت نہ چاہئے مولانا تھانوی کا دامن چاہئے خواہ جہنم ہی میں جائیں۔

لیکن جن کی ایمانی فراست نے بھانپ لیا ان پر حق واضح ہوگیا کہ گوبر و غلیظ پر عطر و کیوڑے کا چھڑکاؤ کارگر نہیں ہوسکتا لہٰذا وہ یہ کہہ کر الگ ہوگئے ؎

صداقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

اس گروہ کا کہنا تھا کہ ہمیں رسول کریم کے دامن میں پناہ لے کر جنت میں جانا ہے مولانا تھانوی کی بیجا حمایت میں ہمیں جہنم میں جھلسنا منظور نہیں اور ان میں ایک تیسرا طبقہ معتدل و صلح کل حضرات کا پیدا ہو گیا جو یہ کہہ کر اپنے منہ "میاں مٹھو بنتے ہیں!

تم ایسوں سے فقط صاحب سلامت دور کی اچھی
نہ تم سے دوستی اچھی نہ تم سے دشمنی اچھی

ان کا کہنا ہے کہ ہم لوگ بہت ہی معتدل و نازک مزاج ہیں نہ تو جہنم کی تپش برداشت کر سکتے ہیں اور نہ ہی روز روز کی ٹھنڈی ہوا راس آسکتی ہے لہذا ہمیں تو جنت اور جہنم کا درمیانی حصہ "اعراف" چاہئے تاکہ دونوں سے رسم و راہ رہ سکے کبھی جنت کی دہلیز پر اور کبھی جہنم کی ڈیوڑھی پر!

لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ ۔ نہ اِلَّا الَّذِیْنَ نہ اُلا الَّذِیْنَ

گویا یہ "اعرافی" لوگ ہیں!

گفتگو یہ ہو رہی تھی کہ دار الندوہ نے حفظ الایمان کی عبارت پر مناظرہ کے لئے مولوی مرتضیٰ حسن، مولوی حسین احمد، مولوی عبد الشکور اور مولوی منظور کا انتخاب کیا۔ اب آیئے ان چیدہ چیدہ حضرات کی وہ تاویل و توضیح ملاحظہ کیجئے۔ جس پر مولانا تھانوی عمر بھر خاموش رہے جو ان کی رضامندی کی دلیل ہے۔ اب تھانوی صاحب کے وفاداروں کی شاطرانہ چال دیکھئے اور حق وفاداری کی داد دیجئے۔

شاید اسی کا نام ہے مجبوری وفا
تم جھوٹ کہہ رہے ہو مجھے اعتبار ہے

توضیح البیان فی حفظ الایمان مولفہ مولوی مرتضیٰ حسن چاندپوری ثم دربھنگی ص۸ مطبع قاسمی دیوبند باہتمام مولوی طیب۔

"واضح ہو کہ ایسا کا لفظ فقط مانند اور مثل ہی کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا بلکہ اسکے معنی اس قدر اور اتنے کے بھی آتے ہیں جو اس جگہ متعین ہیں۔"

یعنی حفظ الایمان والی عبارت میں لفظ "ایسا" اتنا اور اس قدر کے معنی میں ہے

مانند یا مثل کے معنی میں نہیں ہے۔

توضیح البیان صہ ۱۷

["عبارات متنازعہ فیہا میں لفظ ایسا بمعنی اس قدر اور اتنا ہے پھر تشبیہ کیسی"؟

یعنی حفظ الایمان کی عبارت میں لفظ ایسا معنی میں اتنا اور اس قدر کے ہے تشبیہ کے معنی میں نہیں ہے۔ اب سنئے صدر دیوبند مولوی حسین احمد ٹانڈوی کی ؎

سمجھتے تھے رہے گی جنگ محدود و گل و بلبل
مگر تخریب نظیم گلستاں تک بات جا پہنچی

الشہاب الثاقب علی المشرق الکاذب صہ ۱۱۱ مولوی حسین احمد ٹانڈوی مطبع قاسمی دیوبند۔

["حضرت مولانا "تھانوی" عبارت میں لفظ ایسا فرما رہے ہیں۔ لفظ اتنا تو نہیں فرمارہے ہیں اگر لفظ اتنا ہوتا تو اس وقت البتہ یہ احتمال ہوتا کہ معاذ اللہ حضور علیہ السّلام کے علم کو اور چیزوں کے برابر کردیا۔"

یعنی اس عبارت میں لفظ ایسا تشبیہ کے لئے ہے اگر اتنا یا اس قدر ہوتا تو البتہ قباحت لازم آتی یہ تاویل مولوی مرتضیٰ کی تاویل کے بالکل برعکس ہے۔

آگے مولوی حسین احمد تحریر کرتے ہیں۔

["اس سے بھی قطع نظر کرلیں تو لفظ ایسا تو کلمہ تشبیہ کا ہے۔"

مولانا ٹانڈوی کی یہ وہ عبارت ہے جس نے لفظ "ایسا" پر کلمۂ تشبیہ کی آخری مہر لگادی۔

خلاصہ کلام | مولوی مرتضیٰ حسن در بھنگی کا کہنا یہ ہے کہ لفظ "ایسا" تشبیہ کے لئے نہیں ہے بلکہ معنی میں اتنا اور اس قدر کے ہے البتہ اگر تشبیہ کے معنی میں ہوتا تو توہینِ نبوّت ہوتی ہے جو موجب کفر ہے اور مولوی ٹانڈوی کا کہنا یہ ہے کہ لفظ ایسا تشبیہ کے لئے ہے اگر معنی میں اتنا یا اس قدر کے ہوتا تو توہینِ رسالت ہوتی جس سے کفر لازم آتا۔

نتیجۂ کلام

اس کا حاصل یہ ہے کہ مولوی مرتضیٰ کی تاویل کی بنا پر مولوی حسین احمد پر کفر لازم آتا ہے اور مولوی حسین احمد کی تاویل و توجیہہ کے پیشِ نظر مولوی مرتضیٰ کافر ہوتے ہیں اور آج کے دیوبندی ان دونوں حضرات کو اپنا مقتدا و پیشوا جانتے ہوئے دونوں کے پیرو ہیں لہذا دونوں کا کفر تمام دیوبندیوں نے اپنے حق میں قبول کیا اور قبول کفر کا نتیجہ ظاہر ہے منظور ہے گزارش احوال واقعی

اپنا بیان حسنِ طبیعت نہیں مجھے

اظہارِ حقیقت

بات اپنی طرف سے کچھ نہیں کہی گئی بلکہ حفظ الایمان کی گندہ عمارت پر مولوی مرتضیٰ اور مولوی حسین احمد کی توجیہہ و تاویل کا جو نتیجہ تھا وہ ظاہر کر دیا گیا۔ کس قدر شرم و غیرت کی بات ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو کافر بناتے رہے مگر یہ توفیق نہ ہوئی کہ اس عبارت کو خارج کر کے کوئی واضح اور صاف عبارت درج کر دیتے جو بالکل بے غبار ہوتی۔ سچ کہا ہے جگر نے ؎

اللہ جسے توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

فیضانِ محبت عام تو ہے عرفانِ محبت عام نہیں

ابھی مولوی مرتضیٰ اور مولوی حسین احمد میں یہ بحث چل رہی تھی کہ اکھاڑے کے تیسرے پہلوان مولوی منظور سنبھلی بھی لنگوٹ باندھ کر "ھَلْ مِنْ مُبَارِزٍ" کہتے ہوئے مولوی مرتضیٰ کی ہمنوائی میں میدانِ جنگ میں اتر پڑے ؎

بھاگو گے پھینک پھینک کے تیغیں لڑائی سے

لو مرد ہو تو اب نہ سرکنا ترائی سے

اب سنئے مولوی منظور سنبھلی کی "فتح بریلی کا دلکش نظارہ ص ۳۲"

"حفظ الایمان کی اس عبارت میں بھی ایسا تشبیہہ کے لئے نہیں ہے بلکہ وہ یہاں بدرون تشبیہہ کے اتنا کے معنی میں ہے۔"

صفحہ ۴۰ کی دوسری عبارت

"حفظ الایمان کی عبارت میں بھی جیسے کہ میں بدلائل قاہرہ ثابت کر چکا

ہوں وہ (یعنی لفظ ایسا) بغیر تشبیہ کے اتنا کے معنی میں ہے۔"

صفحہ ۴۸ کی تیسری عبارت

" ایسا تشبیہ کے علاوہ دوسرے معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور حفظ الایمان کی عبارت میں وہ بلاتشبیہ کے اتنا کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔"

صفحہ ۴۴ کی چوتھی عبارت۔

"حفظ الایمان کی اس عبارت میں بھی" ایسا تشبیہ کے لئے نہیں ہے۔"

گویا مولوی منظور و مولوی مرتضیٰ اس بات پر متفق ہیں کہ لفظ" ایسا" تشبیہ کے لئے نہیں ہے بلکہ معنی میں اتنا یا اس قدر کے ہے۔ چنانچہ ص۲۵ پر رقمطراز ہیں۔

" اگر بالفرض اس عبارت کا وہ مطلب ہوا جو مولوی سردار احمد صاحب بیان کر رہے ہیں۔ جب تو ہمارے نزدیک بھی موجب کفر ہے۔"

اب سے تقریباً پچیس برس پہلے مولوی منظور صاحب و سلطان المناظرین امام المدرسین حضرت مولانا سردار احمد صاحب قبلہ کے درمیان حفظ الایمان کی اسی عبارت پر ایک مناظرہ بریلی شریف میں ہوا تھا جس کی صدارت سیّدی و مرشدی استاذ محترم مجاہد ملّت حضرت مولانا الحاج محمد حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ بانی دارالعلوم جامعہ حبیبیہ الٰہ آباد نے فرمائی تھی۔ مولانا سردار احمد صاحب قبلہ کا یہ فرمانا تھا کہ لفظ" ایسا" تشبیہ کے لئے ہے اور مولوی منظور احمد صاحب کا کہنا یہ تھا کہ لفظ" ایسا" معنی میں اتنا یا اس قدر کے ہے۔ اسی کا تذکرہ کرتے ہوئے مولوی منظور صاحب نے یہ کہا کہ اگر اس عبارت کا وہ مطلب ہوا مولوی سردار احمد صاحب بیان کر رہے ہیں جب تو ہمارے نزدیک بھی موجب کفر ہے۔

اب سے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ مولوی حسین احمد صاحب کا یہ کہنا ہے کہ لفظ" ایسا" محض تشبیہ کے لئے ہے۔ اب ناظرین ہی فیصلہ فرمائیں کہ مولوی منظور صاحب کے اس اقرار کے بعد مولوی حسین احمد صاحب پر شریعت اسلامی کا کیا حکم ہے؟

ناظرین ذرا وسعت سے کام لے کر یہ خیال فرمائیں کہ دیوبندی چہار دیواری میں کس بری طرح تکفیر بازی کا بازار گرم ہے۔ یہ تو حضرات دیوبند کا ایک پسندیدہ و محبوب ترین مشغلہ

ہے کہ جب ذرا سی فرصت ملی تکفیر کی مشین گن چالو کر دیا اور پھر نہ دیکھا آؤ نہ دیکھا تاؤ، زد پر جو بھی آتا گیا ٹھوکتے چلے گئے۔ جس طرح بچھو ڈنک مارنے میں اپنی فطرت سے مجبور ہے ایسے ہی علماء دیوبند مسلمانوں کو کافر، مشرک اور بدعتی بنانے میں اپنی فطرت وجبلت سے مجبور ہیں ان کی مثال تو ایسی ہی ہے جیسے "سپیرا" جس کے کاندھے پر دو پٹاری ہوتی ہے۔ ایک میں "اجگر" اور دوسری میں "ناگن"۔ ایسے ہی حضرات دیوبند کے بھی کاندھے پر دو پٹاری ہوتی ہے۔ ایک میں "شرک کا اجگر" اور دوسری میں "بدعت کی ناگن" اور جس طرح سپیرا خود تو اجگر و ناگن سے مانوس و بے خوف ہوتا ہے کبھی اس کو گلے کا ہار بناتا ہے اور کبھی وہی ناگن اس کی کلائیوں میں چوڑی کی طرح لپٹ جاتی ہے مگر دیکھنے والوں کا رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی علماء دیوبند کے لئے ان کا خود ساختہ شرک و بدعت اوڑھنا بچھونا ہے۔ مگر غریب مسلمانوں کے جھگڑے میں یہ شعبدہ بازی کہ اجمیر گئے تو شرک اور محفل میلاد کیا تو بدعتی! جیسا مولوی قاسم صاحب نانوتوی کلیر شریف جاتے وقت رڑکی ہی سے پیدل ہو جاتے تھے اور شاہجہانپوری حضرات بہرائچ شریف کے عرس میں حاضر ہوتے ہیں اور گاندھی جی کے ساتھ مولوی حفظ الرحمٰن صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند نے خواجہ قطب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی درگاہ شریف میں قوالی سنی۔ ان کے لئے یہ سب جائز ہے مگر مسلمانوں سے یہ بازیگری کہ ؎ اندھیر نگری چوپٹ راجہ ؛؛ ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا۔

کے مطابق دیوبند کی مارکیٹ میں شرک و بدعت کی قیمت ٹکے سیر بھی نہ رہ گئی!

یہ سب انگریز بہادر کی کرشمہ سازی ہے۔ بقول مولانا سید عبدالحق صاحب قادری کے کہ۔

"بھُس میں آگ لگا کر جمالو دور کھڑی ہیں"

اپنا تو نشیمن جل رہا ہے اور انگریز بہادر سات سمندر پار سے تالی بجا رہے ہیں مگر آج تک علماء دیوبند کو ہوش نہ آیا؟

ابھی مولوی منظور صاحب، مولوی [illegible] صاحب اور مولوی حسین احمد صاحب

؎ گنگا رام ۔ جمنا داس

کے درمیان جنگ ہو رہی تھی کہ اکھاڑے کے چوتھے پہلوان مولوی عبدالشکور لکھنوی یہ کہتے ہوئے سامنے آئے ؎

ایسے محل پہ دوستو رخنہ گری ہے خودکشی
تم بھی اسی جہاز میں ہم بھی اسی جہاز میں

بات ایسی کہنی چاہئے کہ "سانپ مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے" یہ کیا تماشہ ہے کہ ایک شخص کا اسلام ثابت کرنے کے لئے سب کی بنیادیں کھوکھلی کئے دیتے ہو بھلا بتاؤ تو سہی ان تاویلات و توجیہات کی بنا پر ہم میں کون مسلمان رہ گیا؟ اگر ایسا تشبیہ کے معنی میں لیا جائے تو مولوی مرتضیٰ اور مولوی منظور سے رشتۂ حیات ٹوٹ جائے۔ اور اگر اتنا یا اس قدر کے معنی میں لیا جائے تو مولوی حسین احمد کافر ہوئے جاتے ہیں۔ لہٰذا میری رائے مانو اور توجیہہ و تاویل کے چکر میں نہ پڑو۔ یہ ایسی مخدوش اور الجھی ہوئی عبارت ہے کہ جس قدر تاویل کے ہیر پھیر میں الجھو گے اسی قدر اعتراضات کے دلدل میں پھنستے جاؤ گے۔ یہ ممکن کہ کانٹے قبائے گل پہن کر گلے کا ہار بن جائیں! سوچو تو سہی کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آسمان کے بکھرے ہوئے تاروں کی انجمن میں تاریکیٔ شب پر سپیدۂ سحر کا دھوکا ہو ؎

شب دیجور تاروں سے سنورتی ہے عبث شیدا
بُری صورت کسی کو کب بھلی معلوم ہوتی ہے

یہی حال اس بے جان عبارت کا ہے جو توجیہہ و تاویل کے حسین دوپٹے میں دیدہ زیب نہیں بن سکتی! تاویل کی حسین چلمن مرجھائے ہوئے چہرے کا روکھا پھیکا پن نہ چھپا سکے گی۔ یہ وہ خزاں رسیدہ چمن ہے جس پر تاویلات کی موسلا دھار بارش کبھی بہار نہ لا سکے گی۔ لہٰذا دیوانہ نہ بنو، بدحواس ہونے سے کام نہیں بنتا، عقل و خرد سے کام لو۔

لکھنوی صاحب نے اپنی پوری لکھنویت سے کام لیتے ہوئے میدانِ جنگ کے تھکے ماندے سپاہیوں کو مخاطب کیا اور ان کی ساحرانہ طرزِ خطابت پر سب کے سب جنگجو سپاہی ہمہ تن سوال بن کر کھڑے ہو گئے اور بیک زبان ہو کر سب نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے ہم لوگوں کے حق میں فرشتۂ رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ للہ اب دیر نہ کیجئے۔ بتائیے! بتائیے!! ہاں جلد بتائیے

وہ فرار کی کون سی راہ ہے جس سے ہمیں چھٹکارا مل سکے۔ یہ سنتے ہی خارجی صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔

نصرت آسمانی ص۲۷

"کہ جس صفت کو ہم مانتے ہیں اس کو رذیل چیز سے تشبیہ دینا یقیناً توہین ہے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا میں صفت علم غیب نہیں مانتے اور جو ماننے اس کو منع کرتے ہیں لہٰذا علم غیب کی کسی شق کو رذیل چیز میں بیان کرنا ہرگز توہین نہیں ہوسکتی۔"

دیکھا آپ نے گرو گھنٹال کتنی دور کی کوڑی لائے "نہ رہے بانس نہ باجے بانسری" یعنی سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب ہی کا انکار کر دیا جائے تشبیہ یا اتنا یا اس قدر کا سوال تو اس وقت ہوتا ہے جبکہ رسولِ خدا کے لئے علم غیب مانا جائے ہم خود مانتے بھی نہیں اور ماننے والوں کو منع کرتے ہیں کہ خبردار خبردار رسولِ خدا کے لئے علم غیب نہ ماننا ورنہ حفظ الایمان کی عبارت کا ہم جواب نہ دے سکیں گے۔" یہ بات مولوی عبدالشکور صاحب نے مونگیر کے مناظرہ میں کہی تھی۔

لکھنوی صاحب بات تو کہہ گئے مگر اندرونِ خانہ سے واقف نہ تھے اس لئے ان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ چنانچہ بات ختم ہونے کے بجائے اور بڑھ گئی، "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" کے مطابق دربھنگی صاحب علم غیب رسول کے ثبوت میں کتابیں لے کر کھڑے ہوگئے۔

چھڑا تھا بزم میں کل تذکرہ مژگان ابرو کا
بڑھی کچھ اس قدر تیغ و سناں تک بات جا پہنچی

چنانچہ اب مولوی عبدالشکور صاحب پر مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی کا پہلا وار ملاحظہ فرمایئے

توضیح البیان علیٰ حفظ الایمان ص۱۳

"بیانِ بالا سے ثابت ہوگیا کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو جو علم غیب حاصل ہے نہ اس میں گفتگو ہے اور نہ یہاں ہوسکتی ہے۔"

اس عبارت میں علم غیب رسول کا اقرار ہے۔

اب صفحہ ۴ کی عبارت سنئے۔

"حفظ الایمان میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب باعطائے الٰہی حاصل ہے۔"

ایسے ہی الشہاب الثاقب صہ۱۱۱ پر مولانا ٹانڈوی رقمطراز ہیں۔

"غرضیکہ لفظ عالم الغیب کے معنی میں مولانا (تھانوی) نے دو شقیں فرمائی ہیں اور ایک شق کو سب میں موجود مانتے ہیں یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ جو علم غیب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا وہ سب میں موجود ہے بلکہ اس معنی کو سب میں موجود مانتے ہیں۔"

اسی طرح روداد مناظرہ بریلی کے صہ۸۰ مولوی منظور صاحب سنبھلی نے اقرار کیا۔

"تمام کائنات حتی کہ نباتات و جمادات کو بھی مطلقاً بعض غیوب کا علم حاصل ہے اور یہی حفظ الایمان کی عبارت کا پہلا اہم جز ہے۔"

اور صہ۸۹ پر آنجناب فرماتے ہیں۔

"حفظ الایمان کی عبارت میں توہین کا شائبہ بھی نہیں اور اس میں زید و عمر اور صبیان و مجانین اور حیوانات و بہائم کے لئے مطلق بعض غیب کا علم تسلیم کیا گیا ہے نہ کہ وہ علم جو واقع میں سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔"

نتیجہ! اب اکھاڑے کے تین پہلوان مولوی مرتضیٰ، مولوی حسین احمد اور مولوی منظور ایک طرف ہو گئے اور لکھنوی صاحب تنہا پڑ گئے۔ اس طرح لکھنوی صاحب کی حسرت و آرزو پر اوس پڑ گئی اور اپنا منہ لے کر رہ گئے۔ گویا وہ تینوں حضرات اس امر کے قائل ہوتے کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا اور لکھنوی صاحب کو اس سے انکار رہا۔ لہٰذا تھانہ بھون کی فوج کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ نفس علم غیب کے ہونے اور نہ ہونے کے اختلاف پر لکھنوی صاحب ایک طرف اور ملیٹری کے تین فوجی افسر ایک طرف اور لفظ "ایسا" تشبیہ کے لئے ہے یا اتنا و اسقدر کے معنی میں ہے۔ اس اختلاف کی بنیاد پر ٹانڈوی صاحب اکیلے ہیں۔ اور مولوی مرتضیٰ و مولوی منظور ایک طرف۔

ابھی آپس میں اختلاف چل رہا تھا کہ در بھنگی صاحب نے سنبھلی صاحب سے فرمایا، کاش! مولوی حسین احمد سلمہ، ہم دونوں کی بات مان لئے ہوتے کہ " ایسا"، تشبیہ کے لئے نہیں ہے بلکہ معنی میں اتنا یا اسقدر کے ہے تو ہم لوگ اس بھونچال سے نکل کر ساحل سے ہمکنار ہو گئے ہوتے۔ مگر برا ہو ٹانڈوی سلمہ کا کہ اردو محاورات تک سے بے خبر و ناآشنا ہیں انھیں اتنا بھی شعور نہ ہو سکا کہ زبان اردو میں لفظ " ایسا" کے کیا معنی ہیں۔ غضب خدا کا کہ ٹانڈوی نے اپنی کتاب الشہاب الثاقب ص۱۱۱ پر لکھ دیا کہ " حفظ الایمان" میں لفظ " ایسا" تو کلمہ تشبیہ کا ہے"، کاش! ٹانڈوی سلمہ میری کتاب توضیح البیان ص۱۳ کی یہ عبارت دیکھ لئے ہوتے۔

> " عبارت حفظ الایمان میں ایسا کو تشبیہ کے لئے لینا غلط ہے اس لئے کہ اس صورت میں عبارت حفظ الایمان میں ایک اور کلام محذوف ماننا پڑے گا بلکہ تشبیہ کی صورت میں عبارت حفظ الایمان کا مطلب ہی خبط ہو جائے گا۔

اسی لئے ص۱۴ پر بادل کی گھن گرج سے زیادہ بلند آہنگ ہو کر میں نے یہ لکھ دیا ہے کہ،

> " جس کی عقل سلیم میں اب بھی مطلب نہ آئے اور پھر بھی یہ کہے کہ نہیں اس عبارت میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو صریح گالی ہے یا کم سے کم یہ عبارت تنقیص شان والا کو موہم ہے تو چاہئے کہ وہ اپنی خوش قسمتی پر رو ئے، کلام کا قصور نہیں اس کی عقل کی خوبی ہے"

یعنی جو شخص یہ کہے کہ اس عبارت میں لفظ ایسا تشبیہ کے لئے ہے اس کو اپنی عقل سلیم پر ماتم کرنا چاہئے۔ یہ عبارت کا قصور نہیں بلکہ اس کا ذہنی فتور ہے۔ اس لئے صدر دیوبند مولوی حسین احمد کو اپنی خوش فہمی پر رونا چاہئے۔ اختتام گفتگو پر مولانا در بھنگی نے مولانا سنبھلی سے فرمایا۔ بھلا بتاؤ تو سہی کہ کس قدر قانونی موشگافی اور ذہنی کاوش کے بعد حفظ الایمان کی الجھی ہوئی عبارت کا ہم لوگوں نے ایک حل تلاش کیا تھا مگر عزیزی حسین احمد نے لڑکپن سے کام لیتے ہوئے ایک نئی شق پیدا کر کے ہماری الجھنوں میں مزید اضافہ کر دیا۔

سلجھ جاتی ہے اک الجھن تو مشکل اور بڑھتی ہے
کسی صورت محبت کی پریشانی نہیں جاتی

ابھی مولوی مرتضیٰ صاحب یہ فرما ہی رہے تھے کہ اپنی مسند صدارت پر مولوی حسین احمد صاحب نے فرمایا " ناس ہو مولانا مرتضیٰ اور مولوی منظور کا کہ میں نے مولانا تھانوی کے بچت و فرار کی ایک راہ نکالی تھی کہ لفظ " ایسا " تشبیہہ کے لئے ہے، معنی میں اتنا یا اسقدر کے نہیں ہے مگر وہ دونوں " دربھنگی اور سنبھلی " خم ٹھوک کر میرے مقابل آگئے کہ تم غلط کہتے ہو۔ لفظ " ایسا " تشبیہہ کے لئے نہیں بلکہ معنی میں اتنا یا اسقدر کے ہے۔ اے کاش وہ دونوں میری بات تسلیم کر لیتے تو حفظ الایمان کی عبارت اعتراضات کے دلدل سے نکلکر بالکل بے غبار و روشن ہو جاتی دیکھو تو سہی کہاں ہم دوسروں سے لڑنے گئے تھے مگر آپس ہی میں لڑکر ایک دوسرے کا پیراہن چاک کر بیٹھے۔ اعتراضات کا ختم ہونا تو درکنار نہ جانے اعتراضات کے کتنے شاخسانے پھوٹ پڑے اور سوالات کے نئے نئے پہلو پیدا ہو گئے "

ابھی صدر دیوبند یہ فرما ہی رہے تھے کہ کسی طالب علم نے دبی زبان سے حیدرآباد کے مخلصین وحامئین کے خط کا ذکر کرتے ہوئے عرض کیا کہ جب اس عبارت میں اتنے الجھاوے ہیں تو اس خط کے پیشِ نظر آپ لوگ اس سے رجوع کیوں نہیں کر لیتے ؟

یہ سنتے ہی صدر دیوبند کی پیشانی پر پسینہ آگیا۔ شرم وخجالت سے گردن جھک گئی مگر یہ کہتے ہوئے بات آئی گئی کر دی کہ " میاں ! اب تو تیر ترکش سے باہر نکل چکا ہے اور بات طشت از بام ہو چکی ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ بات کسی غیر کی نہیں بلکہ اپنے ہی استاد بھائی کی ہے لہذا اب تو قیامت تک اس کو نباہنا پڑے گا اور کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم اور مولانا تھانوی اپنی کمزوریوں اور خامیوں سے بے خبر ہیں، ایسا نہیں ہے "

یہ راز و نیازِ محبت ہیں ناصح
نہ میں بے خبر ہوں نہ وہ بے خبر ہیں

ہم دونوں حفظ الایمان کی عبارت کے سُقم و خرابی پر اچھی طرح مطلع ہیں۔

اُدھر مولانا ٹانڈوی اپنے طلباء میں بیٹھکر ماتم کر رہے تھے کہ اسی درمیان میں اکھاڑے

کے چوتھے کھلاڑی مولوی عبدالشکور صاحب نے لکھنؤ پاٹانالہ کی ایک نشست میں ارشاد فرمایا ہے ذرا دیکھو تو اپنوں کا بھولا پن؟

کیا اس لئے تقدیر نے چنوائے تھے تنکے
بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگا دے

حفظ الایمان کی عبارت پر مدتوں سر پیٹنے و دیدہ ریزی کرنے کے بعد میں نے جواب کی ایک عمدہ شکل پیدا کی تھی جس میں آتنا، اسقدر اور تشبیہ کا کوئی سوال ہی نہ تھا صاف صاف کہدیتے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا ہی نہیں۔ مگر نہ پوچھئے ان تینوں (مولوی مرتضیٰ، مولوی حسین احمد، مولوی منظور) کی بقراطی کا عالم کہ سعادت مندی و دانائی سے تسلیم کر لینے کے بجائے ہمارے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے کہ تم غلط اور جھوٹ کہتے ہو۔ اور اس پر بچکانہ وطفلانہ حماقت یہ کی کہ اپنی ہی کتابیں الٹ الٹ کر مجھے دکھانے لگے کہ مولانا تھانوی علم غیب رسول کے قائل تھے۔ خیال تو فرمایئے کہ مجھ سے مناظرہ کرنے کا وقت تھا؟ غیر ہی کیا کم تھے۔ مناظرہ کے لئے ,,آجکل تو ان سے ہی ناطقہ تنگ ہے" اور کم از کم یہ لوگ اتنا تو سوچتے کہ جھوٹ سچ سے نہیں ثابت کیا جاتا۔ جھوٹ کو جھوٹ ہی سے ثابت کرنا پڑتا ہے۔

اے کاش وہ تینوں میری بات مان لیتے تو سارا جھگڑا ختم تھا مگر ان لوگوں نے آپس کی جنگ سے دوسروں کے ہاتھ ایک آہنی تلوار دیدی جو صبح قیامت تک ہماری گردن پر کھٹا کھٹ چلتی رہے گی اور نہ جانے ہماری آنے والی نسل ہمارے متعلق کیا رائے قائم کریگی؟

ہائے افسوس کہ غیروں کے ہاتھ تو اپنا آشیانہ یوں ہی بھسم ہو رہا تھا مگر اپنے بھی ساتھ نہ دے سکے ؎

آگ دی صیاد نے جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

حالانکہ جو بات میں نے کہی تھی کچھ اپنی فطرت سے نہیں کہی تھی۔ مولانا رشید احمد بھی کچھ ایسا ہی فرما چکے ہیں ؎

ابھی ہے اختلافِ جام و مینا راز کی حد تک :: نہ جانے کیا ہو گر پیرِ مغاں تک بات جا پہنچی

اب سنیئے پیر مغاں جناب مولوی رشید احمد گنگوہی کی کہ جن سے اللہ تعالےٰ نے وعدہ کر لیا تھا کہ جھوٹ ان کی زبان سے نہ نکلوائے گا" خواہ وہ خود بولتا رہے"۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم صـ۳۷

" علم غیب خاصہ حق تعالیٰ کا ہے اس لفظ کو کسی تاویل سے دوسرے پر اطلاق کرنا ایہام شرک سے خالی نہیں "

فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم صـ۱۰

" یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا صریح شرک ہے "

اس سے پہلے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ مولانا تھانوی، مولانا مرتضیٰ حسن، مولانا ٹانڈوی اور مولانا منظور سنبھلی یہ سب کے سب اس بات کے قائل ہیں کہ بہ عطائے الٰہی رسولِ خدا کو علم غیب حاصل تھا۔

ابھی تک تو مولانا تھانوی کے اسلام کی خیر منائی جارہی تھی اور انھیں مسلمان ثابت کرنے کے لئے ریت کی دیوار اٹھائی جارہی تھی مگر اسی درمیان میں خانقاہِ گنگوہ سے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم دونوں کے دھماکے کی وحشتناک آواز آئی کہ علم غیب خاصہ حق تعالیٰ ہے یہاں تک کہ کسی تاویل سے بھی اس کا اطلاق دوسروں پر درست نہیں اس لئے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب ماننا صریح شرک ہے! ایٹمی آواز کے سنتے ہی تھانوی سورماؤں کے پاؤں تلے زمین کھسک گئی، اوسان خطا کر گئے اور عالم بدحواسی میں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں بغلیں جھانکنے لگے، منہ اُتر گیا، طبیعت نڈھال ہو گئی، اداس ہو کر آپس میں کہنے لگے اگر بریلی، بدایوں، مارہرہ اور خیرآباد وغیرہ کی آواز ہوتی تو ہم قوم سے یہ کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لیتے کہ ان لوگوں سے ہماری پرانی جنگ ہے۔ جب سے ہماری بعض کفری عبارتوں پر ان لوگوں نے ہمیں کافر کہا اس دن سے ہم انھیں بدعتی کہتے ہیں۔ اگرچہ اس سے پہلے ہم بھی انھیں بدعات کے مرتکب تھے اور ان مراسم کو بدعت حسنہ سمجھ کر کرتے تھے اور یہ "سنی"، تو اولیاء اللہ کی قبروں پر محض نیاز و فاتحہ کے لئے جاتے ہیں لیکن جب ہمیں ان بدعات میں غلو تھا تو نیاز و فاتحہ تو ایک طرف

" نانوتہ " کے بزرگوں کی قبر کی مٹی اکھاڑ لاتے تھے، یہ تھا ہماری قبر پرستی کا عالم اور یہ "سنی" تو اجمیر و کلیر میں جوتا پہن کر چلتے ہیں۔ مگر ہمارے پیر مغاں گنگوہی صاحب تو آستانہ گنگوہ کے پائخانے کا احترام کرتے تھے اور یہ سنی تو اپنے پیروں اور بزرگوں کی محض دست بوسی و قدم بوسی کرتے ہیں لیکن ہماری عقیدت کیشی کا یہ عالم تھا کہ مولانا تھانوی کے پاؤں دھو کر پینے کو نجاتِ اخروی کا سبب سمجھتے تھے۔

تذکرۃ الرشید حصہ اوّل صـ ۱۱۳

"مولوی عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی نے کہا کہ واللہ العظیم مولانا تھانوی کے پیر دھو کر پینا نجاتِ اُخروی کا سبب ہے۔"

لیکن اب سنیوں کی جلن اور ان سے بغض و عناد کی بنا پر ان تمام چیزوں کو ہم بدعتِ سیئہ کہتے ہیں۔ اب قبر سے مٹی لانا تو درکنار خواجہ اجمیر کے گنبد پر نجاست پھینکتے ہیں اور اولیاء کرام کی قبر پر جانے والوں کو بدعتی اور قبر پجوا کہتے ہیں

ہاں! اگر سنی حضرات ہمیں کافر کہنا چھوڑ دیں تو ہم انھیں بدعتی کہنا چھوڑ دیں جس طرح اب سے پہلے عرس، میلاد، قیام میں حصہ لیتے تھے اور اس کو وجہِ سعادت جانتے تھے پھر ان تمام مراسم میں حصہ گیر ہو جائیں اور یہ تو ہمارے باپ دادا سے ہوتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ ہمارے روحانی لکڑ دادا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی تو ہر سال محفلِ میلاد شریف منعقد کرتے اور کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے اور اس میں لذت محسوس کرتے جیسا کہ فیصلہ ہفت مسئلہ میں درج ہے مگر اس کو کیا کہئے ؎

نچا مارا ہے یکسر کیا عرب اور کیا عجم سب کو!
خدا غارت کرے اس اختلاف دین و مذہب کو

جب سے ہم لوگ اس اختلاف میں الجھے شبرات کا حلوہ، عید کی سیوئیں، محرم کا کھچڑا، گیارہویں کا پلاؤ، میلاد کی شیرینی سب ہم پر حرام ہو گئی۔ حالانکہ شبرات کے ایک دن آگے پیچھے سے حلوہ کھاتے ہیں، سال کے مختلف حصوں میں سیوئیں کھاتے پیتے ہیں۔ محرم کے علاوہ کھچڑا اور کھچڑی کھاتے ہیں۔ حلوائی کی دوکان پر رس گلا اور گلاب جامن دونوں کھاتے

ہیں۔ مگر ان تاریخوں میں اب کھاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ چونکہ اب ہم سنیوں کی ضد میں اس کو بدعت کہہ چکے ہیں، بانہہ پکڑنے کی لاج ہے۔ ورنہ ہم بھی جانتے ہیں کہ یہ نہ تو بدعت ہے اور نہ حرام البتہ یہ ضروری ہے کہ چند پیسوں کی بچت ضرور ہو جاتی ہے۔ مگر خدا غارت کرے فلمی دنیا، کو کہ نیاز و فاتحہ کو شرک و بدعت کہہ کر جو پیسہ بچا لیتے ہیں وہ سینما کی نذر ہو جاتا ہے۔ اس سے اچھا تو یہی تھا کہ اپنے ماں باپ کی فاتحہ ہی دلا دیتے۔ خدا جانے کیا ہو گیا ہے ہمارے علمائے دیوبند کو کہ شرک و بدعت پر تو خوب خوب لچھے دار تقریریں کرتے ہیں مگر کبھی سینما کے خلاف نہیں بولتے۔ معلوم نہیں ان لوگوں کی طرف سے انھیں کتنی رقم مل گئی ہے۔

ابھی انگریزی اخبار دی میسیج (THE MESSAGE) کے لئے بمبئی میں ایک لاکھ سے زائد کا چندہ ہوا تھا جس میں فلم ایکٹروں نے بھی کافی حصہ لیا تھا۔ ہو سکتا ہے انھیں سب وجوہ نے زبان پر تالے لگا دیئے ہوں۔ بہرحال کچھ بھی ہو نیاز و فاتحہ سے تو روپے کی بچت ہو جاتی ہے مگر سینما لوٹ لیتا ہے۔

اس مقام پر مجھے مولانا برہم چاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات یاد آئی۔ ایک دفعہ موصوف کو وہابیوں اور دیوبندیوں نے اپنے جلسے میں مدعو کیا اور وہاں جلسے کے ساتھ ایک نشست مشاعرے کی بھی تھی جس کی طرح یہ تھی ع

میلاد و فاتحہ کا بھی کرنا حرام ہے

اراکین جلسہ نے مولانا کو بھی شرکت مشاعرہ پر مجبور کیا، چنانچہ آپ نے اس پر گرہ لگائی جو سننے سے تعلق رکھتی ہے ؎

کنجوس مکھی چوس وہابی کے مال پر
میلاد و فاتحہ کا بھی کرنا حرام ہے

بات بہت دور آ گئی! گفتگو یہ تھی کہ مولانا تھانوی۔ مولانا مرتضیٰ حسن دربھنگی، مولانا ٹانڈوی اور مولانا منظور سنبھلی ان لوگوں نے علم غیب رسول کا اقرار کیا اور لکھنوی صاحب نے جنگ کی جذباتی روش میں گنگوہی صاحب کے دامن میں پناہ لیتے ہوئے یہ

ظاہر کردیا کہ رسولِ خدا کے لئے علم غیب ماننا صریح شرک ہے اور جب اس پر بھی یارانِ طریقت مطمئن نہ ہو سکے تو لکھنوی صاحب نے امام الطائفہ مولوی اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان پڑھ کر سنانی شروع کردی، جو آخری سپر و ڈھال تھی۔

تقویۃ الایمان صفحہ ۲۳

"غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو جب چاہے کر لیجئے یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔"

گویا دیوبندیوں کا خدا کوئی جاہل وکندہ ناتراش ہے اسے علوم غیبیہ بالفعل حاصل نہیں بلکہ اس میں قوت ہے کہ جب ضرورت آن پڑے تو خزانۂ غیب کو کھول کر حسبِ ضرورت معلوم کرلے اور پھر اس کو مقفل کر کے کنجی اپنے قبضہ میں لیکر اپنی پرانی کرسی پر بیٹھ جائے جو اس کے بیٹھنے سے چرچر بولتی ہے۔ یہ ہے دیوبندی مکتبۂ فکر میں توحید کا تصور! العیاذ باللہ من ذالک۔

ایسے ہی تقویۃ الایمان ص۱۰ پر امام الوہابیہ والدیابنہ رقمطراز ہیں۔

"پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے یا خواہ اللہ کے دینے سے غرض اس عقیدے سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔"

گنگوہی صاحب اور دہلوی صاحب کے نادر شاہی حکم نے تھانوی صاحب کی رہی سہی عزت کو خاک میں ملا دیا اور یہ سنتے ہی میدان جنگ کے شہسواروں میں پھوٹ پڑ گئی۔ بالآخر حفظ الایمان کی عبارت اعتراضات کے جس نشانے پر تھی وہیں کی وہیں رہ گئی، بلکہ تھانہ بھون کے نو آزمودہ و ناتجربہ کار سپاہیوں نے اپنے تفوق و برتری کے اظہار میں سوالات و جوابات کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ قائم کر دیا اور انکی پوری جد و جہد "کوہ کندن و کاہ بر آوردن"، کی حیثیت بھی نہ پیدا کرسکی اور باہمی پنجہ آزمائی اور تکفیر بازی کے یہ تھکے ماندے سپاہی اپنا اپنا مورچہ چھوڑ کر تھانہ بھون کا رخ کیا۔

واضح رہے کہ دار الندوہ کی مجوزہ اسکیم فیل ہو چکی ہے اور بات ختم ہونے کے بجائے باہمی افتراق و انتشار کا باعث بن گئی اور دوسروں سے نبرد آزما ہونا تو درکنار آپس کی

جنگ میں ایک ایک کی ہڈیاں ٹیخ گئیں! کافر گری کا بازار کچھ اس طرح گرم ہوا کہ جیب و گریبان کی دھجیاں سلامت نہ رہ سکیں۔ چنانچہ اشتہارات اور کتابوں کا بقچہ سر پر لئے افتاں وخیزاں ہانپتے کانپتے "اَن داتا" کی بارگاہ میں حاضری کے لئے روانہ ہوئے۔

تھانہ بھون پہنچتے ہی مولانا تھانوی نے اپنے جنگجو شکست خوردہ سپاہیوں کا پُرتپاک خیر مقدم کیا "گرگ باراں دیدہ" کے پیش نظر تھانوی صاحب نے ہر ایک کو اپنے سینے سے لگایا اور ہر ایک سے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ میری جیت کے لئے یہی کیا کم ہے کہ میں اس میدان میں اکیلا نہ رہ گیا۔ یہ بات اور ہے کہ مواخذہ کی لسٹ میں سرفہرست میرا نام ہوگا اور حسب ترتیب اسی فہرست میں تم سب کا نام ہوگا۔

ورنہ حفظ الایمان کی عبارت پر اب تک جو گولہ باری تھی اس کے نشانے پر تنہا میری کھوپڑی تھی، دیکھو میرے سر پر ایک بال نہ رہ گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ تم لوگوں نے حفظ الایمان کی تائید کر کے مجھکو اکیلا نہ چھوڑا اور آئندہ کے لئے بھی تم سے یہی توقع ہے کہ تزلزل او تذبذب کی خار دار جھاڑیوں میں نہ الجھو گے بلکہ ہر جگہ میری تائید و حمایت میں پیش پیش نظر آؤ گے یاد رکھو آج تم نے میرا ساتھ دیا ہے کل قیامت میں شاتمانِ رسول کے لئے بارگاہِ خداوندی سے جو جگہ متعین کی جائے گی اس میں اسوقت تک نہ جاؤں گا تاوقتیکہ تم سب کو وہاں پارسل نہ کرادوں؟

تھانوی صاحب کی مندرجہ بالا سیاسی گفتگو سے سپاہیوں کی جان میں جان آئی ورنہ ان غریبوں کا اس اندیشے سے خون خشک ہوا جارہا تھا کہ کہیں خانقاہ کے شکنجہ میں کس دیئے گئے تو خدا ہی حافظ!

اب مجلس برخاست ہونے والی تھی کہ مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی نے اشارے کی زبان میں دریافت فرمایا "عالی جاہ" ہم سنیوں کے مقابل تو اس عبارت پر فن سپہ گری کے ایسے ایسے داؤں دکھلائیں گے کہ انھیں چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا اور جب اپنی ہار دیکھیں گے تو سلامت رہے ہمارا "تھانہ بھون" کہ حکومت کے جتنے تھانے ہیں وہ سب اسی ہیڈ کوارٹر کے برانچ ہیں۔ ہم عالیجاہ کے ارشادات و فرمودات کے بموجب "یارسول اللہ"

کا نعرہ تو بلند نہیں کر سکتے ورنہ شرک ہمارا گلا گھونٹ دے گا۔ البتہ جب اپنی شکست کا یقین کامل ہو جائے گا تو "یا پولیس المدد" کا نعرہ لگاتے ہوئے "تھانوں میں پہنچ جائیں گے اور نقض امن، بلوہ اور فساد کے نام پر مناظرہ کی روک تھام کر کے ساری کاروائی ختم کرادیں گے۔ مگر "عالیجاہ" یہ تو فرمائیں کہ جو پھوٹ آپس میں پڑ گئی ہے اس کا کیا علاج ہے۔"

تھانوی صاحب، یہ سنتے ہی اپنی اس مسند پر بیٹھ گئے جس کے اوپر ایک کتبہ آویزاں تھا اور بہ خط جلی یہ تحریر تھا۔۔۔ نشست گاہ جامع المجددین، حجۃ اللہ فی الارض، اکمل الناس اور برادرسی آئی ڈی وغیرہ وغیرہ اور انتہائی تمکنت ونخوت سے فرمایا کہ پہلے تم لوگ اپنے اختلافات بیان کرو تب میں اپنی رائے دے سکتا ہوں۔ یہ سنتے ہی لکھنوی صاحب نے عرض کیا۔

"عالیجاہ! میرا کہنا یہ تھا کہ مولانا تھانوی صاحب علم غیب رسول کے قائل نہیں" نہ پوچھئے اتنی سی بات پر مولانا مرتضیٰ، مولانا ٹانڈوی، مولوی منظور یہ سب کے سب بری طرح مجھ پر برس پڑے۔ حالانکہ میں نے اپنے اس دعوے کی دلیل میں فتاویٰ رشیدیہ اور تقویۃ الایمان سے بھی حوالہ پیش کیا مگر ان لوگوں نے گویا نہ ماننے کی قسم کھالی ہے۔ اب عالیجاہ ارشاد فرمائیں کہ اس بارے میں کیا حکم ناطق ہے جس سے سکون قلب حاصل ہو؟

تھانوی صاحب۔ دیکھو تم نے تو ایسی بات چھیڑ دی کہ نہ کہنے والی بات بھی کہنی پڑ گئی ہے

چھپا رکھا تھا جس کو مدتوں سے دل میں اے انور
ہزار افسوس وہ شرح و بیاں تک بات جا پہنچی

کیا تمھیں نہیں معلوم کہ مولانا رشید احمد گنگوہی وہی ہیں جن کے حسب و نسب پر مولانا اسماعیل دہلوی نے بڑا سنگین حملہ کیا ہے۔ چنانچہ تقویۃ الایمان صفحہ ۵-۶ کی عبارت سنو!

"کوئی نام رکھتا ہے علی بخش، پیر بخش، غلام محی الدین، غلام معین الدین یہ سب جھوٹے مسلمان سچ شرک میں گرفتار ہیں۔"

پھر تقویۃ الایمان صفحہ ۶۴ پر ہے

"کوئی نام رکھتا ہے نبی بخش، سیتلا بخش، گنگا بخش سو یہ آدمی مردود ہو جاتے ہیں۔"

بقول مولانا گنگوہی جب تقویۃ الایمان کا پڑھنا اور رکھنا عین اسلام ہے اور اس کے تمام دلائل کتاب اللہ اور احادیث سے ماخوذ ہیں، جب ایسی کتاب کا قانون تم نے سن لیا تو اب مولانا رشید احمد گنگوہی کا پدری نسب نامہ سنو

تذکرۃ الرشید ص ۱۲

" رشید احمد ابن ہدایت احمد بن پیر بخش بن غلام حسین بن غلام علی اور مادری نسب نامہ دیکھو۔

رشید احمد بن کریم النساء بنت فرید بخش بن قادری بخش بن محمد صالح بن غلام محمد

اب تم لوگ خود ہی فیصلہ کرو کہ پیر بخش کا پوتا اور فرید بخش کا نواسہ، تقویۃ الایمان کی روشنی میں کیا ہوا۔ بات چونکہ اپنے گھر کی ہے ورنہ میں خود ہی صراحتاً کہدیتا لیکن تم لوگوں کی عقل و دانش پر میرا بھروسہ ہے کہ میرا مقصد گفتگو سمجھ لیا ہوگا؟ اور زحمت تو یہ آن پڑی ہے کہ تقویۃ الایمان کو عین اسلام کہہ کر مولانا گنگوہی نے خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے ورنہ یہ ممکن تھا کہ ہم جواب کی کوئی شکل پیدا کرتے اور ہاں کیا تم لوگوں نے بہشتی زیور نہیں دیکھا، میں نے بھی تو یہی لکھا ہے جو تقویۃ الایمان میں مولانا اسماعیل نے تحریر فرمایا ہے "معلوم ہوتا ہے تم لوگ کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتے" اس لئے میری آخری نصیحت ہے کہ حوالہ میں مولانا گنگوہی کا نام پیش کرتے وقت بڑی احتیاط سے کام لینا اگر یہ باتیں چھپ نہ گئیں ہوتیں تو ہم انھیں ہضم کر لیتے مگر اب تو ان کی اشاعت ہو چکی ہے۔ اپنے اور غیر سبھی مطلع ہیں اس لئے اب یہ عبارتیں ہمارے حق میں ایسے ہی ہیں جیسے "سانپ کے منہ میں چھچھوندر" جو اگلتے نہ بنے نہ نگلتے بنے۔

ابھی سلسلۂ کلام جاری تھا کہ لکھنوی صاحب پھر بول اٹھے۔

عالیجاہ! ہم نے مانا کہ گنگوہی صاحب ایسے تھے یا ویسے تھے مگر حضرت مولانا اسماعیل صاحب بھی تو فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب ماننا صریح شرک ہے کم از کم ان کی بات تو تسلیم کی جا سکتی ہے۔

تھانوی صاحب نے فرمایا پاگل نہ بنو، ہوش و خرد سے کام لو اور اپنی کتابوں کا مطالعہ کرو

کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ مولانا گنگوہی پر تو صرف ہماری اور مولانا اسماعیل کی تلوار چلی ہے مگر مولانا اسماعیل کو تو تمام ہی علمائے دیوبند نے جاہل، ملحد، زندیق، دین سے بے بہرہ اور نہ جانے کیا کیا لکھا ہے۔

یہ سنتے ہی پورے مجمع پر سناٹا چھا گیا اور تھانوی صاحب نے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے فرمایا کہ اگر تمہیں میری باتوں پر اعتبار و بھروسہ نہ ہو تو حوالہ سنو۔

ایضاح الحق مرتبہ مولوی اسماعیل دہلوی ص۳۵ و ص۳۶

"تنزیہ او مقامی از زمان و مکان و جہت و اثبات رویت بلا جہت و محاورات الخ ہمہ از قبیل بدعاتِ حقیقۃ است اگر صاحب آں اعتقادات مذکورہ را از جنس عقائد دینیہ می شمارد الخ"

سوال۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی کی مذکورہ بالا عبارت پر استفسار کیا گیا۔ یعنی کیا ارشاد ہے علماء دین کا اس شخص کے بارے میں جو کہے کہ اللہ تعالیٰ کو زمان و مکان سے پاک اور اس کا دیدار بے جہت حق ماننا بدعت ہے اور یہ قول کیسا ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب، یہ شخص عقائدِ اہلِ سنت سے جاہل اور بے بہرہ اور وہ مقولہ کفر ہے۔ واللہ اعلم

بندہ رشید احمد گنگوہی [نشانِ مہر]

نوٹ: یعنی مولانا رشید احمد گنگوہی نے مولوی اسماعیل دہلوی کو جاہل اور بے بہرہ اور ان کے قول کو کفر قرار دیا۔

اب اس جواب پر دوسرے اکابر علماء دیوبند کی تصدیق و دستخط ملاحظہ کیجیے:

لاؤ تو قتل نامہ ذرا میں بھی دیکھ لوں
کس کس کی مہر ہے سرِ محضر لگی ہوئی

الجواب صحیح اشرف علی عفی عنہ

"حق تعالیٰ کو زمان و مکان سے منزہ ماننا عقیدہ اہل ایمان ہے اور اس کا انکار الحاد و زندقہ ہے اور دیدار حق تعالیٰ آخرت میں بے کیف و بے جہت ہوگا۔ مخالف اس عقیدہ کا بد دین و ملحد ہے۔" کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ [نشانِ مہر] مفتی مدرسہ دیوبند

الجواب صحیح ــــ بندہ محمود حسن عفی عنہ، مدرس اول دیوبند

" وہ ہرگز اہل سنّت سے نہیں " حررہ المسکین عبد الحق

الجواب صحیح ــــ محمود حسن مدرس دوم مدرسہ شاہی، مراد آباد

" ایسے عقیدے کو بدعت کہنے والا دین سے ناواقف ہے "۔ ابوالوفا ثناء اللہ

خود آپ اپنی آگ میں جلنے کا لطف ہے
اہلِ تپش کو آتش سینا نہ چاہئے

تھانوی صاحب۔ اب تم لوگوں نے دیکھ لیا کہ مولوی اسمٰعیل کے جاہل، زندیق ملحد وغیرہ ہونے پر تمام ہی علماء دیوبند کا اتفاق ہے۔ لہٰذا حوالہ میں مولانا اسمٰعیل کا نام پیش کرتے ہوئے بڑی احتیاط برتنا۔ اس غریب کو اپنوں ہی نے آگ کی دہکتی ہوئی بھٹی میں جھونک کر خاکستر کر دیا۔ یہی سوچ کر تو اغیار نے شاہ صاحب کی طرف خصوصی توجہ نہیں کی کہ وہ آپ اپنی موت مر رہے ہیں۔

لکھنوی صاحب۔ عالی جاہ! کیا یہ بات آپ لوگوں کو معلوم نہ تھی کہ یہ عبارت مولانا اسمٰعیل کی ہے، آخر ش یہ کیسا ظلم ہے ان کے ساتھ!

تھانوی صاحب۔ تم نے بھی ایک کہی اگر یہی معلوم ہوتا تو ایسا فتویٰ ہی کیوں دیتے۔ " ارے یہ فتویٰ ہے یا گوٹھل چھری سے انھیں ذبح کرنا ہے "۔ میں نے مولانا گنگوہی کے فتوے پر اعتماد کرتے ہوئے تصدیق کر دی تھی، مجھے کیا معلوم تھا کہ مولانا گنگوہی مولانا اسمٰعیل کی کتابوں سے اس قدر بے خبر ہوں گے۔ چنانچہ خود انھوں نے بعد میں اظہارِ افسوس کیا۔ دیکھو فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم صفحہ ۱۸۰

" ایضاح الحق بندہ کو یاد نہیں کیا مضمون اور کس کی تالیف ہے "

لوٹ، قتل کے بعد اب پشیمانی سے کیا فائدہ؟

شعر۔
وہ آتے ہیں پشیماں لاش پر اب
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

ناظرین نے علماء دیوبند کے فتاویٰ کی حقیقت دیکھ لی کہ فتویٰ لاعلمی میں دیا گیا ہے۔

اگر یہ بات معلوم ہوتی کہ یہ مولانا اسماعیل کی عبارت ہے تو زندیق و ملحد و جاہل لکھتے ہوئے ہاتھ کانپ جاتا اور قلم ٹوٹ جاتا اور اگر آپ کو میری رائے سے اتفاق نہ ہو تو ـــــــ "ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے" آج ہی اس عبارت پر علماء دیوبند سے استفسار کیجئے اور دیکھئے کہ اس عبارت پر جاہل و ملحد کہنے کے بجائے اس کی کتنی حسین تاویل کرتے ہیں جیساکہ ابھی مولوی مہدی حسن مفتی دیوبند نے مولانا قاسم نانوتوی کی ایک عبارت پر لاعلمی کے ماتحت کفر کا فتویٰ دیا ہے اور جماعت اسلامی والوں نے اچھالنا شروع کیا اور یہ بات علم میں آئی کہ یہ عبارت کسی اور کی نہیں بلکہ خود بانی دارالعلوم دیوبند کی ہے تو ہاتھ کے طوطے اڑ گئے" اور طرح طرح کی تاویلات سے اس عبارت پر ملمع سازی کرنے لگے جس کی تفصیل میں اگلے صفحات میں پیش کروں گا۔

مختصر یہ کہ ابھی تھانوی صاحب دہلوی صاحب پر علماء دیوبند کے اس فتوے کا حوالہ دے رہے تھے جس میں انھیں زندیق، جاہل اور ملحد وغیرہ کا فتویٰ دیا گیا ہے کہ اسی درمیان میں مولانا منظور سنبھلی بول اٹھے۔

سنبھلی صاحب۔ عالی جاہ! ہم نے تو یہ بھی سنا ہے کہ شاہ اسمٰعیل نے اپنی لغزشوں سے توبہ کر لیا تھا۔

تھانوی صاحب۔ برخوردار ابھی تم طفل مکتب ہو۔ کیا تم نے فتاویٰ رشیدیہ نہیں دیکھی کہ یہ اہل بدعت کا افترا ہے اور کم از کم یہ تو خیال رکھتے کہ ہم لوگ اپنی لغزشوں اور غلطیوں سے رجوع نہیں کرتے۔ اگر ہم میں اتنا ہی احساس کمتری ہوتا یا ہم اس قدر بزدل و کمزور ہوتے تو اب تک حفظ الایمان کی عبارت واپس لے لیتے، غالباً تم شیخ نجدی کی تاریخ بھول گئے، دیکھو وہ راندۂ درگاہ کر دیا گیا مگر منہ کی نکلی ہوئی بات واپس نہ لی۔ اپنے اسلاف و اکابر کی تاریخ ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے، ذرا سوچو تو سہی ہر چند حکم خداوندی ہوا مگر اس علمبردار توحید کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ یہ سر نیاز کہیں اور جھک جائے اور برابر وہ یہی کہتا رہا کہ مجھے تجھ سے کام نہ کہ آدم اور نور محمد سے صلی اللہ علیہ وسلم ؎

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے ؎ ترے ذکر سے ترے فکر سے تری یاد سے ترے نام سے

ہمیں ننگِ اسلاف نہیں بلکہ فخرِ اسلاف بننا چاہیئے جب ہمارے سامنے ایک سچے پکے کٹر موحد کی پرانی تاریخ موجود ہے تو ہم علماء موحدین کو اسی کو مشعلِ راہ بنانا چاہیئے۔ چنانچہ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ مولانا اسماعیل نے توبہ نہیں کی بلکہ یہ ان پر افترا ہے۔ دیکھو فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول صد ۶۲

اور توبہ کرنا ان کا (یعنی مولوی اسماعیل دہلوی کا) بعض مسائل سے محض افترا اہلِ بدعت ہے"

ابھی گفتگو ہو رہی تھی کہ مولانا ٹانڈوی نے عرض کیا۔

مولانا ٹانڈوی۔ عالیجاہ! آپ نے لکھنوی کو تو مطمئن کر دیا لیکن ہمارے اور دربھنگی صاحب اور سنبھلی صاحب کے درمیان جو اختلاف پڑ گیا ہے اس کا کیا حل ہے؟

تھانوی صاحب۔ وہ کیسا اختلاف؟

ٹانڈوی صاحب۔ میرا یہ کہنا ہے کہ حفظ الایمان کی عبارت میں لفظ "ایسا" تشبیہ کے لئے ہے اور دربھنگی صاحب و سنبھلی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ لفظ "ایسا" اتنا یا اسقدر کے معنی میں ہے

یہ سن کر تھانوی صاحب ذرا سنبھل کر بیٹھ گئے اور زبانِ حال سے کسی پنڈت جی کی ایک دلچسپ کہانی سنائی۔ فرمایا کہ

ایک پنڈت جی سے کسی نے اپنی حاملہ بیوی کے لئے دریافت کیا کہ گرو جی ہماری بیوی کو لڑکا ہوگا یا لڑکی؟

پنڈت جی نے زائچہ و پترہ دیکھکر استادی داؤں استعمال کرتے ہوئے جواب دیا "بیٹی) نہ بیٹا"۔

سائل کے رخصت ہونے کے بعد پنڈت جی کے چیلا نے دریافت کیا کہ گرو جی آپ نے ایسا کیوں فرمایا؟ ہوسکتا ہے ایشور کی دیا ہو جائے اور بھگوان اپنے کرپا سے اس کی کوکھ بھر دیں۔

یہ سنکر پنڈت جی نے فرمایا "بیٹا" جائے استاد خالی است، اس کو تم کیا جانو ابھی کچھ دنوں اور میرے چرنوں میں رہ کر وِدیا حاصل کرو تب کہیں یہ بھید تمہاری گیان میں آسکیں گے۔

اچھا تم مجھ سے قریب آؤ تو میں تمہیں بتاؤں۔ دیکھو اگر اس کو بیٹی ہوگئی تو اس کو اس طرح لکھا پڑھا جائے گا!

بیٹی ..... نہ بیٹا یعنی "نہ" بیٹا سے متعلق ہوگا اور اگر بیٹا ہوا تو اس کو اس طرح

لکھا پڑھا جائے گا!

بیٹی نہ..... بٹیا یعنی "نہ" بیٹی سے متعلق ہوجائے گا اور اگر کچھ نہ ہو تو بات واضح ہے۔

بیٹی نہ بٹیا۔

یہ واقعہ سنا کر تھانوی صاحب نے فرمایا۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ حفظ الایمان کی عبارت میں لفظ "ایسا" گول کر جاؤ۔ جس مناظرہ میں تشبیہہ کے معنی لینے سے چھٹکارا مل جائے وہاں تشبیہہ کے معنی لے لینا اور جس مناظرہ میں اتنا یا اس قدر کے معنی میں جان بچ جائے وہاں اتنا کے معنی میں لے لینا اور جہاں کسی بھی معنی کے لینے میں رہائی نہ مل سکے تو کبھی تشبیہہ کے معنی لینا اور کبھی اتنا کے معنی میں اور جب اس سے بھی نجات نہ ملے تو "یا پولیس المدد" کا سہارا تو کافی ہے آخر تش تھانہ بھون کا ہیڈ کوارٹر کس دن کام آئے گا؟ لہٰذا میں تم تینوں کی توضیح و تشریح سے متفق ہوں اب بات آگے نہ بڑھاؤ جو کچھ ہوگیا یہی کیا کم ہے ؎

ساقی کا احترام بھی لازم ہے اے صبا
ہر ہر قدم پہ لغزش بیجا نہ کیجئے

یہ کہہ کر تھانوی صاحب نے اس افسانے کو یونہی ناتمام و ادھورا چھوڑ دیا جس پر رہتی دنیا تک حاشیہ آرائی ہوتی رہے گی۔ یہ سنکر تھانہ بھون کے تھکے ماندے سورما و بہادر اپنے اپنے گھر کو لوٹے۔ ابھی کچھ دور چلے تھے کہ سنبھلی صاحب نے "بگل" بجا دیا جس پر سب کے کان کھڑے ہوگئے۔ اور سنبھلی صاحب نے بڑی متانت سے عرض کیا۔ "حضور والا! ابھی تک اس گفتگو کا یہ گوشہ میری سمجھ میں نہ آسکا کہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ لفظ "ایسا" تشبیہہ" کے لئے نہیں ہے بلکہ معنی میں اتنا یا اس قدر کے ہے۔ اگر تشبیہہ کے لئے لیا جائے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ اس میں رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے، جو موجب کفر ہے۔ اور مولانا ٹانڈوی کا اصرار یہ ہے کہ لفظ "ایسا" تو کلمہ تشبیہہ ہے اور اس عبارت میں بھی تشبیہہ کے لئے متعین ہے۔ اگر اتنا یا اس قدر کے معنی میں لیا جائے تو ٹانڈوی صاحب کی نظر میں اہانتِ رسول ہوتی ہے جو موجب کفر ہے لہٰذا ہماری تاویل کی بنا پر مولانا ٹانڈوی پر کفر عائد ہوتا ہے اور مولانا ٹانڈوی کی تاویل کی بنا پر ہم دونوں کافر ہوجاتے ہیں اسلئے اگر امام احمد رضا فاضل بریلوی اور ان کے دوسرے ہم خیال وہم عقیدہ علماء اہلِ سنت

ہم لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں تو وہ لوگ اپنے فتوے میں حق بجانب ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی۔ ناحق ہم آئے دن ان سے الجھتے رہتے ہیں۔"

یہ سنکر مولانا مرتضیٰ حسن دربھنگی نے ارشاد فرمایا۔

ساحل کو دیکھ دیکھ کے یوں مطمئن نہ ہو
کتنے سفینے ڈوبے ہیں ساحل کے پاس ہی

دربھنگی صاحب۔" کیا تمہیں نہیں معلوم اسے پہلے میں اپنی کتاب اشد العذاب میں اس بحث کی وضاحت کر چکا ہوں، معلوم ہوتا ہے تمہارا مطالعہ بہت کمزور ہے۔ دیکھو اشد العذاب ص۱۳"

> " اگر خاں صاحب (یعنی امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے نزدیک بعض علماء دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انھوں نے سمجھا تو خاں صاحب (امام احمد رضا) پر ان علماء دیوبند کی تکفیر فرض تھی اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو وہ خود کافر ہو جاتے، جیسے علماء دیوبند نے جب مرزا صاحب (غلام احمد قادیانی) کے عقائد کفریہ معلوم کر لئے اور وہ قطعاً ثابت ہو گئے تو اب علماء اسلام پر مرزا صاحب اور مرزائیوں کو کافر و مرتد کہنا فرض ہو گیا اگر وہ مرزا صاحب اور مرزائیوں کو کافر نہ کہیں تو وہ خود کافر ہو جائینگے جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔"

نوٹ ؎ مجرم ان کو سمجھا تھا قصور اپنا نکل آیا

حق تو یہ ہے کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا منہ بولتا معجزہ ہے جس پہ تمام ہی علماء دیوبند سربگریباں و حیران ہیں، مولانا مرتضیٰ حسن دیوبندی کی مندرجہ بالا عبارت سے آج کے جھگڑالو کٹ حجت دیوبندیوں کو سبق لینا چاہیئے۔

(۱) مثلاً آج کے ان پڑھ و ناداں دیوبندی بڑے بھولے بھالے بن کر یہ کہتے ہیں کہ" کافر کو بھی کافر نہ کہنا چاہیئے" مگر ان کے پیشوا مولوی مرتضیٰ حسن صاحب فرماتے ہیں۔" جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔

(۲) ایسے ہی بعض ناخواندہ و بعض پڑھے لکھے دیوبندی یہ کہتے ہیں کہ مولانا تھانوی کا معاملہ ان کے ساتھ ہے نہ کہ ہمارے ساتھ۔ مگر مولوی مرتضیٰ حسن دیوبندی فرماتے ہیں کہ

علمائے دیوبند پر صرف مرزا غلام احمد کی تکفیر فرض نہ تھی بلکہ ان کے متبعین مرزائیوں کی تکفیر بھی فرض تھی چنانچہ علمائے دیوبند نے مرزا صاحب اور مرزائیوں دونوں کو کافر و مرتد کہا۔ ایسے ہی تھانوی صاحب اور تھانوی صاحب کے متبعین دونوں کا ایک ہی حکم ہوگا۔

(۳) ایسے ہی بعض دیوبندی بڑے سیدھے سادے بن کر یہ کہتے ہیں کہ دیکھو امام احمد رضا فاضل بریلوی کی کتنی زیادتی ہے کہ انھوں نے بعض اکابر علمائے دیوبند کو کافر کہدیا مگر مولوی مرتضیٰ حسن دیوبندی فرماتے ہیں کہ اگر مولانا احمد رضا خاں صاحب علماء دیوبند کی کفریات پر مطلع ہونے کے بعد حضراتِ دیوبند کی تکفیر نہ کرتے تو وہ خود کافر ہو جاتے۔ جیسا کہ علماء دیوبند مرزا صاحب کے کفر پر مطلع ہونے کے بعد اگر ان کی تکفیر نہ کرتے تو وہ خود کافر ہو جاتے۔ لہٰذا یہ معاملہ ایسے ہی ہے جیسا کہ علماء دیوبند نے مرزا صاحب اور مرزائیوں کی تکفیر کی!

آپ دیکھیں تو سہی ربطِ محبت کیا ہے
اپنا افسانہ ملا کر مرے افسانے میں

کاش آج کے دیوبندی علماء اپنے مقتدا و پیشوا جناب مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی سابق مدرس و ناظم شعبۂ تبلیغ دار العلوم دیوبند جیسی شخصیت کے مندرجہ بالا اصولوں پر غور و فکر کرتے اور آستینیں اٹھا کر لڑنے کے بجائے نیک نیتی سے اپنے ایمان و عاقبت کی خیر مناتے جس میں ان کی بھی فلاح تھی اور کروڑوں مسلمان ان کے شر و فساد سے محفوظ ہو جاتے"

مختصر یہ کہ مولانا مرتضیٰ حسن دربھنگی کی گفتگو سن کر مولوی منظور صاحب یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ ہماری مثال تو ایسی ہی ہے کہ "دوسروں کی آنکھ میں تنکا دیکھنے والے کو اپنی آنکھ کی شہتیر نظر نہیں آتی"، ہم اب تک تو یہ سمجھتے تھے کہ علماء اہل سنّت نے ہمارے ساتھ بڑی زیادتی برتی ہے مگر حقیقت آشکارا ہو گئی کہ ہم اپنے کیے کی سزا بھگت رہے ہیں جس کا کوئی علاج نہیں مگر مگر حضور والا یہ تو فرمائیں کہ جب ہماری پوزیشن اتنی کمزور ہے تو ہم کس بل بوتے پر علماء اہلسنت سے مناظرہ کریں گے۔

ع سرِ منزل پہنچ کر پست ہمت ہوتی جاتی ہے۔

دربھنگی صاحب نے فرمایا، بات تو تم سچ کہتے ہو مگر دیکھو اپنی جماعت میں ناک اونچی کرکے چلنا

ہے اور امام المناظرین، سلطان المناظرین وغیرہ کا خطاب لینا ہے تو ہمت کر کے دو ایک مناظرہ کر لینا اپنے روداد کی اشاعت تو اپنے ہاتھ رہے گی، جس طرح چاہنا نمک مرچ لگا کر اس کی اشاعت کرنا، سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ اپنی ہار کو فتح مبین اور دوسروں کی جیت کو شکست فاش لکھتے ہوئے کون تمہاری کلائی تھام لے گا؟ خوب خوب ڈینگیں مارنا اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مناظرہ سے پہلے ہی روداد چھپا لینا دوسرے حلقوں میں مناظرہ سے پہلے ہی تقسیم کرا دینا اور جس جگہ ہو وہاں بعدِ مناظرہ اس کو تقسیم کرانا۔

چنانچہ جمشید پور کے مناظرہ میں جو فاضل گرامی مولانا ارشد صاحب مفتی جمشید پور، مولوی عبد اللطیف اعظمی استاد مولوی منظور نعمانی سے اسی حفظ الایمان کی عبارت پر ہوا اس کی فتح مبین کا پوسٹر مناظرہ سے دو روز پیشتر کٹک اور مئوناتھ بھنجن میں تقسیم ہو چکا۔ مناظرہ سے پہلے اپنی جیت کا پوسٹر شائع کرتے وقت ایسے سفید جھوٹ پر نہ تو انھیں قرآن یاد آیا ہو گا اور نہ ہی حدیث، ان سے تو محض میلاد و قیام اور عرس و فاتحہ کے ثبوت میں کام لیا جاتا ہے، حالانکہ جس مناظرہ کی فتح مبین کا اشتہار شائع کیا گیا اس میں انھیں ایسی منہ کی کھانی پڑی کہ آج تک مولوی عبد اللطیف کو یاد ہو گا۔ فاضلِ گرامی مولانا ارشد صاحب قادری کے صرف ایک سوال پر مولوی عبد اللطیف بوکھلا کر "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" کے مطابق آئیں، بائیں، شائیں ہانکنے لگے، پھر تو ایسی بے پر کی اڑائی جس پر تمام دیوبندیوں کی شرم و ندامت سے گردن جھک گئی۔ اسی عبارت پر بریلی شریف کا مناظرہ مولوی منظور صاحب اور مولانا سردار احمد صاحب کے درمیان ہوا تھا جس میں بوکھلا کر مولوی منظور نے کہا "رسول اللہ تو بھوکے مرا کرتے تھے"[1] معاذ اللہ۔ اسی جملہ پر استاذ محترم مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ نے مولوی منظور کو گرجتی ہوئی آواز میں پھٹکارا تھا کہ منظور مناظرے کا مقصد یہ ہے کہ توہین نبوت سے تمہاری زبان روکی جائے اور افسوس کہ استخفاف نبوت تمہاری فطرت ثانیہ بن چکی ہے ایسے گلہیر ہو کہ بغیر گالی گلوج کے تم اپنی گفتگو پر قابو یافتہ نہیں اگر تمہاری زبان میں کیڑے رینگ رہے ہیں جس سے تمہیں بغیر گالی دیئے چین نہیں تو سرورِ عالم کو نہیں بلکہ حبیب الرحمٰن کو گالیاں دے لو۔

یاد رہے یہ حبیب الرحمٰن اسی مرد مجاہد کا نام ہے جو ناموس رسالت کی خاطر غازیپور و سلطانپور

---

[1] نصرت خداداد ۱۳۵۴ھ صفحہ ۱۴۰

جیل کی مشقتیں جھیل کر ابھی پندرہ مہینے کے بعد ضمانت پر رہا ہوا ہے جس کا نام سنتے ہی اصغر گونڈوی کا یہ شعر یاد آجاتا ہے ؎

یہاں تو عمر گذری ہے اسی موج تلاطم میں
وہ کوئی اور ہوں گے سیر ساحل دیکھنے والے

جہاں تک قوتِ حافظہ میری رفاقت کر رہا ہے حفظ الایمان کی اسی عبارت پر مولوی منظور سنبھلی اور شیر بیشۂ اہلسنت مولانا حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان ادری ضلع اعظم گڑھ میں مناظرہ ہوا تھا اس مناظرہ میں مولوی منظور صاحب کی بدحواسی کا کیا عالم تھا، اس کی شہادت میں شیر کا نام ہی کافی ہے، جن کے تعارف میں اکثر و بیشتر میں اس شعر سے کام لیتا ہوں ؎

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے

ابھی ۹، ۱۰، ۱۱ر نومبر ۱۹۵۶ء کو فخرِ ملت مولانا سید مظفر حسین صاحب کچھوچھوی کے زیرِ اہتمام ایک مناظرہ سرزمینِ احمد آباد میں ہونے والا تھا۔ مولانا کی تقریر پر بعض وہابیوں، دیوبندیوں نے چھیڑ چھاڑ کی تھی لہٰذا امجاہدِ ملت مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت کے اس اصول پر عمل کرتے ہوئے کہ "چھیڑو مت، چھیڑ جائے تو چھوڑو مت" مولانا سید مظفر حسین صاحب نے دیوبندیوں کی اچھی طرح خبر لی، اس مناظرہ کے لئے شیر بیشۂ اہلِ سنت مولانا حشمت علی خانصاحب قبلہ مفتی کانپور حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب، مفتی سنبھل حضرت مولانا اجمل شاہ صاحب، سحبان الہند مولانا ابوالوفا صاحب فصیحی، فاتح جمشید پور حضرت مولانا ارشد صاحب قادری، فاضل بہاری حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب خطیب جامع مسجد بورسد، عالم جلیل حضرت مولانا اشفاق حسین صاحب نعیمی مفتی جودھپور، علم بردار اہلِ سنت حضرت مولانا حاجی علی محمد صاحب ناظم جماعت رضائے مصطفےٰ گجرات، دفتر انچارج تبلیغ سیرت مولانا نثار احمد صاحب مبارکپوری، فاضل گرامی مولانا مشاہد رضا خاں صاحب پیلی بھیتی، راقم الحروف مشتاق احمد نظامی یہ سب کے سب پہنچ گئے تھے، مناظرے کی تاریخ وہی تھی جن دنوں ہندوؤں کی دیوالی پڑ رہی تھی، اسی مناسبت سے خطیب عصر حضرت مولانا ابوالوفا صاحب فصیحی نے برجستہ ایک شعر کہا جس میں شیر بیشۂ اہلِ سنت کا تعارف بھی ہے

اور ساتھ ہی ساتھ یہ شعر رودادِ مناظرہ احمد آباد کا خلاصہ و نچوڑ بھی ہے، شعر سنئے اور غائبانہ طور پر فصیحی صاحب کو داد دیجئے ؎

اللہ رے کس شیر سے اب پڑ گیا پالا
ہندو کی دیوالی ہے وہابی کا دیوالہ

ابھی چند برس ہوئے حفظ الایمان کی اسی عبارت پر "کواتھ"، ضلع آرہ (بہار) میں ایک مناظرہ ہوا تھا جس میں اہلِ سنّت کی طرف سے مولانا ابوالوفا صاحب فصیحی اور دیوبندیوں کی طرف سے مولوی عتیق الرحمٰن صاحب مناظر تھے، اہلِ سنّت کے اسٹیج پر فصیحی صاحب کے علاوہ سلطان المناظرین حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب قبلہ، شمس العلماء حضرت مولانا محمد نظام الدین صاحب مدرس اوّل مدرسہ عالیہ رامپور، فاتح جمشید پور حضرت مولانا ارشد صاحب قادری اور راقم الحروف مشتاق احمد نظامی تھا اور دیوبندی کے اسٹیج پر مولوی عتیق الرحمٰن صاحب کے علاوہ تقریباً دو درجن مولوی این قدر و آں قدر موجود تھے، اس مناظرہ میں دیوبندیوں کی بدحواسی کی یہ کیفیت تھی کہ ان کا مناظر کتاب کو اپنی پشت کے نچلے حصہ پر لیکر کھڑا ہوا۔ اہل سنّت کے مناظر سے نہ رہا گیا تو فصیحی صاحب نے اٹھ کر یہ فرمایا کہ مولانا کتاب کو مقام غلیظ سے ہٹا لیجئے اس میں کتاب کی توہین ہے۔ یہ سنتے ہی دیوبندی مناظر نے کہا مولانا چونکہ اس میں مولانا احمد رضا صاحب کا نام ہے اس لئے ان کو یہیں سے لگائے ہوئے ہیں۔

ناظرین! اسی سے دیوبندیوں کی علمی شرافت و گندہ ذہنیت کا اندازہ کریں کہ وہ کس قدر گستاخ و بے ادب واقع ہوئے ہیں، ہر چند اہلِ سنّت کی طرف سے تہذیب و شرافت، ادب و احترام کی تلقین کی جائے مگر وہ اپنی کج بحثی سے مجبور ہیں "ملا آں باشد کہ چپ نہ شود" کے مطابق کچھ نہ کچھ بڑبڑاتا ہی رہے گا۔

تقریباً ۱۹۵۱ء کی بات ہے برادر گرامی حضرت مولانا محمد سلیم صاحب خطیب جامع مسجد و مہتمم جامعہ عربیہ سلطانپور کی دعوت پر ایک جلسہ میں گیا تھا ان دنوں مولوی عبد الباری دیوبندی کی دعوت پر مولوی مولوی یونس خالدی لکھنوی بھی سلطانپور میں براجمان تھے، چنانچہ مولوی یونس خالدی نے مجھے چیلنج مناظرہ دیا اور تقریباً تین دن تک تحریری مناظرہ کا سلسلہ جاری رہا ایک بار مولوی یونس صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ "آپ بحیثیت مسلم گفتگو کریں گے یا بحیثیت

غیر مسلم ؟

چنانچہ ان کے اس جملے پر میں نے حسب ذیل چند سوالات کیئے

(۱) اسلام و ایمان کا فرق ؟

(۲) ایمان کے بسیط و مرکب ہونے میں محدثین کے اختلافات کی وضاحت اور قول راجح کی تعین ؟

(۳) نحوی اصول سے غیر کے وجوہ اعراب ؟

(۴) منطقی بنیاد پر حیثیت کے جملہ اقسام مع امثلہ۔

(۵) (الف) اسلام و ایمان دو مفہوم کلی ہیں یا جزئی ؟ اگر جزئی ہیں

(ب) تو نسبت اربعہ (تساوی۔ تباین۔ عام خاص مطلق۔ عام خاص من وجہ) میں سے کونسی نسبت ہے؟ اور اگر دو مفہوم جزئی ہیں ؟

(ج) تو جزئی حقیقی ہیں یا اضافی ؟

(د) اور جزئی حقیقی و اضافی کا مقسم کیا ہے ؟

غرضیکہ اس جملے کے ہر ہر ٹکڑے پر میں نے سوالات قائم کیئے اور آخر میں یہ بھی لکھدیا کہ جواب دے کر دو سو روپے کا نقد انعام لیجئے۔ یہ دیکھتے ہی لکھنوی صاحب کے منہ میں پانی آگیا۔ یہاں تک کہ ۹ رجون عبداللہ گنج کا میدان مناظرے کے لئے متعین ہوگیا۔ اہلِ سنّت کے اسٹیج پر میرے علاوہ شمس العلماء حضرت مولانا محمد نظام الدین صاحب قبلہ و فخرِ ملّت حضرت مولانا سید مظفر حسین صاحب کچھوچھوی، عالم جلیل حضرت مولانا محمد سلیم صاحب خطیب سلطانپور اور بلبل ہند جناب اجمل صاحب سلطانپوری موجود تھے۔

اس مناظرے میں مولوی یونس صاحب خالدی کا حال بالکل ایسے ہی تھا کہ السّلام علیکم۔ جواب، " بیگن توڑ رہا ہوں " میں دریافت کرتا تھا کہ اسلام و ایمان میں کون سی نسبت ہے تو آنجناب کبھی تو یہ فرماتے کہ " نسبت " کی تعریف صغریٰ و کبریٰ میں موجود ہے۔ حالانکہ اس جواب کو سوال سے کوئی تعلق نہیں؟ اور جب زیادہ وحشت ہوتی تو بحرانی کیفیت میں فرماتے " نظامی صاحب! میں آپ کو جانتا ہوں کہ آپ جمعیۃ العلماء کے کٹّر دشمن ہیں۔

چند ہی نشست کے بعد وکلا اور دوسرے پڑھے لکھے حضرات یہ کہہ کر جانے لگے کہ دیوبندیوں نے کس جاہل کو بلوایا ہے جو اپنے مخاطب کی گفتگو بھی نہیں سمجھ پاتا۔ اور لوہر دگن کے حاجی محمد حنیف صاحب وغیرہ یہ کہہ کر مخاطب کرتے کہ "خالدی صاحب! کیا یہ دو ستور و پیہ آپ کو کاٹ رہا ہے جواب دے کر روپیہ کیوں نہیں لیتے؟"

غرضیکہ خالدی صاحب اتنی دیر تک کچھ نہ کچھ ہانکتے رہے جب تک یہ امید تھی کہ ابھی فیض آباد کی ٹرین سے مولوی عبدالشکور صاحب یا کوئی اور آجائے گا مگر جب یہ معلوم ہوا کہ ٹرین آگئی اور کوئی نہیں آیا تو خالدی صاحب کا سانس پھولنے لگا اور زبان میں لکنت آگئی بازو پکڑ کر بدقت تمام لوگوں نے انھیں اٹھایا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ لقوہ یا فالج پڑ گیا ہو۔ اپنے مناظر کا یہ حال دیکھکر وکیل معشوق علی جو وہابیوں کے سرغنہ تھے دوڑتے ہوئے "تھانہ" پہنچے اور عزت و آبرو کی دہائی دیتے ہوئے نقض امن کے سہارے "فورس" لے کر پہنچ گئے اور مناظرہ کی کارروائی درہم برہم کرادی۔ مولانا تھانوی نے حفظ الایمان کی عبارت پر یہی آخری حربہ بتلایا تھا جس کو آج تک علمائے دیوبند استعمال کر رہے ہیں۔

نہ پوچھئے مولانا تھانوی کا حال جنھیں رسولِ کریم کی توہین اور اپنے فضل و کمال کے اظہار میں انتہائی غلو تھا۔ اب چند حوالے اور ملاحظہ فرمالیجئے تو دوسرے عنوان پر گفتگو کی جائے۔

مولوی اسماعیل دہلوی نے تو اپنی کتاب "صراطِ مستقیم" میں اپنی یاوہ گوئی کے مطابق یہ لکھ مارا کہ نماز میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا خیال لانا گائے بیل کے خیال لانے سے بدرجہا بدتر ہے۔ معاذاللہ۔ یعنی گائے بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے تو نماز ہو جائے گی مگر رسول اللہ کے خیال لاتے ہی نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہ ہے دیوبندی دھرم میں نماز کی حقیقت؟ مگر اب سنئے تھانوی صاحب کی۔

ملفوظات اشرف العلوم بابت ماہِ رمضان ۱۳۵۵ھ صہ ۸۳ نمبر ۲۹۸۔

> "کسی نے خط میں لکھا کہ اگر آپ (تھانوی صاحب) کی صورت کا تصور کر لوں تو نماز میں جی لگتا ہے، فرمایا جائز ہے، دو شرط سے۔ ایک یہ کہ اعتقاد میں مجھے حاضر و ناظر نہ سمجھے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس کی اطلاع کسی کو نہ دے

یہ تصور خطرات کے علاج کے درجہ میں ہے کیونکہ یہ بھی توجہ الی اللہ ہونے کا ایک ذریعہ ہے اس سے توجہ اور یکسوئی الی اللہ ہوگی پس مقصود کا مقدمہ ہے خود مقصود نہیں۔"

غضب خدا کا! یہ اندھیر تو دیکھئے کہ محبوب کردگار صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خیال لانے سے نماز جاتی رہے مگر مولانا تھانوی کی صورت کا تصور، مقدمہ عبادت اور توجہ الی اللہ کا ذریعہ قرار پائے۔ کیوں نہ ہو۔ ع

"خدا سر دے تو سودا کسی زلف پیچاں کا"

مولانا تھانوی صاحب کے درجات اس وقت تک پایۂ تکمیل کو نہ پہنچے تاوقتیکہ بیگم صاحبہ نہ آگئیں یعنی مولانا تھانوی کی نماز میں بیگم صاحبہ کا تصور تقرب الی اللہ کا ذریعہ تھا اور مریدین کی نماز میں تھانوی صاحب کا تصور۔ البتہ یہ بات محل غور ہے کہ بیگم صاحبہ کی نماز میں کس کا تصور توجہ الی اللہ کا ذریعہ تھا۔

صراط مستقیم کی عبارت کا تذکرہ کرتے ہوئے مجھے اپنے محب مخلص عندلیب گلشن رسالت جناب رازؔ صاحب الٰہ آبادی کا ایک شعر یاد آگیا ؎

وہ سجدہ تو سجدہ ہوا ہی نہیں
کہ سر جھک گیا دل جھکا ہی نہیں

ایک بار جناب رازؔ صاحب اپنے ایک ادبی دوست جناب امیدؔ صاحب ڈیبادی کو میرے پاس بغرض ملاقات لائے۔ دفتر پاسبان میں کچھ دیر شعر و سخن کی مجلس گرم رہی، جناب امیدؔ صاحب وقت کے ایک کامیاب شاعر ہیں، انھوں نے بھی اپنا کلام پیش فرمایا جس کا ایک شعر موقع ومحل کے مناسب حاضر ہے ؎

وائے ناکامئ زاھد کہ جبیں پر اس کی
داغ سجدہ تو بنا داغِ محبت نہ بنا

حضرات دیوبند کا یہی حال ہے کہ پیشانی توے کی کالکھ سے زیادہ کالی ہوجائے مگر دلوں پر نور نبوت کی جھلک نہ پڑ سکے۔ بقول حسان الہند جناب بیکلؔ صاحب بلرامپوری کہ دیوبندیوں کے دل کی سیاہی پیشانی پر ابھر آئی ہے۔

تھانوی صاحب کی رسول دشمنی سے بھرپور ایک اور عبارت ملاحظہ کیجئے اور ان کی گندہ ذہنیت پر ماتم کیجئے۔

رسالہ الامداد۔ ماہ صفر ۱۳۳۵ھ

"ایک ذاکر صالح کو مکشوف ہوا کہ احقر (اشرف علی تھانوی) کے گھر حضرت عائشہ آنے والی ہیں، انھوں نے مجھ سے کہا! میرا (اشرف علی) کا ذہن معًا اسی طرف منتقل ہوا کہ کمسن عورت ہاتھ آئے گی کہ اس مناسبت سے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے نکاح کیا تو حضور کا سن شریف پچاس سے زائد تھا اور حضرت عائشہ بہت کم عمر تھیں وہی قصہ یہاں ہے۔"

نوٹ ؎ وحشت میں ہر اک نقشہ الٹا نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

یہی حال ہے تھانوی صاحب کا! کجا امّ المومنین سیدہ طیبہ طاہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جن کی دینی فراست اور تفقّہ فی الدین پر اجل صحابہ وخلفاء راشدین کو اعتماد وبھروسہ تھا، جن کی شانِ عفت پر آیات کا نزول ہوا" صحابہ کے پُرپیچ مسائل کی گرہوں کو جن کے ناخن تدبیر نے کھول دیا! جس نے بلا واسطہ درسگاہِ نبوت سے فیض حاصل کیا ہو، جس کے مقدس وپاکیزہ حجرہ میں بارہا جبرئیل امین وحی الٰہی لے کر حاضر ہوئے ہوں۔ ہاں وہی! سیّدہ عائشہ جن کے لئے قرآن مجید کا ارشاد محکم ہے کہ "النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم۔

اور کہاں مولانا تھانوی کی بیگم جن کے آتے ہی مولانا تھانوی کی دنیا وآخرت دونوں برباد ہوگئی۔ کہاں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم اور کہاں مولانا تھانوی کی بیگم۔

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

وہ سیدہ عائشہ! جن کا تذکرہ قرآن مجید میں، جن کا ذکر جمیل احادیثِ رسول میں جن کے محاسن اخلاق تاریخ اسلام میں، غرضیکہ جن کا تذکرہ خانہ کعبہ اور مسجد نبوی میں، مسجد خانقاہ میں، جن کا تذکرہ صدیقین، صالحین، شہداء، ائمہ مجتہدین، اکابر محدثین، علماء واولیاء

کی زبانوں پر غرضیکہ وہ عائشہ جن کا تذکرہ فرش پر عرش پر، ملائکہ کی بزم قدس میں حتیٰ کہ بارگاہِ الوہیت میں۔"

افسوس ہے کہ تھانوی صاحب کی ناپاک ونجس ذہنیت پر "چھوٹا منہ اور بڑی بات" اپنی خباثتِ باطنی کی بنا بر فرماتے ہیں "وہی قصہ یہاں بھی ہے جیساکہ محبوب کردگار اور سیدہ عائشہ کی شادی کا تھا" معاذاللہ ثم معاذاللہ اور آنجناب کی بازاری بول تو ملاحظہ فرمایئے کہ "میں سمجھ گیا کوئی کمسن عورت ہاتھ آئے گی۔ اس جملہ میں "ہاتھ آئے گی" کا ٹکڑا خصوصیت سے قابلِ توجہ ہے، اہلِ ادب و اہلِ زبان اچھی طرح واقف ہیں کہ اس کا موقع استعمال کیا ہے" اور "کمسن عورت ہاتھ آئے گی" کا جملہ مولانا تھانوی کے لذتِ نفسانی وجذبۂ شہوانی پر کس حد تک غماز ہے۔ مریدین تو یہ سمجھ چکے تھے کہ حضرت پیرومرشد اب ضعیف و ناتواں ہو چکے ہیں مگر پیر صاحب بڑھاپے میں بھی عشق بازی کر بیٹھے ؎

جاں بازوں کے سینے میں ابھی اور بھی دل ہیں
پھر دیکھیئے اک بار محبت کی نظر سے

اس پر غضب یہ ڈھایا کہ اسی شادی کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ قرار دیا ——
"ایک تو کریلا اور وہ بھی نیم چڑھا"

کچھ عجب اتفاق ہے، اکابر دیوبند کے جتنے بھی فضائل و مناقب ہیں وہ سب خواب ہی کے راستے آتے ہیں، جب وحشت بڑھتی ہے تو کسی نہ کسی من گڑھت خواب سے اپنے مولویوں اور مدرسے کی فضیلت بیان کرتے ہیں۔ ایک خواب ملاحظہ کیجئے، براہین قاطعہ مطبوعہ ساڈھورہ ص۲۶۔

"ایک صالح، فخر عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے تو آپ کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پوچھا کہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آگئی آپ تو عربی ہیں؟ فرمایا جب سے علماء مدرسہ دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا ہم کو یہ زبان آگئی۔ سبحان اللہ اس سے رتبہ اس مدرسہ کا معلوم ہوا"

نوٹ جناب امیر نے تو یہ فرمایا تھا کہ۔

حضرت کا علم علمِ لدنّی تھا اے امیرؔ
حضرت وہیں سے آئے تھے لکھے پڑھے ہوئے

اس شعر میں مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا بلکہ اس میں اس حدیث کا مفہوم ہے جیسا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (علمنی ربی فاحسن تادیبی) "یعنی میرے رب نے میری بہترین تعلیم و تربیت فرمائی) یہ تو حضور کا فرمانا ہے مگر علماء دیوبند کا یہ کہنا ہے کہ اس تعلیم میں کچھ کمی تھی جس کی تکمیل مدرسہ دیوبند میں ہوئی ۔ مثلاً سرکارِ دو عالم اردو نہ جانتے تھے مگر اس وقت آئی جب ہم " علماء دیوبند" سے سیکھا " یہ ہے استاد بننے کا جذبہ ملعون کبھی تو بڑے بھائی کا رشتہ جوڑا اور کبھی استادی و شاگردی کا اور خود آنجناب کی اردو کا یہ عالم ہے کہ " آپ کو یہ کلام کہاں سے آگئی " اتنی خبر نہیں کہ کلام مذکر ہے یا مؤنث مگر استاد بننے کا جذبۂ شیطنت اکسا رہا تھا کہ لکھ مارو خواہ داغؔ کی روح اپنی قبر میں تڑپتی ہی کیوں نہ رہے ۔ کیا حضرت داغؔ نے اسی دیوبندی اردو کی تعریف میں کہا تھا ؂

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغؔ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

داغؔ نہ سہی تو کوئی جانشین داغؔ ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی سے دریافت کرے کہ اس دیوبندی اردو نے آپ کی شاعرانہ فطرت اور نازک طبیعت پر کیا ستم ڈھایا؟ غالباً ابھی تک یہ دیوبندی اردو شعرائے لکھنؤ کی نظر سے نہیں گزری ورنہ اب تک کوئی ایجی ٹیشن ہو گیا ہوتا اور ..... جناب حافظ شفیق الرحمٰن مرحوم کا حلقہ ادب بھی اس سے شناسا نہیں ورنہ اب تک ان کے لطائف و ظرائف کی فہرست میں اس کو جگہ مل گئی ہوتی ۔

اے کاش علمائے دیوبند کبھی مقام نبوت کی عظمت و برتری کا صحیح اندازہ کر کے اپنی گندہ و توہین آمیز عبارات پر سنجیدگی سے غور کرتے اور سوچتے کہ کیا یہ شایانِ شانِ نبوت ہے ۔ اللہ کا نبی مدرسہ دیوبند میں آ کر اردو حاصل کرے حالانکہ یہ وہی نبی محترم ہے کہ جو کبھی بالواسطہ اور کبھی بلاواسطہ جبرئیل امین اپنے رب قدیر سے ہمکلام ہوتا ہے ۔ شفیق صاحب نے کتنی پیاری بات کہی ہے ؂

وہ سو جائیں تو معراج منامی ❊ وہ جاگیں تو خدا سے ہمکلامی

مدرسہ دیوبند کی تعریف کے لئے اور بھی بہت سے قصص و واقعات مل جاتے مگر اس کو کیا کہیئے کہ تنقیص نبوت ہی سے حضرات دیوبند کے ذوقِ تالیف کی تشنگی بجھتی ہے حالانکہ اگر یہ لوگ غور و فکر سے کام لیتے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ سرکارِ دو عالم کا اردو زبان میں گفتگو کرنا علماء دیوبند کی زبان عربی سے جہل و لاعلمی کی دلیل ہے، چونکہ آقائے دو عالم جانتے تھے کہ یہ نام نہاد عربی مدرسہ ہے مگر یہاں کے لوگ عربی سمجھتے نہیں اس لئے اردو میں گفتگو فرمائی۔

جناب تھانوی صاحب کے جذبہ خود ستائی کی دوسری چند مثالیں جلد دوم میں ملاحظہ فرمایئے گا، اب تھانہ بھون سے چل کر اجودھیا پہنچئے اور ایک کھدر پوش کی زندگی کا جائزہ لیجئے۔

شیخ الاسلام نمبر کا سرسری جائزہ

یہ کانگریسی ملا میں تم کو بتاؤں کیا ہیں
گاندھی کی پالیسی کے عربی میں ترجمہ ہیں۔ اکبرالہ آبادی

جناب مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی جمعیۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند کے صدر تھے جن کی سب سے پہلی تالیف "الشہاب الثاقب علی المشرق الکاذب" ہے جس کو دیکھ کر ٹانڈوی صاحب کے آوارگی قلم کا پتہ چلتا ہے۔ مفتی سنبھل حضرت مولانا اجمل شاہ صاحب قبلہ نے "ردِ شہاب ثاقب" میں چھ سو چالیس ۶۴۰ گالیوں کی فہرست مرتب کی ہے جو جناب ٹانڈوی نے سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی شانِ گرامی میں استعمال کی ہیں۔

جن میں سے دس پانچ کا تذکرہ اس لئے کیا جاتا ہے کہ جناب ماہر القادری صاحب مدیرِ فاران، جناب روحی صاحب مؤلف آئینہ صداقت، تکفیری افسانے کے مؤلف اور جناب اسعد صاحب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے شیخ کی مشیخت ملاحظہ فرمائیں۔

مجدد التکفیر، دھوکا باز، فریبی، مکار، مجدد التضلیل، دجالِ بریلوی، افترا پرداز، دروغ گو بہتان تراش، دجال ناپاک مجدد المفترین شیطنت کا جال پھیلانے والا، روافض کے چھوٹے بھائی اہل ہوا و بدع ابلیس لعین کا شاگرد، عبدالدینار والدراہم، گمراہ بے دین کج فہم بے عقل، بے علم بے شعور، یاللعجب۔ ایک سو بیس ۱۲۰ صفحے کی "شہاب ثاقب" میں چھ سو چالیس گالیاں اب

اسی سے اہلِ نظر ٹانڈوی صاحب کی سنجیدگی یا ان کی ہذیان گوئی کا اندازہ کر سکتے ہیں حالانکہ سیدنا امام احمد رضا فاضلِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ گرامی وہ ہے جن کو علماء عرب و عجم نے نہ جانے کتنے عظیم المرتبت و رفیع الدرجات القاب و خطابات سے یاد کیا ہے، جن میں سے دو چار کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

عالم جلیل، علامہ کامل، استاذ ماہر، دقائق کا خزانہ، روشن ستارہ، نادرِ روزگار، وحید عصر، یگانہ وقت، صدی کا مجدد، صاحب عدل، عالم باعمل، مرکزِ دائرہ علوم، کریم النفس، اکابر علماء کی آنکھوں کا ٹھنڈک صاحب تصانیف مشہورہ و رسائل کثیرہ، مستحبات و سنن، واجبات و فرائض پر محافظ، قلم کا بادشاہ، زبان کا دھنی، عاشقِ رسول، عرفان و معرفت والا، ولی کامل، عارف باللہ، قطب وقت، منبع علم، شریعت و طریقت کا سنگم وغیرہ وغیرہ۔ وہ اپنے فضائل و محاسن میں اتنے بلند ہیں کہ ان کے تلوے تک اپنے سر کی رسائی نہیں، امام المحترم ہی کے ایک شعر پر اس عنوان کو ختم کئے دیتا ہوں ے

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

اس میں شبہ ہی کیا ہے جس عنوان پر قلم اٹھایا علم و فن کے دریا بہا دیئے، سیف قلم کی روانی کا یہ عالم کہ چُن چُن کے ایک ایک کا سر قلم کر لیا۔ کوئی سوچے تو سہی ایک طرف وہابیہ، دیابنہ کی ٹڈی دل فوج پھکڑ تھی، اور دوسری جانب ایک نحیف و ناتواں جو پیکر علم و ادب تھا بیک وقت فتاوی رشیدیہ، تقویۃ الایمان، تحذیر الناس، براہین قاطعہ جیسے مصنفین کا ناطقہ بند کر دیا جس سے ان کے چہرے پر اوس پڑ گئی اور کتابوں کا بازار سرد پڑ گیا یہ وہی امام احمد رضا ہیں جب ان کا پرچم اقبال لہرایا تو مشرق و مغرب، شمال و جنوب کے اکابر و اعاظم نے خراج عقیدت پیش کیا، آج بھی جس کا جی چاہے فتاوی افریقہ، حسام الحرمین فتاوی رضویہ جیسی بلند پایہ کتابوں کو دیکھ کر اپنا اطمینان حاصل کر لے، ہم انھیں کے الفاظ میں آج بھی انھیں اس طرح یاد کرتے ہیں ے

کیوں رضا آج گلی سونی ہے ∴ اُٹھ مرے دھوم مچانے والے

افسوس کا مقام ہے کہ وقت کی ایسی ممتاز شخصیت سے متعلق مولانا ٹانڈوی کے ایسے گندہ خیالات، حالانکہ یہ وہی ٹانڈوی ہیں جن کے بارے میں ڈاکٹر اقبال کا کہنا ہے ؎

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی رائے یہ ہے

مسئلہ قومیت ص۶۳

"میں صاف کہتا ہوں کہ ان (مولوی حسین احمد) کے نزدیک کونسلوں اور اسمبلیوں کی شرکت کو ایک دن حرام اور دوسرے دن حلال کر دینا ایک کھیل بن گیا ہے اس لئے کہ ان کی تحلیل و تحریم حقیقت نفس الامری کے ادراک پر تو مبنی نہیں محض گاندھی جی کی جنبش لب کے ساتھ ان کا فتویٰ گردش کرتا ہے۔"

لگے ہاتھ دارالعلوم دیوبند کے مفتی کا ایک فتویٰ ملاحظہ کر لیجئے جو مولوی قاسم نانوتوی سے متعلق ہے۔

"تجلی" ص۱۵ فروری مارچ ۵۷ء

("اب ہم آپ کو یہ بتادیں کہ "ماہنامہ دارالعلوم" کے قلمکاروں کو اگر جنید و غزالی یا امام ابوحنیفہ کی بھی کسی عبارت کے متعلق غلطی سے یہ یقین ہو جائے کہ مولانا مودودی کی ہے تو اس کے مفہوم اور تعبیرات کو وہ الحاد و زندقہ اور خروج اعتزال کی حدوں سے ملانے کی سعی کریں گے اور خوش ہوں گے کہ قوم کی بڑی خدمت انجام ہے۔")

اب ذرا اس فتوے پر خیال فرمایئے جو مولانا قاسم کی ایک عبارت کو مولانا مودودی کی تحریر سمجھ کر دو سال بعد مفتیانِ دارالعلوم دیوبند نے دیا اور اوس کی پوری تفصیل نہ صرف "تجلی" اپریل ۵۶ء میں چھپی بلکہ "دعوت" دہلی اور بہت سے اخباروں میں چھپی اور مہتمم دارالعلوم کو ماننا پڑا کہ ہاں یہ فتویٰ ہمارے ہی مفتیوں نے دیا ہے، ذرا ایک بار پھر

اس فتوے کے الفاظ مقدسہ ملاحظہ فرمائیے جائیں

"ایسے عقیدے والا کافر ہے (یعنی مولوی قاسم نانوتوی) جب تک
تجدید ایمان اور تجدیدِ نکاح نہ کرلے اس سے قطع تعلق کریں"
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اہلِ سنّت کے مقابل کہاں تو یہ ڈھونگ رچایا جاتا ہے کہ کافر کو بھی کافر نہ کہو شاید مسلمان ہو جائے اور مشغلہ کافر سازی کا یہ عالم کہ بانی دارالعلوم دیوبند مولوی قاسم نانوتوی تک کو نہ چھوڑا، آخرش انھیں کافر بنا ہی کر رہے اب تحذیر الناس ہی پر رونا کیا ہے

میں اس عارفانہ تجاہل کے صدقے
ہر اک دل کو چھید امرا دل سمجھ کے

مولانا طانڈوی سے متعلق مولانا ابو محمد امام الدین رام نگری کی رائے۔

تجلی ص۵۵ فروری/مارچ ۵۷ء

"آجکل کی سیاست کا سنگ بنیاد پروپیگنڈہ ہے، ایک زمانے سے موجودہ سیاست کے ساتھ حضرت مولانا مدنی کی وابستگی نے ان کے مزاج و مذاق کو بھی پروپیگنڈے کے سانچے میں ڈھال دیا ہے"

"تجلی" ص۶۳ فروری/مارچ ۵۷ء

"معاذاللہ! کتنے فتنہ انگیز توہمات ہیں کیا کسی ذمہ دار شخص کے قلم سے اتنے غیر ذمہ دارانہ اور خلافِ حقیقت الفاظ نکل سکتے ہیں؟ اسی شر انگیزی اور افترا پردازی کا نتیجہ ہے کہ حضرت مولانا مدنی اور اکابر دیوبند کے معتقدین، متبعین جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والوں کو مسجد کی امامت اور مدرسوں کی مدرسی سے علیحدہ کر دیتے ہیں"

مولانا طانڈوی جن کو ان کے متوسلین بھی شر انگیز و فتنہ پرداز سمجھتے ہوں، اگر انھوں نے سیدنا امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کو چھ سو گالیاں دیں تو کیا مقام تعجب!
مولانا رام نگری کی نظر میں مولانا طانڈوی کم ظرف تھے۔ "تجلی" ص۶۴، فروری و مارچ ۵۷ء

"لیکن مولانا مدنی نے مولانا مودودی کے اس حسن ظن کو تلبیس قرار دیا ہے، جس کی نسبت اس کے سوا اور کیا عرض کیا جائے کہ یہ ظرف ظرف کی بات ہے، مولانا مودودی نے اپنے ظرف سے کام لیا اور مولانا مدنی نے اپنے ظرف سے۔"

تجلی ص۶۷، فروری مارچ ۵۷ء

"مجھے بڑے رنج و افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے حضرت مولانا مدنی نے کسی مسئلے اور کسی معاملے میں بھی حقیقت پسندی اور ذمہ داری سے کام نہیں لیا ہے... الخ۔"

تجلی ص۶۹، فروری مارچ ۵۷ء، مولانا ٹانڈوی سے متعلق ایک شعر سنیئے۔

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ
انا الحق کہو اور پھانسی نہ کھاؤ

تجلی ص۶۹، فروری مارچ ۵۷ء

"مولانا مودودی کا زیر بحث جواب ہو یا ہمارا یہ جائزہ دونوں کا مقصد حضرت مولانا مدنی کے بہتان و افترا کی تردید ہے ہم میں سے کسی کا مشغلہ بھی کافر سازی نہیں ہے، اس قسم کی مہم تو حضرت مولانا مدنی نے ہی چلا رکھی ہے۔"

اختتام گفتگو سے پہلے مناسب جانتا ہوں کہ "الشہاب الثاقب[1]" سے متعلق انھیں کے گھر کا نظریہ پیش کر دیا جائے بلکہ مولانا ٹانڈوی کے ایک تلمیذ رشید کی رائے جو دیوبند ہی کے فاضل ہیں اور ٹانڈوی صاحب کے مزاج آشنا ہیں۔

رد شہاب ثاقب[2] پر نقد و نظر کرتے ہوئے جناب عامر صاحب عثمانی کا نظریہ

تجلی فروری مارچ ۵۹ء

"مصنف نے شروع میں شہاب ثاقب میں سے ۱۴۶ ایسے الفاظ کی

---

[1] مولانا ٹانڈوی کی کتاب ہے۔ [2] مفتی سنبھل مولانا اجمل شاہ کی کتاب جو شہاب ثاقب کے رد میں ہے

فہرست دیدی ہے جوان کے لفظوں میں موٹی موٹی گالیاں ہیں واقعی مولانا مدنی نے اس کتاب میں جس طرح کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں انھیں موٹی موٹی گالیاں نہ سہی، مہذب گالیاں کہنا ضرور حق بجانب ہے۔"

عامر صاحب اب کون آپ کو سمجھائے! مولانا مودودی اور جماعت اسلامی سے متعلق مولانا ٹانڈوی کے نرم و نازک جملے آپ برداشت نہ کر سکے "تجلی" کے صفحات کے صفحات سیاہ کر ڈالے، استاد و شاگرد کا رشتہ و ناطہ ہونے کے باوجود انھیں آپ نے بیچ چوراہے پر ننگا کھڑا کر دیا، اور سیدنا امام احمد رضا کے بارے میں ۲۸۶ ایسے پھوہڑ اور نار وا کلمات جن کے کہنے میں لکھنؤ کے مسخرے بھی شرمائیں وہ آپ کی نظر میں مہذب گالیاں ہیں، اس کے سوا اب اور کیا کہا جائے ؎

نشانِ برگِ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں

ہاں جناب عامر صاحب! ایک بات تو فرمائیے کہ "رد شہاب ثاقب" پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے حضرت علامہ مولانا اجمل شاہ صاحب پر طعن و تشنیع کی ہے کہ "الشہاب الثاقب" کو مولانا ٹانڈوی کی معرکۃ الآرا کتاب کہنا درست نہیں ہے چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

تجلی فروری مارچ ۵۹ء ص۷۹

"کتاب کی لوح پر مولانا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "شہاب ثاقب" کو دیوبندیوں کی معرکۃ الآرا کتاب لکھا گیا ہے، یہ مصنف کی خوش فہمی ہے کور اور کج فہم عقیدت مندوں کے سوا کوئی بھی سنجیدہ دیوبندی یہ غلط فہمی نہیں رکھتا۔"

اب آپ ہی سے دریافت کرنا ہے کہ مولوی حبیب الرحمن اعظمی صاحب شیخ الحدیث استاذ مولوی منظور صاحب نعمانی یہ کور اور کج فہم دیوبندی ہیں یا کوئی سنجیدہ دیوبندی ہیں، انھوں نے "شہاب ثاقب" کو مولانا ٹانڈوی کا فاضلانہ رسالہ کہا ہے۔ حوالہ ملاحظہ کیجئے۔

شیخ الاسلام نمبر ص۲۳

"اُسی دور کی یادگار آپ کا فاضلانہ رسالہ "الشہاب الثاقب" ہے جسمیں بریلوی فتنہ کی آپ نے بیخ کنی کی ہے۔"

اب آپ اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی آپس میں سمجھوتہ کرلیں کہ آپ دونوں میں کون کج فہم اور کون سنجیدہ ہے اور اتنا ہی نہیں خود اپنے شیخ الزمین والآسمان کی "شہاب ثاقب" سے متعلق رائے ملاحظہ کیجئے اور عبارت کے تیور سے سمجھنے کی کوشش کیجئے" کہ یہ اندازِ بیان کسی معرکتہ الآرا کتاب کے لئے ہوسکتا ہے یا کسی گھٹیا کتاب کے لئے۔ یہ بات اور ہے کہ وہ ہماری نظر میں گھٹیا درجے اور تھرڈ کلاس کی بھی نہیں ہے مگر آپ کی دنیا میں وہ معرکتہ الآراء ہے۔ اسلئے ردّ شہاب ثاقب کے مصنف مولانا اجمل شاہ صاحب کو آپ طعنہ دینے میں آپ حق بجانب نہیں ہیں۔

مکتوبات شیخ جلد دوم ص ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹،

"بیشک کتاب" الشہاب الثاقب علی المشرق الکاذب مری پہلی تصنیف ہے جو کہ مولوی احمد رضا خان بریلوی کے ردّ حسام الحرمین کے خلاف لکھی گئی ہے۔"

یہ بحث جملہ معترضہ کے طور پر آگئی، مقصود نگارش یہ ہے کہ" الشہاب الثاقب" کے طرز تحریر پر خود فضلاء دیوبند کو بھی ندامت و پشیمانی ہے۔

تجلی فروری مارچ ۱۹۵۹ء ص ۶۴

"ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نہ صرف" الشہاب الثاقب کا اندازِ تحریر واقعی غیر محمود و لائق اجتناب ہے بلکہ ہم وہابیوں کے اور بھی بزرگوں سے کہیں کہیں از راہِ بشریت الفاظ و انداز کی ایسی لغزشیں ہوگئی ہیں کہ انھیں قابلِ اصلاح کہنا چاہیئے۔"

ع جادو وہ ہے جو سر چڑھ کے بولے

کیسی حرماں نصیبی ہے کہ احساس خطا و اصلاح کے باوجود اصلاح کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھتا بلکہ اس طرف توجہ دلانے سے چیلنج مناظرہ دیا جاتا ہے۔

ع خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

اب الشہاب الثاقب اور مولانا ٹانڈوی سے متعلق عامر صاحب کی آخری رائے ملاحظہ

کیجئے۔ "تجلی" فروری مارچ ۵۹ء صہ ۸۴ کالم ۲۔

" ہم مولانا مدنی کے محبین و مقلدین چاہیں تو اس کتاب سے خاصی عبرت پکڑ سکتے ہیں۔ مولانا موصوف نے الشہاب الثاقب میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کے ساتھ انصاف نہیں کیا تھا (چند سطر بعد) اور بعض عقائد کے بارے میں علمی اختلاف کی بجائے تبرا بازی اور سب و شتم کا راستہ اختیار کیا تھا گویا حمیت دین اور حمایت حق کے جذبہ میں غیر معمولی حد تک مشتعل ہو جانا اور علمی ثقاہت کو جذباتی ہیجان کی تاخت سے بچانا ان کا (مولانا ٹانڈوی کا) دیرینہ وصف رہا ہے۔"

یہ ہے شہاب ثاقب اور مولانا ٹانڈوی سے متعلق فاضل دیوبند کی رائے اگرچہ یہ اور بات ہے کہ مولانا ٹانڈوی نے سیدنا امام احمد رضا کو جو کچھ کہا ہے وہ عامر صاحب کی نگاہ میں مہذب گالی ہے اور جب ٹانڈوی صاحب نے عامر صاحب کے چہیتے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف رُخ کیا تو ٹانڈوی صاحب گلہیر اور تبرا باز ہو گئے۔ جناب عامر صاحب کے اس مخلصانہ فیصلہ پر اس کے سوا اور کیا کہا جائے ؎

تیر پہ تیر چلاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے
سینہ کس کا ہے مری جان جگر کس کا ہے

تصویر کا دوسرا رُخ

چونکہ شہاب ثاقب کا تذکرہ آ گیا تھا اس لئے ذیلی اور ضمنی طور پر چند اشارے کر دیئے گئے ورنہ اس کی تفصیلی بحث جلد دوم میں آئے گی۔ اب مولانا ٹانڈوی کے جاں نثاروں کی پیر پرستی اور غلوئے محبت میں بے پر کی اڑان ملاحظہ کیجئے اور اندازہ کیجئے کہ ہر وہ چیز جو اجمیر و کلیر میں شرک و بدعت ہے وہ مولانا ٹانڈوی کی بارگاہ میں عین اسلام و اتباعِ اسلاف و صالحین کی آئینہ دار ہے ؎

لطفِ جاناں دھیرے دھیرے آفت جاں ہو گیا
ابرِ رحمت اس طرح برسا کہ طوفاں ہو گیا

اس وقت میرے پیشِ نظر جناب قاری فخرالدین صاحب گیاوی کی " نذرِ عقیدت"

نامی کتاب ہے جس کے تعارف میں مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی کی ایک سطر ملاحظہ فرمائیں تاکہ اطمینان قلب حاصل ہو۔

نذرِ عقیدت ص ۳

"آج آپ کے ہاتھوں میں رُوح القدس کی تائید یافتہ شاعری کا ایک نمونہ پیش ہو رہا ہے"۔

اسی کتاب کا وہ شعر جو سرِ ورق لایا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں

دو مدینہ والے مرے دل کے مالک بن گئے
اک نبی اللہ کا اور اک ولی اللہ کا

اب تک تو پوری ملّتِ اسلامیہ یہی جانتی اور سمجھتی رہی کہ "مدینہ والے" سے اشارہ مدنی تاجدار آقائے دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے، لیکن اب اس میں بٹوارہ ہو گیا کہ اس سے مراد سرکارِ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں یا کھدر پوش اجودھیا باشی مولانا ٹانڈوی ہیں؟

توحید پرستی کے نشہ میں بے لگام شرابی کی طرح یہ کہہ گئے "جس کا نام محمّد یا علی وہ کسی چیز کا مختار نہیں" اور پیر پرستی کا یہ عالم کہ مولانا ٹانڈوی دل کے مالک بن بیٹھے۔ اور یہ اُلٹی منطق سمجھ میں نہ آئی کہ حضرت بلال جیسے عاشقِ رسول کو "حبشی" اور حضرت سلمان کو "فارسی" اور حضرت صہیب کو "رومی" کہا جائے لیکن اجودھیا باشی کو مدنی کہا جائے ؎

حیراں ہوں دل کو رُوؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدر ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں!

نذرِ عقیدت ص ۵ کی چند سطریں ملاحظہ فرمائیں۔

"یہ (یعنی مولانا ٹانڈوی) انسان ہے یا کوئی فرشتہ؟؟ نہیں نہیں!! میرا ضدّی قلب اس کو بھی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوا کہ وہ انوارِ قدسیہ کا سرچشمہ فرشتہ ہو سکتا ہے"۔۔۔ چند سطر بعد تو پھر آخر وہ کیا ہے؟ وہ انسان ہی ہے؟؟ اگر ہے تو ہوگا لیکن ہاں ہاں وہ ان انسانوں جیسا انسان تو نہیں ہے (اور یقیناً نہیں ہے) جنھیں عام طور پر آنکھیں دیکھتیں، کان ان کی

بات سننے اور دل ان کی صحبتوں سے تاثرات کے حصے حاصل کرتے رہتے ہیں"۔ چند سطر بعد
" زیادتی تفکر نے تحیر کو فراوانی بخشی اور بالآخر کسی فیصلہ کی حد تک پہنچے ہوئے قلبِ مضطر عقیدت و محبت کی زنجیروں میں جکڑ گیا"۔

اب فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے کہ جناب ٹانڈوی صاحب کے بارے میں گیاوی صاحب کوئی فیصلہ نہ کر سکے لیکن دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث سے لیکر چپراسی تک کا یہ آخری فیصلہ ہے کہ سیدِ عالم محبوب کردگار صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے جیسے ایک بشر تھے ایک معمولی بشر تھے یا محض بشر تھے وغیرہ وغیرہ دیوبندی مکتبۂ فکر کا ایک بے شعور بچہ جس کو پائجامہ باندھنے کی تمیز نہیں وہ برخوردار بھی یہ کہتے پھرتے ہیں کہ" رسول اللہ تو ہمارے جیسے بشر تھے زیادہ سے زیادہ ایسے ہی جیسے "گاؤں کا چودھری" معاذ اللہ ثم معاذ اللہ یہ ہے حضرات دیوبند کی ایک ناپاک ذہنیت مگر مجھے اجازت دیں جناب گیاوی صاحب کہ جب ان کے پیر و مرشد مولانا ٹانڈوی خدا و نبی نہ تھے انسان اور فرشتہ بھی نہیں تھے تو آخرش تھے کیا؟ جن، دیو، بھوت وغیرہ وغیرہ اُس وقت عالمِ حیرانی میں کوئی فیصلہ نہ کر سکے تو اب بہ درستگی ہوش و حواس کوئی فیصلہ صادر فرمائیں۔

نذرِ عقیدت ص ۳۹

" مری بگڑی بنادے کردے میرا کام اے ساقی
قیامت تک نہ بھولوں گا میں تیرا نام اے ساقی"

اس شعر میں مولانا ٹانڈوی سے بگڑی بنانے اور حاجت روائی کی درخواست ہے البتہ درود تاج پڑھنا شرک ہے چونکہ اس میں رسولِ خدا سے حاجت روائی التجا ہے۔

نذرِ عقیدت ص ۷

" میں بارہا بعض بعض جسمانی امراض میں مبتلا ہوا اور شافی مطلق کے اس پیارے بندے (یعنی ٹانڈوی) کی صرف زیارت کرکے شفا کی دولت سے مالامال ہوا۔

نذرِ عقیدت ص ۷ حسب ذیل عبارت میں اقرار توسل کے ساتھ پیر پرستی کا تیور ملاحظہ کیجئے۔

"میں نے جس دُعا میں بھی اس مظہر انوارِ خداوندی کا توسّل کیا وہ دعا فرش سے چل کر یقیناً عرش تک پہنچی اور خلعتِ قبولیت کا اکتساب کر کے رہی تھیں اس سے کیا! میں نے دیکھا، اور بہت کچھ دیکھا، تمہیں نظر نہ آیا تو چھوڑو! للہ مجھے نہ چھیڑو!!

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

نذرِ عقیدت ص۱۱

"تیرے (یعنی مولانا ٹانڈوی) قدموں سے لپٹ کر اپنی کامیابی کی سفارش کرانا چاہوں گا تیرے پیچھے پیچھے شافعِ محشر قاسمِ جامِ کوثر تک پہنچنے کی تمنا کروں گا" ـــــ چند سطر بعد

"تیری ادنیٰ سی توجہ بھی انشاء اللہ تعالےٰ میری نجات کے لئے کافی ہو کر رہے گی"

دیوبندی دھرم میں تو رسولِ خدا اپنی بیٹی فاطمہ کے کام نہ آئیں گے بلکہ خود حضور کو اپنا حال نہیں معلوم کہ ان کے ساتھ قیامت میں کیا معاملہ ہوگا مگر مولانا ٹانڈوی کی ادنیٰ سی توجہ گیاوی صاحب کی نجات کے لئے کافی ہے۔

نذرِ عقیدت ص۱۵ ـــــ خدا تک میں رسائی چاہتا ہوں
وسیلہ ہے میرا وہ شیخ اعظم

نذرِ عقیدت ص۱۸ ـــــ شفیع الوریٰ تک پہنچ جاؤں گا میں
پکڑ لوں گا جب حشر میں تیرا داماں

نذرِ عقیدت ص۱۹ ـــــ علی سے ملی تجھ کو مشکل کشائی!!
نہ کیوں مشکلیں پھر ہماری ہو آساں

جب پیر کو مشکل کشا کہنے کو جی چاہا تو مولائے کائنات کی مشکل کشائی کا اقرار کیا۔

نذرِ عقیدت ص۲۳ ـــــ تمہارے مرتبہ تک فکر کی پرواز کیا پہنچے
تو پھر میں کس طرح کہدوں کہ تم کیا ہو کہاں تم ہو
نذرِ عقیدت ص۲۵ ـــــ ہمیں بھی گر توقع ہے تو کیا بے جا توقع ہے
کہ تاج و تخت لایا ہے ہمارا یوسف ثانی

اس میں سیدنا یوسف علیہ السلام سے موازنہ اور مقابلہ ہے۔

نذرِ عقیدت ص۲۷ ـــــ ہے یادِ حق کا یہ بابِ اول کہ یادِ محبوب حق ہو دل میں
وسیلہ اپنا نہ ہو جو کوئی تو خاک یادِ خدا کریں گے
کریں گے اخذِ فیوض اس سے وہ پاس ہو یا نہ ہو ہمارے
ہم اس کا نقشہ جماکے دل میں اب اس سے الفت کیا کرینگے

فیوض و برکات کے لینے میں قرب و بُعد کا کوئی سوال نہیں۔

نذرِ عقیدت کے مندرجہ بالا چند اشعار سے ناظرین یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اپنے بزرگوں کے توسل میں حضراتِ دیوبند کو کس حد تک غلو ہے!

اب یہیں پر چند لمحے کے لئے مدیرِ فاران، جناب ماہر القادری صاحب کی توجہ چاہتا ہوں ابھی کہ آنجناب نے فاران کا توحید نمبر شائع کیا جس میں شرک و بدعت اور وسیلہ کا رد کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

فاران توحید نمبر ص۱

> "انتہا یہ ہے کہ کسی قرآنی دُعا میں "بہ حق فلاں" اور "بجاہِ فلاں" یا یہ کہ یا اللہ تو فلاں نبی کے وسیلہ سے ہماری دعا قبول فرما تک نہیں ملتا۔"

جناب عامر صاحب آپ کو علمائے موحدین (علمائے دیوبند) کے فضائل میں قصیدہ خوانی اور گل افشانی سے پہلے لازم تھا کہ بالاستیعاب نہ سہی تو جستہ جستہ ہی ان کے عقائد کا مطالعہ فرما لیتے۔ اگر آپ کو قرآن میں "بہ حق فلاں" "بجاہِ فلاں" نہ مل سکا تو اپنے شیخ الاسلام کا شجرہ ہی اٹھا کر دیکھ لیتے ؎

بنے ہم سنگدل مجبور ہو کر اس ستمگر سے ؛ جواب آخر ہمیں دینا پڑا پتھر کا پتھر سے

شیخ الاسلام نمبر صـ ۷ ۱۹۵۵ء

" اَللّٰھمّ بجاہِ قطب العالم سیّدنا و مرشدنا مولانا سید حسین احمد مدنی و بجاہِ.....
رشید احمد گنگوہی و بجاہِ حاجی امداد اللہ الخ یہاں تک کہ انتالیسویں ۳۹ نمبر میں
بجاہِ امیر المومنین باب مدینۃ العلم سیّدنا علی ابن طالب اور چالیسویں مرتبہ
میں بجاہِ سیّد الانبیاء والمرسلین سیّدنا مولانا محمد صلے اللہ علیہ وسلم "

اب آپ فرمائیں یہ بجاہِ فلاں وہی ہے جو آپ کو آیاتِ قرآنی میں نہ مل سکا یا یہ کچھ اور ہے ؟ تعجب ہے کہ قرآن کی کسی آیت میں نبی اور رسول کے توسّل کا کوئی اشارہ تک آپ نہ پا سکے اور آپ ہی کے گھر میں قطب عالم و شیخ عالم کا وسیلہ ڈھونڈا جارہا ہے۔ شیخ الاسلام نمبر ۱۶ کالم نمبر ۲ کا ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

" مولانا قاسم نانوتوی کا شجرہ باعثِ برکت ہوتا ہے، وہ شجرہ جو حضرت
نانوتوی نے فارسی میں نظم فرمایا ہے خاص اثر رکھتا ہے "

ماہر صاحب آپ ان پرانے کھلاڑیوں کے ابھی نئے ساتھی ہیں آپ کو خود بھی اندرونِ خانہ کی خبر نہیں، آپ ہم اہل سنّت کو تو بدعتی اور قبر پجوا کہتے ہیں۔ فرمائیے مولانا قاسم نانوتوی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ ملاحظہ فرمائیے سوانح قاسمی جلد دوم صـ ۳۰ مرتبہ مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی

" اپنے بزرگوں سے میں نے سنا ہے کہ کلیر شریف لے[1] جاتے تو رڑکی
سے پیدل ننگے پاؤں ہو لیتے اور شب کو روضہ میں داخل ہو کر کواڑ بند کر دیتے
تھے اور تمام رات حضرت صابر صاحب کے مزار پر تنہائی میں گزارتے "

فرمائیے یہ بھی قبر پرستی اور بدعت ہے یا اس کے سوا کچھ اور ہے

متاعِ دین و دانش لُٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی

اب آپ شیخ الاسلام نمبر صـ ۸۱ کی چند سطریں ملاحظہ فرمائیں۔

" زائرین و معتقدین دور دراز مقامات سے آکر مسجد کے کونہ کونہ میں بھر رہے

---

[1] یعنی مولانا قاسم نانوتوی

رہتے، ظہر کی نماز کے بعد حضرت (ٹانڈوی) کا یہ معمول ہوتا کہ مصلّٰے کے اردگرد رکھے ہوئے پانی کی بوتلوں اور شیشیوں پر دم کرتے۔ بعد ازاں لوگوں کی درخواستیں پڑھ کر ان کی حاجتیں دُعاء و تعویذ وغیرہ سے متعلق پوری کرتے"

ماہر صاحب! قرآن کی کسی آیت میں اس کا بھی ثبوت ہے یا نہیں؟ یا کم از کم معمولات نبوت یا خلفائے راشدین ہی کی زندگی سے اس کی کوئی مثال آپ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ کبھی آپ نے غور فرمایا کہ جو دعاء تعویذ دیوبند کی چہار دیواری میں شرک و بدعت ہے وہ سلہٹ پہنچکر کیسے معمولات میں داخل ہو گئی؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ چونکہ فاران توحید نمبر میں آپ نے علمائے دیوبند کی تائید و حمایت کا ایک پارٹ ادا کیا ہے، ہر فروعی مسئلہ کو آپ قرآن و سنّت ہی کی زنجیر میں جکڑنا چاہتے ہیں، چنانچہ میلاد، فاتحہ، عرس وغیرہ جیسے مسائل کے جواز میں آپ نے ہر جگہ قرآن و سُنّت ہی کا مطالبہ کیا ہے تو اسی مطالبے کا حق ہمیں بھی پہنچتا ہے اب اسی ضمن میں دو چار روایتیں آپ اور بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"فرمایا" (یعنی مولانا ٹانڈوی) چیچک کے لئے سورۂ رحمٰن نیلے دھاگے پر اس طرح پڑھے کہ ہر "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰن" پر ایک گرہ لگاکر دم کر دیا کرے اور بطورِ حفظ ماتقدم بچّوں کے گلے میں ڈال دے انشاءاللہ حفاظت رہے گی"

شیخ الاسلام نمبر صنہ ۱۶ کالم نمبر ۱

"فرمایا نظرِ بد کے لئے سات مرچیں لے کر سات بار سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کر کے مریض کے سر کے گرد پھرا کر آگ میں ڈال دے"

ماہر صاحب! کبھی ان کے حوالہ جات کی بھی فکر آپ کو ہوئی ہے؟ نعرۂ رسالت کی ایجاد پر تو آپ چراغ پا ہیں اور نہ جانے کتنی جلی کٹی سنائی، آخرش یہاں پہنچکر کیوں آپ کے منہ میں دہی جم گیا ہے؟ آخرش رُڑکی سے ننگے پاؤں پیدل جانا، رات بھر دروازہ بند کر کے آستانہ کے اندر رہنا، اَللّٰھُمَّ بجاہِ قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی کا پڑھنا، سلہٹ پہونچکر

بوتلوں اور شیشیوں پر دم کرنا، چیچک کے لئے نیلے دھاگے کا گنڈہ بنانا، نظرِ بد کے لئے سات دم کی ہوئی مرچوں کو آگ میں ڈالنا، یہ سب قرآن کی کس آیت کا ترجمہ ہے؟ یا قرآن صرف میلاد و قیام، عرس و فاتحہ کے لئے نازل ہوا ہے، آپ کے انصاف و دیانت سے میرا مطالبہ ہے کہ کسی مشن کے بنیادی و کلیدی ضابطے سے منہ موڑ کر بعض عوام کی سطحیات کو جھنڈا بنا کر نگر نگر پھرنا اور ان کی آڑ میں علماء و مشائخ کو طعنہ دینا کہاں تک درست ہے؟ علماء اہلِ سنت کا مطالبہ دیوبندی عوام سے نہیں ہے بلکہ ان کے سرخیلِ جماعت اور امیرِ کارواں سے ہے۔ جن کی لغزش پر آپ بھی شکوہ سنج ہیں۔ ہو سکتا ہے آپ بھول بیٹھے ہوں مگر ہمیں تو یاد ہے لیجئے آپ ہی کی چیز آپ کے سامنے پیش کئے دیتا ہوں۔

بک گیا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

فاران توحید نمبر ص ۱۹

"ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض موحدین علماء (علماء دیوبند) سے لفظوں میں بے احتیاطی ضرور ہوگئی ہے، بات قرینہ اور خوبصورتی کے ساتھ محتاط انداز میں کہنی چاہئے تھی ـــــ چند سطر بعد ـــــ مگر ساتھ ہی اس کا بھی ہمیں اعتراف ہے کہ لفظوں کی بے احتیاطی اور بد سلیقگی کے سبب خود ان کے مشن کو اس سے نقصان پہنچا ہے۔ مخالفین نے اس لفظی اونچ نیچ اور اظہار بیان کی بے اعتدالی کو نمک مرچ لگا کر عوام مسلمانوں کے سامنے پیش کیا اور ان کا یہ حربہ کامیاب رہا۔ تختۂ گل پر جو کیچڑ کے چھینٹے پڑ گئے تھے۔ فریق مخالف نے انھیں اتنا نمایاں کیا کہ جیسے یہ پھول کا تختہ نہیں بلکہ سارے کا سارا گھورا اور تمام کا تمام مزبلہ ہے۔"

اپنے اداریئے کی دوسری عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

"اہلِ بدعت نے ان وہابیوں اور دیوبندیوں کی کتابوں کے بعض غیر محتاط جملوں اور غیر معتدل عبارتوں کا اس زور شور سے پروپیگنڈہ کیا ہے کہ اس تصویر کے

تمام روشن اور تابناک پہلو عوام کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے ⁂ لائے اس بت کو التجا کر کے

مناسب ہوگا کہ یہیں پر اپنے رفیق قلم جناب عامر صاحب عثمانی کی بھی رائے ملاحظہ فرمالیں۔

"تجلی"، فروری مارچ ۵۹ء ص ۸۴ آنجناب "ردشہاب ثاقب" پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"الشہاب الثاقب کا اندازِ تحریر واقعی غیر محمود اور لائق اجتناب ہے۔ بلکہ ہم وہابیوں کے اور بھی بزرگوں سے کہیں کہیں از راہِ بشریت الفاظ و انداز کی ایسی لغزشیں ہوگئی ہیں کہ انھیں قابلِ اصلاح کہنا چاہیئے۔"

جناب ماہر صاحب! آپ کی نگاہ میں علماء دیوبند غیر محتاط، بے قرینہ، غیر معتدل اور بدسلیقہ ہیں اور جناب عامر صاحب کی نظر میں مولانا ٹانڈوی کا اندازِ تحریر غیر محمود، لائق اجتناب بلکہ تبرابازی اور سب وشتم مولانا ٹانڈوی کا دیرینہ وصف ہے، ایسے ہی عامر صاحب کا کہنا ہے کہ ہم وہابیوں کے بزرگوں سے ایسی لغزشیں ہوئی ہیں جو قابلِ اصلاح ہیں۔

تقویۃ الایمان کی ایک عبارت سے متعلق جناب عامر صاحب کا کہنا ہے۔

"کتنا خطرناک اندازِ بیان ہے کتنے لرزا دینے والے الفاظ ہیں،" تجلی فروری مارچ ۵۷ء ص ۱۷۔

فاضلِ دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی رائے حسب ذیل ہے۔

"برہان" دہلی مارچ ۵۲ء ص ۱۷۳

"اور بتائیے کہ العیاذ باللہ اس جملے کا حاصل یہ نہیں ہے کہ اس معاملہ میں مولانا تھانوی کا مقام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی اونچا ہے جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ کر سکے وہ مولانا تھانوی نے کر کے دکھادیا۔"

"برہان" مارچ ۵۲ء ص ۱۷۰

"نہایت افسوس اور بڑے شرم کی بات ہے کہ وہ موقع بر وہ "حبك الشئ يعمى ويصم" کے مطابق اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی تنقیص کر بیٹھے ہیں"۔

اس قسم کی چند در چند مثالیں پچھلے صفحات میں گزر چکی ہیں، مولانا ٹانڈوی سے متعلق مولانا رام نگری کی رائے گزر چکی، یعنی مولانا ٹانڈوی فتنہ پرور، شرانگیز، کم ظرف، غیر ذمہ دار، مفتری، بہتان تراش، کافر ساز، اور بھی نہ جانے کیا کیا تھے؟

مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب کی رائے ہے کہ مولانا حسین احمد کے فتاوے قرآن و سنّت کی روشنی میں نہیں ہوتے بلکہ گاندھی جی کے جنبش لب پر گردش کرتے ہیں۔ یہ ایک بڑی لمبی داستان ہے۔ میں کہاں تک آپ کو سناؤں اور کب تک آپ سنیں گے۔ یہ چند مثالیں دے کر آپ کا انصاف چاہتا ہوں کہ آپ دوسروں کو چھوڑیئے خود آپ کی نگاہ میں غیر محتاط، بدسلیقہ وبے قرینہ ہے وہ آپ کے گلے کا ہار کیوں ہے؟ کبھی آپ نے یہ سوچنے کی زحمت فرمائی ہے کہ آپ کی یہ رائے اور پھر علمائے دیوبند سے آپ کا سانٹھ گانٹھ دیکھ کر دنیا آپ کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گی؟ اور ماہر صاحب سچ سچ فرمایئے جو آپ کے حضور بے قرینہ بدسلیقہ ہو گیا اس سے بھی آپ کا یارانہ ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں تو ان لوگوں سے کیونکر رسم و راہ جو بارگاہِ رسالت میں بدسلیقہ و بے قرینہ ہیں، کبھی ٹھنڈے دل سے سوچئے کیا آپ کی رائے اور آپ کا طرزِ عمل دیکھ کر آپ کے دل کا چور گرفت میں نہیں آتا؟ آخرش یہ کیا اندھیر ہے کہ اگر کسی کا قلم آپ یا آپ کی جماعت سے متعلق بہک جائے تو آپ آگ بگولہ ہو جائیں سنجیدگی و متانت سے کے پیراہن میں آگ لگا کر لنگوٹ باندھے "ھل من مبارز" پکار اٹھیں۔ کیا صرف اس لئے کہ اس نے آپ یا آپ کی جماعت کو نشانہ بنایا، جس کی زندہ مثال میں مولانا امین اصلاحی، مولانا منظور نعمانی وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔

کتنا دلخراش و ایمان سوز مقام ہے کہ اپنے و اپنی جماعت سے متعلق آپ کسی کی بدسلیقگی کو نہ برداشت کر سکیں لیکن سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کا مجرم و خطا کار یک لخت معاف کر دیا جائے۔

جب سرِ محشر وہ پوچھیں گے بُلا کے سامنے
کیا جوابِ جرم دو گے تم خدا کے سامنے

جناب ماہر صاحب! یہ بڑی نازک بارگاہ ہے، یہاں تو ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا پڑتا ہے، سچ کہا کہنے والے نے ؏ باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار"

اگر آپ اپنی جماعت اور اپنے متعلق کسی کا تیز و تند لب ولہجہ نہیں برداشت کر سکتے تو ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ بارگاہِ رسالت میں خطا شعاروں کا جرم کیونکر نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟ یہ ایمان وعقیدے کا مسئلہ ہے، اس لئے اس کو رسم ورواج اور باہمی رواداری کے ترازو میں تولنے کے بجائے ایمان وعقیدے کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کیجئے۔ اپنے ہی معتقدات کے پیشِ نظر مجھے معذور سمجھ کر میری جسارت کو معاف فرمائیے گا اگر دل کے کسی گوشے میں ایمان کا کوئی حصہ باقی رہ گیا ہو تو اپنا معاملہ اسی عدالت میں پیش کر دیجئے اور فیصلے کے بعد اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کیجیے۔ اگر بارِ خاطر نہ ہو تو عارف باللہ مولانا آسی علیہ الرحمہ کا ایک شعر سن لیجئے جو آدابِ نبوّت سے متعلق ہے ؎

اے پائے نظر ہوش میں آ کوئے نبی ہے
آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بے ادبی ہے

ماہر صاحب! یہ وہی حضرت آسی علیہ الرحمہ ہیں جن کے ایک شعر پر آپ نے توحید نمبر میں اور جناب نذیر احمد صاحب رحمانی نے "ردعقائدِ بدعیہ" میں بڑی لے دے مچائی ہے۔ رحمانی صاحب نے تو اصل شعر ہی میں کتر بیونت کر کے وہ ستم ڈھایا ہے جو انھیں جیسے صاحبِ قلم کو زیب دیتا ہے۔ کیوں نہ ہو رحمانی صاحب غیر مقلد ٹھہرے اگر اصل شعر پیش کر دیتے تو تقلید کا الزام سر پر آجاتا لیکن آیئے میں آپ کو آپکے ایک نئے خدا کا پتہ دیتا ہوں اگر آیندہ کبھی شرک نمبر کی اشاعت کا موقع ملے تو اپنے کھدر پوش خدا کو بھی اسی میں شمار کر لیجئے گا۔ حوالہ دیکھئے اور سر دھنئے۔

شیخ الاسلام نمبر ص۵۹

> "تم نے کبھی خدا کو بھی اپنے گلی کوچوں میں چلتے پھرتے دیکھا ہے؟ کبھی خدا کو بھی اس کے عرش عظمت وجلال کے نیچے فانی انسانوں سے فروتنی کرتے دیکھا ہے؟ تم کبھی تصور بھی کر سکے کہ ربّ العالمین اپنی کبریائیوں پر پردہ ڈال کے تمہارے گھروں میں بھی آکر رہے گا۔"

ماہر صاحب! اب آیندہ احتیاط سے کام لیجئے گا جس کو آپ نے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد سمجھ رکھا ہے، معاذ اللہ، وہی اللہ تعالیٰ ہے جو اپنی کبریائی پر پردہ ڈال کر اتر آیا ہے۔ آیندہ جب

شرک نمبر میں آپ اپنے معبودوں کی فہرست مرتب کیجئے گا تو اس میں کھدر پوش خدا کو بھی شامل کر لیجئے گا۔ میرے اپنے خیال میں اس حوالہ کو دیکھتے ہی آپ کے بغض و عناد کا نشہ ہرن ہو جائے گا۔

ماشاء اللہ آپ تو شاعر بھی ہیں۔ حضرت آسی علیہ الرحمہ کے شعر میں آپ نے محض معنی حقیقی ہی سے لیکر گفتگو کی ہے۔ مجاز، تشبیہہ، استعارہ، عموم مجاز وغیرہ کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیا۔ آپ کے انصاف و دیانت سے یہی توقع ہے کہ شیخ الاسلام نمبر کی مندرجہ بالا عبارت میں بھی آپ محض معنی حقیقی سے کام لے کر اپنی دیانت کا ثبوت دیں گے۔ آپ نے تو خود ہی اپنے حق میں تاویل و توجیہہ کے سارے دروازے بند کر لئے ہیں۔!

ماہر صاحب! ذرا ایک بات فرمائیے کیا آپ لوگوں کا خدا بھی کانگریسی ہے جس نے اپنی کبریائی پر کھدر کا پردہ ڈال لیا اور یہ تو فرمائیے کیا منکر نکیر بھی کانگریسی ہیں کہ آپ کے شیخ الاسلام اس میت کی نماز جنازہ نہ پڑھاتے، جس کا کفن کھدر کا نہ ہوتا تاکہ کھدر میں دیکھ کر منکر نکیر بھی اپنی جماعت کا ممبر سمجھیں۔ العیاذ باللہ من ذالک۔

حوالہ ملاحظہ کیجئے شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۲۵

”اگلے دن اپنے اسکول کے ساتھیوں میں یہ خبر سنی کہ مولانا (ٹانڈوی) نے ایک جنازے کی نماز کے وقت سخت ناراضگی کا اظہار کیا کیونکہ کفن کھدر کا نہیں تھا۔“

فرمائیے قرآن کی کس آیت یا سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی کس حدیث میں ہے کہ میت کا کفن کھدر ہی کا ہونا چاہئے، اسی کا نام ہے اِحداث فِی الدّین۔ اپنے اداریہ میں ہر چند سطر بعد آپ نے اہل سنت کو بدعتی فرمایا ہے۔ اب کہئے یہ آپ کے شیخ الاسلام کی بدعت کیسی رہی؟

زاہدِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

قارئین نے حوالہ جات کے چند اشاروں سے علمائے دیوبند کی دھاندلی کا صحیح اندازہ کر لیا ہو گا کہ ایک ہی بات کو کہیں جائز کہنا اور کہیں ناجائز و بدعت، کہیں حلال و کہیں حرام

کہنا یہ ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، اسی ضمن میں چند حوالہ جات اور بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"شیخ الاسلام نمبر" ص۷

"اور اکثر یہ بھی فرمایا کرتے تھے (یعنی مولانا ٹانڈوی) کہ ہمیں جو کچھ ملا اسی سلسلۂ چشتیہ سے ملا، جس کا کھائے اسی کا گائے۔"

واہ رے دیدہ دلیری! انھیں جملوں کو ہم کہہ کر مشرک اور بدعتی ہو جائیں اور آنجناب کہہ کر شیخ الزمین والآسمان بن جائیں۔

مکتوباتِ شیخ جلد دوم نمبر ۱۰۳ ص۲۷۲

"چودھری صاحب مرحوم نے حضرت مدنی کی مستعمل لاٹھی کی فرمائش کی تھی لاٹھی سے اسی طرف اشارہ ہے۔ بزرگوں کے تبرکات پر سلف صالحین کا عمل درآمد ہے۔"

ٹانڈوی صاحب کی مستعمل لاٹھی کو تبرکات میں شامل کرنے کے لئے سلف صالحین کا عمل درآمد ثبوت کے لئے کافی ہے لیکن عرس و قیام کے لئے کتاب و سنت ہی سے ثبوت ملنا چاہئے۔

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

شیخ الاسلام نمبر ص۱۰۸

"حضرت (ٹانڈوی) کی خواہش کے موافق اس تولیہ کی جس میں حضرت نے آخری حج بیت اللہ کا احرام باندھا تھا کفن کی قمیص بنائی گئی اور اس قمیص میں ان تبرکات کو جو حضرت کو جان سے زیادہ عزیز تھے قلب کی جانب پیوست کر کے کفنا دیا گیا۔

اجمیر و کلیر، کچھوچھہ، بہرائچ، مارہرہ، کالپی، پھلواری، بہار، بدایوں، بریلی کے آستانہ جات میں بزرگوں کے تبرکات کی زیارت شرک و بدعت قرار پائے، غوث پاک کی عبا، محبوبِ الٰہی کی کلاہ سیدہ خاتونِ جنت کی چادر۔ سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک سے چڑھنے والے ٹانڈوی کی لاٹھی کلیجے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ اپنا اپنا نصیب اور اپنی اپنی تقدیر ہے۔

کسی کی قسمت میں لاٹھی ہے کسی کے نصیبے میں کلاہ۔ کوئی ماہر صاحب سے یہ بھی دریافت کرے

کہ تبرکات کو کفنانے کے لئے قرآن کی کس آیت سند جواز حاصل کیا گیا ہے؟ پھر تبرکات کو قبر میں طاقچہ بنا کر رکھنا چاہئے یا میت کے سینہ پر! حضرت شیخ سڑے گلے ہوں گے تو تبرکات کا کیا حشر ہوا ہوگا!

اب جناب قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی قبر پرستی ملاحظہ کیجئے۔
شیخ الاسلام نمبر صہ ۱۴۱ کالم ۲

"جو مقبولیت زندگی میں تھی وہی موت کے بعد بھی رہی اور باقی ہے۔ مزار ہر وقت زیارت گاہ بنا رہتا ہے، حتیٰ کہ رات کو ایک ایک بجے بھی جانے والے گئے تو مزار پر لوگوں کو پایا' اسی محبوبیت کا نتیجہ ہے۔"

گلۂ جفائے وفا نما جو حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

جناب قاری محمد طیب صاحب اسی دارالعلوم کے مہتمم ہیں جہاں مزارات کے ڈھانے کا درس دیا جاتا ہے مگر حضرت شیخ کے مزار پر ایک ایک بجے رات تک میلہ لگا دیکھ کر باچھیں کھل گئیں اور یہی میلہ حضرت ٹانڈوی [1] کی مقبولیت اور محبوبیت کی دلیل بن گیا۔ اجمیر و کلیر اور دوسرے آستانہ جات پر تو تالے لگانے کی اسکیم ہے۔ وہاں ڈھول اڑتے دیکھ کر کلیجہ ٹھنڈا ہوگا۔ مگر حضرت ٹانڈوی کے یہاں میلہ لگا کر تسکینِ قلب کا سامان فراہم کیا جاتا ہے۔ اگر قاری صاحب کو زحمت نہ ہو تو ایک حوالہ اور ملاحظہ فرمائیں۔ "شیخ الاسلام نمبر صہ ۲۹ کالم نمبر ۴۔ از جناب منیر احمد صاحب تھانوی۔

"دوسرے دن حضرتؒ نے دن کا اکثر حصہ میرے ساتھ بسر کیا اور سہ پہر حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی قبر پر لے گئے۔ قبر کے اردگرد اس وقت ایک دو بکریاں چر رہی تھیں۔"

اب قاری صاحب ہی فرمائیں کہ اگر حضرت شیخ کی قبر کا میلہ دلیلِ محبوبیت اور نشانِ قبولیت ہے تو مولوی قاسم نانوتوی کی قبر کے اردگرد بکریوں کا چرنا یہ کس بات کی علامت و نشانی ہے؟ اور بکریوں ہی پر کیا موقوف گھوڑے گدھے ہر ایک جانور روندتے ہوں گے۔ اسی مصلحت کے پیشِ نظر عمائدِ اہلسنت نے علماء، صلحاء، شہداء اور اولیا کی قبروں پر گنبد وغیرہ بنا کر انھیں محفوظ کر کے انکی

[1] یعنی مولانا ٹانڈوی

عزت و حرمت کو برقرار رکھا ہے۔

ناظرین کے ذہن و فکر سے یہ بات اوجھل نہیں ہونی چاہئیے کہ اس وقت میں ان شواہد کو پیش کر رہا ہوں کہ اجمیر و کلیر، بدایوں اور بریلی کے جو مراسم علماء دیوبند کی نظر میں شرک و بدعت ہیں وہی مراسم ان کی چہار دیواریوں میں نہ صرف مباح و تحسین بلکہ باعث فخر و مباہات ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک اور جیتی جاگتی مثال ملاحظہ کیجئے اور کبھی علماء دیوبند سے سابقہ پڑے تو خود انہیں کے آئینے میں ان کی تصویر دکھلا دیجئے۔

مکتوبات شیخ جلد دوم صـ۲۳۶ دلبقیہ حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۶

"یہ خیال اس وقت سے پیدا ہوا جب سے مودودیت جو گنگوہ میں صورت فتنہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ کچھ تبادلہ خیالات اور کچھ ان کے اخبارات کا مطالعہ تردیداً کیا گیا۔ یہ لوگ (جماعتِ اسلامی والے) صحابہ تک کو متجاوز کہتے ہیں چنانچہ حضرت علی و ابن عمر و حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو احیار تبلیغ دین میں متجاوز عن الاعتدال کے الفاظ اختیار کئے ہیں۔ نیز خود مسلک اعتدال میں فرماتے ہیں کہ میں نے اشخاص ماضی و حال کے بلا واسطہ دین کو کتاب و سنت سے سمجھا ہے۔ نیز حضرت حاجی (امداد اللہ) علیہ الرحمہ و مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان حضرات نے ابتدا زندگی میں تو اچھا کام کیا مگر آخر عمر میں ایسی مسموم غذا مسلمانوں کو دے گئے ہیں کہ آج تک مسلمان اس کے زہر سے محفوظ نہیں ہیں اور بھی تنقیدات تصوف پر بہت کی ہیں۔ بعض اہلِ گنگوہ دیگر بعض حضرات ابو سعید علیہ الرحمہ کے مزار پر جانے سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک سنیاسی ہے جو پتھروں میں پڑا ہے اور یہ مشہور مقولہ ہے مودودیوں کا کہ دیوبند اور مظاہر العلوم میں قربانی کے مینڈھے تیار کئے جاتے ہیں۔ اس وقت عرض کرنے کا مقصد ہے کہ آیا ہم کھل کر ان لوگوں (مودودیوں) کو جواب دیں کیونکہ خاص کر گنگوہ سے واسطہ ہے۔"

یہ ایک بہت ہی معنی خیز سوال ہے جو مولانا ٹانڈوی سے کیا گیا تھا جناب شیخ کا جواب ملاحظہ فرمانے سے پہلے سوال کا تیور ملاحظہ کیجئے۔ گنگوہ کے مودودی حضرات حضرت ابوسعید علیہ الرحمہ کے مزار پہ جانے سے روکتے ہیں۔ اب چونکہ گنگوہ کا معاملہ ہے لہٰذا ہم مودودیوں کا مقابلہ کریں یا خاموش رہیں؟

اب معاملہ اجمیر و کلیر کا نہیں ہے بلکہ اپنی خانقاہ گنگوہ کا ہے۔ دنیا کی ہر خانقاہ سنسان و ویران ہو جائے مگر تھانہ بھون اور گنگوہ کی خانقاہ پر آنچ نہ آئے۔ یہاں چہل پہل رہے، ایک ایک بجے رات تک میلہ لگے۔ خوب دھوم دھڑاکا رہے، چادر، گاگر، عود و عنبر یہ سب گنگوہ و تھانہ بھون کے باہر شرک و بدعت ہیں۔ ان آستانہ جات پر پہونچکر شرک و بدعت اور غیر اللہ کی پرستش کے فتاوے نذرِ آتش ہو جاتے ہیں۔ اب حضرت شیخ الزمین و الآسمان کا جواب سنئے۔ مکتوباتِ شیخ جلد دوم ص ۳۵۱

"جماعتِ اسلامی کے مولویوں کے مبلغ علم و تحقیق کی بے بسی علم و خرد کی کمی کا اس سے زبردست کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا کہ ان نادانوں کو ابھی تک تعظیم و احترام اور بت پرستی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا ہے۔ حالانکہ تعظیم اور عبادت دو الگ الگ چیز ہیں، غیر اللہ کی تعظیم کلیتہً ممنوع نہیں البتہ غیر اللہ کی عبادت شرک جلی ہے۔"

کاش کوئی حضرتِ ناصح سے اتنا پوچھ لے
کون ہے وہ خود جو دیوانوں کو سمجھانے چلے

جماعتِ اسلامی کے بغض و عناد میں جناب ٹانڈوی اَن کہی کہہ گئے۔

یہ بھی خوب رہی علمائے اہلسنت کو عمر بھر قبر پجوا اور بدعتی کہتے کہتے جناب ٹانڈوی کی زبان گھس گئی ہر چند علمائے اہلسنت نے سمجھایا کہ جناب والا عبادت و تعظیم میں بُعد المشرقین ہے۔ ہم اہلسنت اولیاء اللہ کے مزارات پر قبر کی پرستش و عبادت کے لئے نہیں جاتے بلکہ ادباً و تعظیماً اکتساب فیوض و برکات کے لئے حاضر ہوتے ہیں، ہم صاحب قبر کو خدا یا خدا کا ہمسر نہیں جانتے انھیں اللہ کا برگزیدہ بندہ اور محبوب الٰہی سمجھ کر حاضر ہوتے ہیں۔ مگر جناب ٹانڈوی اور ان کے

رفقاء و متبعین ایک نہ سنتے! ابھی نہیں آپ لوگ تو قبر پوجتے ہیں لیکن جب گنگوہ کی جماعتِ اسلامی نے ناطقہ بند کیا تو جناب ٹانڈوی کو علماء اہلسنت ہی کے دامن میں پناہ لی اور مودودیوں کو وہی جواب دیا جو علماء اہلسنت کی طرف سے انھیں جواب ملتا تھا ؎

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

جو بات گنگوہ کی خانقاہ میں بہ شکل ادب و احترام باعثِ فخر و سعادت ہے بعینہٖ وہی بات اجمیر و بہرائچ میں باعثِ ننگ ہے (اپنے ننگِ اسلاف ہونے کی لاج رکھ لی، ننگِ اسلاف سے اور کیا توقع ہو سکتی ہے) اور محض جواب ہی پر بس نہیں بلکہ اپنے دیرینہ وصف یعنی جھگڑالو ہونے کی وجہ سے مودودیوں کے مبلغ علم و تحقیق کی بے بسی اور علم و خرد کی بے مائگی پر بھی چوٹ کس گئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان غریبوں سے کبھی کوئی رسم و راہ نہیں ؎

نہ رسم مہر سے واقف نہ آئینِ وفا جانے
بتا اے بے مروت رہنے والا تو کہاں کا ہے

اب تو جناب شیخ کے متبعین کو عقل و خرد سے کام لینا چاہیئے، دوسروں کو بدعتی و قبر پجوا کہہ کر اپنے شیخ کے عقیدے و عمل کا مذاق نہ اڑائیں ورنہ آسمان کا تھوکا .... ہو کر رہے گا۔

اسی ضمن میں ایک دوسرا حوالہ ملاحظہ کیجئے جو اسی سوال سے متعلق ہے۔ مکتوباتِ شیخ جلد دوم صفحہ ۲۵۳

"پس خلاصہ بحث یہ ہے کہ جو لوگ رسولِ خدا کے سوا پر تنقید روا رکھتے ہیں اور ان کی اتباع کو ذہنی غلامی بنانے اور انکو معیارِ حق بنانے کی نفی کرتے ہیں بلکہ خدا کے سوا احترام اور تعظیم کو بت پرستی کہتے ہیں ایسے لوگ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق بخشے اور بے ادبی سے بچائے۔"

خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی۔ یہ ہے اولیاء اللہ کی مار اپنی بارگاہ کے سر پھرے

ع مولانا ٹانڈوی اپنی دستخط میں اپنے کو ننگِ اسلاف لکھا کرتے تھے۔ اس کی تفصیل بحث جلد دوم میں ملاحظہ کیجئے۔

سے بھی کہلوا ہی کے چھوڑا" کہ غیر اللہ کی تعظیم اور آستانۂ اولیاء کے زائرین کو بت پرست کہنے والا سخت گمراہی میں مبتلا ہے اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق بخشے اور بے ادبی سے بچائے"۔ اب اس کو تو جناب عامر کے مولوی اسعد سلمہ، جنھیں حضرت شیخ کے بجائے ان کے خلفاء نے شیخ کی طرف سے خلافت[ع] دیدی ہے، وہی بہتر بتا سکتے ہیں کہ خود جناب شیخ کو بھی توبہ کی توفیق ہوئی تھی یا نہیں؟ مگر کم از کم شیخ کے متبعین کو تو اپنے خیالاتِ فاسدہ و عقیدۂ باطلہ سے توبہ کرنی ہی چاہئے جس کی صورت یہ ہوگی کہ کالی کوٹھری میں توبہ کرنے کے بجائے کسی ولی کے آستانہ پر توبہ کی جائے ع

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

اسی مقام پر ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیے۔ شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۴۳۰ کالم نمبر ۴ از جناب مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی ع

بتِ کافر ادا پردے سے باہر آنے والا ہے

"اور بعض اہل اللہ کی زندگی میں ہم کو حسینی تابش اور مدنی جھلک بھی نظر آئی اور ہم نے اس ذات مجسم الصفات کو اللہ کی دین سمجھ کر اس کے آستانہ کی خاک کو اپنے لئے کونین کی بہا اور دنیا و مافیہا کا خلاصہ سمجھا اور اس راہ میں کھونا ہی اگر پانا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس کے دربار گہربار سے محروم نہیں رہے۔

جسے چاہیں اسے حق مانتے ہیں | جسے چاہیں خطا گردانتے ہیں
مُسلّم اونٹ اور ہاتھی نگل کر | وہ بیٹھے، مچھروں کو چھانتے ہیں

بغداد مقدس اور اجمیر معلیٰ کی خاک پر پاؤں تک نہ پڑے ورنہ شرک و بدعت کا قہر ٹوٹ پڑے گا لیکن آستانۂ ٹانڈوی کی خاک دولتِ کونین اور خلاصۂ کائنات ہے ع

خدا جب دین لیتا ہے تو عقل بھی چھین لیتا ہے۔

ع۔ تجلی فروری مارچ ۱۹۵۹ء صفحہ ۸۰ جن مریدین نے ان (شیخ) کی طرف سے ان کے صاحبزادے کو خلافت تک تفویض فرما دی ہے۔

یہ بوکھلاہٹ اور بدحواسی نہیں تو اور کیا ہے؟ جب انسان کی عقل کا دیوالیہ ہوتا ہے تو کچھ ایسے ہی ہانکا کرتا ہے۔ آخرش کب تک انصاف و دیانت کا خون ہوتا رہے گا ؎

ہٹ چھوڑیئے بس اب سر انصاف آیئے
انکار ہی رہے گا مری جان کب تلک

آخری گذارش

ناظرین کو اچھی طرح یاد ہوگا کہ میں نے "پیشِ لفظ" میں اس امر کا اظہار کر دیا ہے کہ "خون کے آنسو" کے تمام حوالہ جات علمائے دیوبند کی کتابوں سے دیئے جائیں گے چنانچہ اسی اہتمام سے میں نے اس کی ترتیب دی ہے اب "جلدِ اول" کو ختم کرتے ہوئے یہ گزارش ہے کہ ہر چند کوشش کرنے کے بعد پورے مضامین کو ایک جلد میں نہ پیش کر سکا جس کی وجہ اپنی عدیم الفرصتی کے علاوہ بروقت کاتب کا نہ ملنا بھی ہے۔ جلد دوم بالکل تیار ہے اس کی اشاعت میں محض اتنی تاخیر ہوگی کہ جلد اوّل سے متعلق احباب و ناظرین کی رائیں حاصل کر لی جائیں تاکہ جلد دوم میں اس کا لحاظ رکھا جائے

جلدِ اوّل سے متعلق ہمیں آپ لوگوں کی رائے کا انتظار رہے گا۔ خون کے آنسو کا یہ حصہ اگلے حصّہ کے لئے تمہید و دیباچہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ جلد دوم کو بھی دیکھ کر آپ پکار اٹھیں گے کہ عقائد باطلہ کے پرخچے اڑ گئے اور دیوبندیت نے خود اپنے ہاتھوں اپنی قبر بنائی ہے ؎

یہ قصّہ لطیف ابھی نا تمام ہے
جو کچھ بیاں ہوا وہ آغازِ باب تھا

پروردگارِ عالم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے وسیلے اور سرکار غوثیت مآب و سرکارِ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے صدقے عقائد باطلہ سے محفوظ رکھے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے۔ آمین بجاہِ سیّدِ المُرسلین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم۔

ایک ضروری عرضداشت

کچھ نہ پوچھیئے آج کے دورِ ابتلاء و آزمائش میں علمائے اہلسنّت کتنی کٹھنائیوں اور دشواریوں سے گزر رہے ہیں، آسمان کے نیچے اور خدا کے بچھائے ہوئے اس فرش پر یہی وہ علماء اہلسنّت ہیں جن کی راہ میں قدم قدم پر کانٹے بچھائے گئے ہیں، مگر یہ مردانِ خدا وقت کا ہر غم جھیلتے ہوئے آگے ہی بڑھے، انھیں اپنے زیادہ اپنی قوم کا احساس ہے اور عیشِ دنیا سے زیادہ عاقبت کی بازپرس کا خیال ہے۔

(۱) آج دیوبند کی چہار دیواری سے ہمارے خلاف یہ آواز اٹھائی جاتی ہے کہ ہم قبر پجوے اور بدعتی ہیں۔ اپنے طریقِ کار کے مطابق اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے انھیں کے گھر کا ایک سوال و جواب حاضر کیا جاتا ہے۔

تجلی دیوبند، مئی ۶۱ء صفحہ ۱۹

سوال ____________ از عبدالوحید ضلع بہرائچ

اَلحمدُلِلّٰہ ناچیز نے جب سے ہوش سنبھالا علماء دیوبند کا معتقد رہا ہے، شرک و بدعت، میلہ و اعراس کے متعلق جو نظریہ علماء دیوبند کا ہے ناچیز بھی اس سے بالکل متفق ہے۔ یہ سمجھ کر کہ یہی نظریہ اسلام ہے۔ کچھ عرصہ سے مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہانپوری اور مولانا محمد قاسم صاحب ناظم جمعیۃ العلماء یوپی وعظ کے سلسلہ سے عرس کے موقع پر درگاہ سید سالار مسعود غازی پر تشریف لاتے ہیں اور درگاہ میں جو عام لنگر جاری ہوتا ہے اس میں سے کھاتے ہیں اور ایک سَو روپیہ نذرانہ وصول کرتے ہیں، رقم جو نذرانے کے طور پر لیتے ہیں اور جس سے لنگر پکتا ہے وہ سب چڑھاوے کی آمدنی ہوتی ہے جس کو ہم سب درست نہیں سمجھتے ہیں۔ امسال عرس کے موقع پر تو کمال ہی ہوگیا وہ یہ کہ مزار پر مولانا محمد قاسم صاحب خود چڑھاوا چڑھوا رہے تھے۔ مولانا کا یہ رویہ دیکھ کر بہت سے لوگ جو مزارات پر چڑھاوا چڑھانے اور چڑھی ہوئی چیزوں کو اپنے استعمال میں لانے کو بُرا سمجھنے لگے تھے اب تذبذب میں پڑ گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب ایک دیوبندی عالم مزار پر چڑھاوا چڑھوا رہا ہے، اور چڑھی ہوئی رقم میں سے نذرانہ لیتا ہے تو ہمیں چڑھاوا چڑھانے اور

چڑھی ہوئی چیزوں کے استعمال کرنے میں کیا حرج ہے۔ یہ بھی واضح ہو کر مزار پر چڑھی ہوئی چادر بھی مذکورہ بالا مولوی صاحبان برابر لے جاتے ہیں۔

الجواب ــــــــــ تجلی دیوبند مئی ۱۹۶۱ء صفحہ ۱۹ کالم ۲

مولانا ابو الوفا اور مولانا محمد قاسم صاحب واقعۃً دیوبندی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے ہیں یا نہیں؟ اس میں ہمیں شک ہے لیکن واقعۃً اگر ان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ دیوبندی مسلک کے آدمی ہیں اور دوسرے لوگ بھی انھیں دیوبندی ہی مسلک کا ترجمان سمجھتے ہیں تو اچھی طرح سن لیجئے کہ دیوبندیت کسی نسلی یا وطنی خصوصیت کا نام نہیں جو ایک بار چپکنے کے بعد مرتے دم تک چھٹنے ہی کا نہ نام لے، قبوری بدعتوں کی حوصلہ افزائی عرسوں میں شرکت اور نذر و نیاز کے مذموم جھمیلوں سے تعلق خاطر کا گھناؤنا نظارہ دیکھنے کے بعد ہر عاقل و بالغ بلا تامل کہہ سکتا ہے کہ اگر یہ لوگ پہلے دیوبندی تھے تو اب نہیں رہے۔ دیوبند جس طرح طرز فکر کا نام ہے اس میں ان بدعات کی کوئی گنجائش نہیں، کوئی شخص دیوبندیت کا دعویدار ہوتے ہوئے بھی اس طرزِ فکر کا عملی مظاہرہ کرتا ہے تو دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں یا تو وہ صریحاً دھوکا دے رہا ہے یا وہ ابن الوقت ہے کہ گنگا گئے تو گنگا رام اور جمنا گئے تو جمنا داس!

نوٹ:۔ اتنا نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

یہ گنگا رام[1] اور جمنا داس[2] وہی ہیں جو دیوبندی مکتبۂ فکر کے ترجمان کہلائے جاتے ہیں مگر ناظرین نے سوال و جواب پڑھ کر ان حضرات کے کرکٹر و کردار کا اندازہ کر لیا ہوگا کہ جس خانقاہ میں یہ گھسنے نہ پائیں تو وہاں کے جملہ مراسم پر شرک و بدعت کی چھاپ لگائیں اور جہاں سے سو روپیہ نذرانہ اور پگڑی کے لئے مزار کی چادر مل جائے وہاں کے مجاور بن بیٹھیں۔ کہیں تو یہ نعرہ ہے کہ قبر اکھاڑو اور کہیں یہ طرفہ تماشا کہ چادر چڑھاؤ نذرانہ لاؤ۔

یہ ہیں دیوبندیوں کے سرخیل جماعت و امیر کارواں جن کے متعلق خود انھیں کے بھائی برادری کا کہنا ہے کہ ایسے لوگ مشکوک، دھوکا باز و ابن الوقت ہیں کہ گنگا گئے تو گنگا رام اور

---

[1] مولوی ابو الوفا صاحب [2] مولوی محمد قاسم صاحب ناظم جمعیۃ العلماء یوپی

جمنا گئے تو جمنا داس۔ اب کوئی حضراتِ دیوبند سے دریافت کرے کہ عرس جائز ہے یا ناجائز؟ تو شاید یہی جواب ملے گا کہ اجمیر و کلیر کا ناجائز ہے اور گنگوہ و بہرائچ کا عرس جائز ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

(۲) اور دیوبند کا دوسرا فتنہ ہمارے خلاف یہ ہے کہ "سنّی علماء" تو سب کو کافر بتاتے ہیں، اس سلسلہ میں بطور اختصار اتنی سی بات عرض کرنی ہے کہ یہ علماء اہلسنّت پر سراسر الزام و بہتان ہے، وہ سب کو کافر نہیں کہتے، ہاں کافر کو کافر کہتے ہیں اور کافر کو کافر کہنا قرآن و سنّت کی روشنی میں درست ہے۔ قرآن مجید میں مومن، مشرک، کافر، منافق ہر ایک کا تذکرہ ہے جو جیسا تھا ویسا ہی کہا گیا ہے۔ البتہ علماء دیوبند کی کافر گری کا یہ عالم ہے کہ رافضی، خارجی، ناصبی معتزلی، قادیانی، جماعتِ اسلامی پر کفر و گمراہی کا فتویٰ دینے کے ساتھ ساتھ خود بانی دارالعلوم دیوبند مولوی محمد قاسم نانوتوی اور مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی تک کو کافر، ملحد، زندیق اور نہ جانے کیا کیا کہہ ڈالا ہے۔ اب ان سے کوئی پوچھے کہ اس دنیا میں ان کے علاوہ کوئی مسلمان ہے بھی یا نہیں؟

دوسروں کی آنکھ میں تنکا دیکھنے والے کو اپنی آنکھ کی شہتیر نظر نہیں آتی۔

اے دوستو! جس طرح مسئلہ طلاق میں مفتی دیوبند کو یہ فتویٰ دینے کا اختیار ہے زید کی بیوی کو طلاقِ مغلظ واقع ہو گئی اور فتویٰ پانے کے بعد مستفتی ناچے کودے شور و ہنگامہ پھیلائے تو ساری دنیا اس کا مذاق اڑائے گی کہ اے نادان اگر تو طلاق ہی نہ دیتا تو تجھ کو یہ فتویٰ کیوں دیا جاتا۔ ایسے ہی اگر حفظ الایمان، براہین قاطعہ، تحذیر الناس وغیرہ کی کفری عبارات پر علماء عرب و عجم نے ان کی تکفیر کی ہے تو ان علماء کے خلاف آفت اٹھانے کے بجائے انھیں اپنے گریبان میں منہ ڈال کر کبھی اپنی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے اگر وہ توہینِ رسالت نہ کرتے تو ان پر کوئی حکم ہی کیوں صادر کیا جاتا؟ فتویٰ دینے والے مجرم نہیں ہیں بلکہ ان کتابوں کے لکھنے والے مجرم و خطا کار ہیں۔

یہ واضح رہے کہ جس طرح دیوبند کی چہار دیواری میں عرس و فاتحہ، میلاد و قیام کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ایسے سنی نکتہ فکر پر استخفاف نبوت و اہانتِ رسالت کی

پرچھائیں تک نہیں پڑ سکتی۔ اگر آپ کو یہ جرم گوارہ ہے تو اس دن کا انتظار کیجئے جب کہ مرنے کے بعد قبر میں نکیرین سوال کریں گے " مَا تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجل " ان کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تو کیا آپ حضرات وہاں بھی یہی جواب دیں گے کہ ہمارے بڑے بھیا ہیں ہمارے ہی جیسے معمولی بشر ہیں، گاؤں کے چودھری ہیں، ذرۂ ناچیز سے کمتر ہیں وغیرہ وغیرہ اَلعیاذ باللّٰہ مِن ذٰلِکَ اور کیا جواب دے کر عذاب قبر سے آپ کو چھٹکارا حاصل ہوگا؟

وَاتَّقُوا اللّٰہ اِنَّ اللّٰہ شَدِید العقاب

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

جلد اوّل ختم ہوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

مری تقریر طبع یار کو بے چین کرتی ہے
سبب کیا ہے وہی کہتا ہوں جو دل پہ گزرتی ہے

یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ "خون کے آنسو" کا پہلا ایڈیشن صرف ڈیڑھ ماہ کے ایک مختصر سے وقفہ میں ختم ہوگیا۔ ابھی بہت سے بزرگوں اور دوستوں کو دفتر کی طرف سے اعزازی نسخہ بھی نہیں بھیجا گیا تھا کہ ہمیں ان سے معذرت کرنی پڑی۔!

اب دوسرے ایڈیشن کے لئے کاپی پریس جا چکی ہے ۔کتاب کی مانگ اور آرڈر کی بھر مار سے ہم یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ فوری طور پر ابھی ہمیں اس کے کتنے ایڈیشن نکالنے پڑیں گے یہ جو کچھ بھی ہے اس خداقدیر کی بے پایاں رحمتوں کا نتیجہ ہے کہ اس نے اپنے ایک عاجز بندے سے ایسا کام لیا جو ہر طبقے میں بہ نظر قبول دیکھا گیا۔ میرے احساس وشعور کے کسی گوشے میں بھی یہ جذبۂ پندار کار فرما نہیں کہ میں نے کوئی نمایاں کام انجام دیا ہے۔ علمائے دیوبند کی جن ڈھکی چھپی باتوں کو میں نے آشکارا کیا ہے وہ کچھ اختراعی و من گڑھت کہانی نہیں ہے بلکہ چند حقائق پر کچھ پردے پڑے تھے جس حجاب کو میں نے پوری جرات و دیانت سے الٹ دیا۔ اب اس دریچے سے جھانک کر آپ ان کی تصویر ہی نہیں بلکہ نیت وارادے کا بھی پتہ لگا سکتے ہیں! دیوبند کی جن روایات و واقعات کو میں نے سپرد قلم کیا ہے اب وہ باتیں صیغہ راز میں نہ تھیں بلکہ انہیں چھپا کر اب ان کے لئے بھی جینا آسان نہ تھا

کیا اچھا جنہوں نے دار پر منصور کو کھینچا
کہ خود منصور کو مشکل تھا جینا رازداں ہو کر

"خون کے آنسو" کی اشاعت پر آج جن لوگوں کو مجھ سے شکایت ہے انہیں سنجیدگی سے یہ غور کرنا چاہئے کہ وہ اپنی برہمی میں کس حد تک حق بجانب ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نے کام اپنا نہیں بلکہ ان کا کیا ہے۔ اساطین واکابر دیوبند کے جو محاسن وفضائل ہزاروں صفحات پر

پھیلے ہوئے تھے میں نے پوری دیدہ ریزی سے ان کے باغیچہ کی ایک ایک کلیوں اور پھولوں کو یکجا کیا ہے اور ایک گلدستہ کی شکل میں ان کے رو برو پیش کر دیا ہے اب اس کو کیا کیجئے کہ وہ جس کلی اور پھول کو مونگرا، موتیا، نرگس اور یاسمین سمجھ بیٹھے تھے وہ مدار اور دھتورا نکلے۔ میں نے تو یہ سوچ کر قلم اٹھایا تھا۔

کون کھولے گا ترے دل کی گرہ بعد مرے
کون سلجھائے گا الجھا ہوا گیسو تیرا

مگر اس کے باوجود نہ جانے کیوں مزاج یار برہم ہے۔

علمائے دیوبند کی ایک عام شکایت ہے کہ ہمارے مقابل علمائے اہل سنت کی تقریر و تحریر کا لب و لہجہ انتہائی تند و تیز و ناخوشگوار ہوتا ہے میں نے جلد اول میں ان کی اس دھاندلی پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ یہ محض ان کا افترا اور بہتان ہے جس کی شہادت میں الشہاب الثاقب مصنفہ مولوی حسین احمد صاحب کے انداز تحریر کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جس میں انہوں نے مقتداء اہل سنت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالی عنہ کو چھ سو چالیس گالیاں دی ہیں ان حوالہ جات کے بعد بھی میرا قلم قابو سے باہر نہیں ہوا بلکہ حضرات دیوبند سے اتنی ہی گزارش کی ہے۔

رندان مے پرست سیاہ مست ہی سہی
اے شیخ گفتگو تو شریفانہ چاہیے

گو ہم آپ کی نظر میں عرس و میلاد والے سہی مگر بات تو شریفوں جیسی ہونی چاہیے۔!

"خون کے آنسو" جلد اول کا جو مطالعہ کر چکے ہیں انہیں اس امر کا بخوبی احساس ہوگا کہ میں نے کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہی اور میرے اپنے خیال میں کتاب کے اس انداز فکر و تحریر نے ہر دماغ کو اپیل کرنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔ اب آپ کے سامنے جلد دوم حاضر ہے اس میں بھی اسی اہتمام کا من و عن لحاظ رکھا گیا ہے اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے انہیں کی باتیں پیش کر کے معاملہ عوام کی عدالت میں پیش کر دیا گیا ہے۔

علماء دیوبند کی رسول دشمنی اور اپنے بزرگوں کے ساتھ ان کے والہانہ عشق و محبت کی تصویر کشی کے بعد میں نے اتنا ہی اشارہ کیا ہے کہ

ابلیس ہو، سقراط ہو، سرمد ہو کہ منصور
خود آگہی ہر حال میں گردن زدنی ہے

میں نے انہیں کی کتابوں سے ان کے غلط پندار کا ایک تفصیلی خاکہ حاضر کیا ہے جس میں رنگ و روغن کے لئے بریلی یا بدایوں سے کچھ لینے کے بجائے تھانہ بھون، نانوتہ، گنگوہ، دیوبند ہی سے سارا میٹریل حاصل کیا گیا ہے۔ جس پر آج پوری دنیا دیوبندیت انگشت بد نداں ہے۔

کتاب دہر میں ایک باب حیرت ہے میری ہستی
مجھے دیکھو میں بیٹھا ہوں تمہاری داستاں ہو کر

"خون کے آنسو" ! جلد اول مولوی حسین احمد صاحب کے ایک ناتمام تذکرے پر ختم کردی گئی ہے۔ کتاب کے تسلسل کی باقی رکھتے ہوئے جلد دوم کی ابتداء صدر دیوبند ہی سے کی جائے گی پھر اس کے بعد ان کی کتابوں کے مختلف حوالہ جات سے دیوبندی عقائد پر سیر حاصل گفتگو ہوگی۔ مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ جلد دوم کے اشاعت کی اس قدر جلد باری آجائے گی چنانچہ میں جلد اول کی اشاعت کے بعد "معیار حق" اور "امام احمد رضا" کی تدوین و ترتیب میں لگ گیا تھا۔ مگر تقاضے کے خطوط نے مجھے اس قدر جھنجھوڑا کہ معیار حق اور امام احمد رضا کا کام ادھورا چھوڑ کر "خون کے آنسو" ! جلد دوم کی ترتیب میں لگ جانا پڑا۔ اب پوری کتاب کا مطالعہ کر کے ناظرین ہی انصاف فرمائیں کہ بقول حضرات دیوبند ہم سنیوں نے انہیں بد نام کیا یا کہ خود ان کے آوارگیٔ قلم نے انہیں تباہ کیا۔ کہنے والے کتنے پتے کی بات کہی۔!

آپ کہتے ہیں کیا ہم کو غیروں نے تباہ
بندہ پرور یہ کہیں اپنوں کا ہی کام نہ ہو

مقدمہ: میں اس امر کی وضاحت بھی ضروری جانتا ہوں کہ مطالعہ سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلی جائے کہ ایمان و عقیدے کے بنیاد پر آج دو الگ الگ اسکول ہیں دیوبند اور بریلی اور ان دونوں کا یہ کہنا ہے کہ حق و صداقت ہمارے ساتھ ہے۔ آپ کو "خون کے آنسو" کے صفحات پر یہی تلاش کرنا ہے کہ واقعتہً حق پر کون ہے !اگرچہ اس کتاب میں تصویر کا ایک ہی رخ صراحتہً پیش کیا گیا ہے۔ یعنی علماء دیوبند کی رسول دشمنی، تضاد بیانی، حقائق سے

منہ موڑ کر ہٹ دھرمی اور کٹ حجتی وغیرہ وغیرہ لیکن دیو بندی عقائد پر گفتگو کرتے ہوئے بریلوی عقائد کی طرف از خود کچھ اشارے ہو ہی جاتے ہیں جس کی تہ تک پہنچنا یہ آپ کی کاوش فکر کا کام ہے۔

مثلاً بطور تقابل اور موازنہ اگر یہ بات کہی جائے کہ علماء دیوبند کے حسب ذیل عقائد ہیں۔

(۱) علماء دیوبند خداوند قدوس کے علاوہ اپنے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی کو بھی مربی خلائق کہتے ہیں۔

حوالہ: مرثیہ رشید احمد گنگوہی مصنفہ مولوی محمود حسن صفحہ ۱۲

خدا ان کا مربی وہ مربی تھے خلائق کے" مرے مولا مرے ہادی تھے بیشک شیخ ربانی

(۲) علمائے دیوبند کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام تو صرف مردوں کو زندہ کر سکتے تھے مگر مولانا رشید احمد گنگوہی مردوں کو زندہ کرتے اور زندوں کو مرنے نہ دیتے۔

نوٹ:- حالانکہ آں بدولت خود مر گئے۔

حوالہ۔ مرثیہ رشید احمد گنگوہی صفحہ ۳۲

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا۔ اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم

(۳) علماء دیوبند کے نزدیک مولوی رشید احمد گنگوہی کا کالا کلوٹا غلام یوسف ثانی تھا۔

حوالہ۔ مرثیہ رشید احمد گنگوہی صفحہ ۱۱

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں

عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

نوٹ:- جب مولانا رشید احمد گنگوہی کا کلوٹا غلام یوسف ثانی تھا تو پھر گنگوہی صاحب کے گورے چٹے چہیتے پیارے مولوی قاسم نانوتی جن کو گنگوہی صاحب خانقاہ گنگوہ میں ایک چار پائی پر لے کے لیٹتے ان کا کیا مرتبہ تھا؟ (اس کا حوالہ جلد اول میں گزر چکا ہے۔)

(۴) علمائے دیوبند کے نزدیک عارفان باللہ خانہ کعبہ میں پہنچ کر گنگوہ کو تلاش کرتے ہیں

حوالہ۔ مرثیہ رشید احمد گنگوہی صفحہ ۱۳

پھرے تھے کعبہ میں بھی پوچھتے گنگوہ کا رستہ ! جو رکھتے اپنے سینوں میں تھے ذوق وشوق عرفانی

(۵) علمائے دیوبند کا عقیدہ ہے کہ دین و دنیا کے حاجت روا مولانا گنگوہی ہیں۔

حوالہ۔ مرثیہ صفحہ ۱۰

حوائج دین و دنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب ! گیا وہ قبلہ حاجات روحانی و جسمانی

نوٹ:۔ رسول کریم، مولا علی، سرکار حسین، غوث اعظم، غریب نواز کو حاجت روا سمجھنا دیوبندی عقیدے کی بنا پر شرک ہے ! چونکہ غیر اللہ سے مدد مانگی گئی۔

(۶) علمائے دیوبند کے نزدیک مولانا گنگوہی سارے عالم کے مخدوم ہیں اور پوری کائنات ان کی فرماں بردار ہے۔)

حوالہ۔ مرثیہ رشید احمد گنگوہی "ٹائیٹل پیج کی عبارت" مخدوم الکل مطاع العالم جناب مولانا رشید احمد گنگوہی

(۷) علمائے دیوبند کے نزدیک مولانا گنگوہی کا حکم قضائے مبرم ہے۔ جو حکم کبھی ٹل نہیں سکتا۔

حوالہ۔ مرثیہ صفحہ ۸

نہ رکا پر نہ رکا پر نہ رکا" اس کا جو حکم تھا۔ سیف قضائے مبرم

نوٹ:۔ معلوم نہیں اس اردو سے لکھنؤ اسکول کو اتفاق ہے یا نہیں؟

ہمیں تو اس وقت ان کے چند عقائد کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

(۸) علمائے دیوبند کے نزدیک مولانا رشید احمد گنگوہی صدیق اکبر اور فاروق اعظم دونوں ہی تھے۔

حوالہ۔ مرثیہ گنگوہی صفحہ ۱۶

وہ تھے صدیق اور فاروق پھر کہئے عجیب کیا ہے
شہادت نے تہجد میں قدمبوسی کی گر ٹھانی

(۹) دیوبندی عقیدے میں سیدنا امام عالی مقام سرکار حسین کا مرثیہ جلا دینا چاہیے۔

حوالہ۔ فتاوی رشیدیہ حصہ سوم، صفحہ نمبر ۱۰۳ ان کا جلا دینا یا زمین میں دفن کر دینا ضروری ہے۔

نوٹ:۔ مولانا گنگوہی کا مرثیہ لکھا جائے، چھاپا جائے، پڑھا جائے، فروخت کیا جائے۔

یہ سب درست ہے مگر سرکار حسین کا مرثیہ جلادینا ضروری ہے۔

(۱۰) علمائے دیوبند کے نزدیک صحیح روایت کے ساتھ بھی محرم میں ذکر شہادت امام حسین درست نہیں ہے۔

حوالہ۔ فتاوی رشیدیہ حصہ سوم صفحہ ۱۱۴

محرم میں ذکر شہادت حسنین علیہما السلام کرنا اگرچہ بروایت صحیحہ ہو یا سبیل لگانا، شربت پلانا، چندہ سبیل اور شربت میں دینا یا دودھ پلانا درست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہے۔

(۱۱) علمائے دیوبند کے نزدیک محرم کا شربت اور دودھ وغیرہ تو حرام ہے مگر ہندوؤں کے تیوہار ہولی یا دیوالی وغیرہ میں ہندوؤں سے پوڑی وغیرہ لینا اور کھانا درست ہے۔

حوالہ۔ فتاوی رشیدیہ حصہ دوم حصہ ۱۰۷

ہندو تیوہار میں ہولی یا دیوالی میں اپنے استاد یا حاکم ین نوکر کو کھیلیں یا پوری یا اور کچھ کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں ان چیزوں کا لینا اور کھانا استاد و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں؟ الجواب درست ہے

(۱۲) علمائے دیوبند کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام کو کافر کہنے والا اہل سنت و جماعت سے خارج نہ ہوگا۔

حوالہ۔ فتاوی رشیدہ حصہ دوم صفحہ ۱۱

جو شخص صحابہ کرام میں سے کسی کی تکفیر کرے وہ ملعون ہے ایسے شخص کو امام مسجد بنانا حرام ہے اور وہ اپنے اس کبیرہ کے سبب سنت جماعت سے خارج نہ ہوگا۔

(۱۳) علمائے دیوبند کے نزدیک مجلس میلاد شریف اگرچہ بغیر قیام کے ہو اور بہ روایت صحیح ہو تب بھی ناجائز ہے۔

حوالہ۔ فتاوی رشیدیہ حصہ دوم صفحہ ۸۳

انعقاد مجلس میلاد بدون قیام بروایت صحیح درست ہے یا نہیں؟

الجواب انعقاد مجلس مولود ہر حال میں ناجائز ہے؟

نوٹ۔ باوجود مولانا گنگوہی کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر کی ہر سال میلاد شریف کرتے اور قیام میں لذت محسوس کرتے "فیصلہ ہفت مسئلہ"!

البتہ مولانا تھانوی کے نزدیک دنیاوی منفعت کے پیش نظر محفل میلاد شریف میں شریک ہونا درست ہے۔ "جلد اول میں حوالہ گزر چکا ہے"۔

(۱۴) علماء دیوبند کے نزدیک بستیوں میں پھرنے اور نجاست کھانے والا کوا کھانا درست اور ثواب ہے۔

حوالہ۔ فتاوی رشیدیہ حصہ دوم صفحہ ۱۴۵ سوال۔ جس جگہ زاغ معروفہ کو اکثر حرام جانتے ہوں اور کھانے والے کو برا کہتے ہوں تو ایسی جگہ اس کوا کھانے والے کو کچھ ثواب ہوگا یا نہ ثواب ہوگا نہ عذاب۔ الجواب ثواب ہوگا۔

(۱۵) علماء دیوبند کے نزدیک امتی عمل میں نبی کے برابر ہوسکتا ہے بلکہ نبی سے بڑھ سکتا ہے۔

حوالہ۔ "تحذیر الناس" مصنفہ مولوی محمد قاسم نانوتوی صفحہ ۵

انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہوجاتے ہیں۔ بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔

(۱۶) علماء دیوبند کے نزدیک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے شیطان کا علم زیادہ ہے اور شیطان کے علم کی زیادتی قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اور حضور کی وسعت علم کے لئے ان کے نزدیک کوئی نص قطعی نہیں۔

حوالہ۔ "براہین قاطعہ" مصنفہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی مصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی صفحہ ۵۱

الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلادلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کرکے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔

(۱۷) ایسے ہی علماء دیوبند کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی کا جھوٹ بولنا ممکن ہے بلکہ جھوٹ بول چکا "رسول اللہ کے علم ایسا تو جانور، پاگل مجنون کا علم ہے "رسول اللہ بڑے بھائی جیسے ہیں" "پیغمبر اپنی امت کا ایسے ہی سردار ہے جیسے گاؤں کا چودھری" رسول خدا

ہمارے ہی جیسے بشر تھے "رسول خدا مر کر مٹی میں مل گئے نماز میں رسول اللہ کا خیال لانا، گائے بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے وغیرہ وغیرہ

نوٹ:۔ ان میں علمائے دیوبند کے جو عقائد لکھے گئے ہیں اس کی تفصیل مع حوالہ جات اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔:

اس سادگی پر کون نہ مر جائے اے خدا لڑتے ہیں مگر ہاتھ میں تلوار تک نہیں

نوٹ:۔ حضرات دیوبند اہل سنت کے مراسم کو شرک و بدعت تو کہہ گئے مگر آج تک اپنے دعوے کی کوئی بھی قابل تسلیم دلیل نہ دے سکے۔ بات یہ ہو رہی تھی کہ علماء دیوبند کے عقائد کی صراحت میں علماء اہل سنت کے عقائد کی طرف اشارہ ہو ہی جاتا ہے اور خون کے آنسو پڑھ کر آپ کو یہی فیصلہ کرنا ہے کہ کون عاشق رسول ہے اور کون شاتم رسول کس کے زبان و قلم میں احتیاط و ادب ہے اور کس کے زبان و قلم میں گستاخی و بے ادبی۔ ہمارا کام تو محض پیغام پہنچانا ہے ورنہ میں جانتا ہوں۔

بشر کی قوتوں سے ہر کلی سیدھی نہیں ہوتی خدا ہی کی وہ طاقت ہے جو سب کو ٹھیک کرتی ہے

دوستو! ایمان و عقیدے کے کچھ اشارے تھے جن کی بنا پر خون کی بنا، پر خون کی آنسو مرتب کی گئی ورنہ اور بھی بہت سے عنوانات پر قلم اٹھایا جاسکتا ہے۔ تم ہی بتاؤ کیا آج کا یہ روح فرسا اور گھنونا منظر دیکھ کر کلیجہ منہ کو نہیں آتا کہ قہوہ خانہ اور چوراہے پر کھڑے ہو کر مسلمان آستینیں اٹھا اٹھا کر علم غیب مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر مباحثہ و مجادلہ کرتا ہے آج ہم محض اس بنیاد پر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے کہ میلاد میں قیام درست ہے یا شرکت بدعت۔ ایسے ہی نہ جانے کتنے مسائل ہیں کہ جنہیں شرک و بدعت کی صحیح تعریف نہیں آتی مگر وہ ہر نشست میں شرک و بدعت کی قے کرتے رہتے ہیں۔ آج ہماری زبان پامال ہو رہی ہے ہمارے اقتصادیات و معاشیات کی راہیں روز بروز تنگ ہوتی جارہی ہیں ایسی پریشان حال اور زخم خوردہ قوم کے لئے علماء دیوبند نے آج تک کوئی ڈاکٹر خانہ تو نہ کھولا مگر میلاد و فاتحہ کرنے والوں کے لئے ہزاروں فوجی اڈے بنادئے گئے۔ جہاں سے ہر صبح و شام گولہ باری ہوتی رہتی ہے۔ کیا واقعتہً عرس و نیاز میلاد و قیام ایسا ہی جرم ہے کہ اس کی بنیاد پر کروڑوں مسلمانوں سے الگ تھلگ آپ نے ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنارکھی ہے یا اب محض بات کی للچ رکھی ہے اگر للچ ہی رکھنے کا جذبہ کار فرما ہے تو خانہ ساز عقیدے کی للچ نہیں بلکہ اسلام اور

مسلمانوں کی لاج رکھئے اور کبھی اس نزاکت پر بھی غور کیجئے کہ آپ نے کروڑوں مسلمانوں کو محض اس جرم میں چھوڑ رکھا ہے کہ یہ میلاد و قیام عرس و نیاز والے ہیں ان کروڑوں کو آپ سے یہ شکایت ہے کہ آپ نے محبوب خدا آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گرامی میں گستاخی و بے ادبی کر کے عامیانہ و سوقیانہ گالیاں تک دی۔ آخر ش آپ ہی فرمائیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرہ ناچیز سے کمتر اور چمار سے زیادہ ذلیل کہنا یہ گالی نہیں تو اور کیا ہے؟ آپ کی نظر میں یہ بھی کوئی منطق و فلسفہ یا معانی و بیان کا کوئی الجھا ہوا مسئلہ ہے۔؟ کیا آپ کی نظر میں ذرہ ناچیز، چمار ذلیل جیسے الفاظ کے معنی دیکھنے کے لئے لغت اٹھانے کی ضرورت ہے اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر ایسے عقیدے کے پرچار کے کیا معنی؟ ایسی صریح اور واضح عبارت کی توجیہ و تاویل کے کیا معنی؟ اور اگر بالفرض یہ الفاظ آپ کی نظر میں محتاج تاویل ہیں تو کیا دوسروں کو بھی آپ اجازت مرحمت فرمائیں گے کہ وہ بھی آپ کے لئے یہی الفاظ بول کر اس کی تاویل کریں۔ اگر آپ اپنے حق میں گوارا نہیں کر سکتے اور یقیناً گوارا نہ کریں گے۔ تو للہ انصاف کا خون نہ کیجئے بتائے اور سچ سچ بتائے کہ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آپ کے ضمیر نے کیوں کر گوارا کیا کہ ان کو ذرہ ناچیز سے کمتر اور چمار سے زیادہ ذلیل کہا جائے۔ اور آج ان عبارات کے واپس لینے کا آپ سے مطالبہ کیا جائے تو ٹھنڈے دل سے سوچنے کے بجائے آپ آمادہ جنگ نظر آتے ہیں۔ بر سر راہ علماء دیوبند کی نجس و ناپاک ذہنیت پر ایک تازہ واقعہ سنئیے جس کے لکھتے ہوئے میری آنکھیں نمناک ہیں اور قلم کانپ رہا ہے۔

ابھی پہلی دوسری تیسری جون ۱۹۶۱ء کو مولانا انیس عالم کے زیر اہتمام سوبھن ضلع دربھنگہ میں سہ ۳ روزہ سرکار مدینہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں راقم الحروف بھی شریک تھا۔ ظہر و عصر کے درمیان ایک فاضل دیوبند تشریف لائے اور ہم لوگوں سے فرمایا کہ آپ لوگ روزہ و نماز کی بات تو کچھ نہیں کہتے محض ایمان و عقیدہ پر تقریر کرتے ہیں اور اتنا ہی نہیں بلکہ علماء دیوبند کی تکفیر بھی کرتے ہیں۔ آخر ش علماء دیوبند کے تکفیر کی وجہ کیا ہے؟ میں نے جواباً کہا کہ ان لوگوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دی ہیں اور آقا دو جہاں کی توہین متفقہ طور پر موجب کفر ہے اور بطور مثال میں نے حفظ الایمان کی کفری عبارت پیش کر دی۔ اس پر فاضل دیوبند نے کہا کہ گالی کی بھی تو تاویل ہو سکتی ہے اور بسا اوقات گالی کا

دینا عیب نہیں ہوتا میں نے کہا کہ اس کی مثال آپ دیجئے جہاں گالی کا دینا عیب نہ ہو۔ اب جواب سنئے اور سر پیٹئے۔

فاضل دیوبند۔ نے کہا جیسے سالا بہنوئی کو اور بہنوئی سالے کو گالی دیتا ہے یا سمدھی اپنے سمدھی سے مذاق کرتا ہے۔ غصے کو پی کر اور حواس کو بدقت تمام قابو میں رکھ کر میں نے دریافت کیا کہ پھر یہ بھی فرمادیجئے کہ علماء دیوبند کا محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کونسا رشتہ ہے۔؟ جس کی بنا پر آپ لوگوں کو مذاق اور گالی کی اجازت ہو۔ کیا قرآن حکیم کی یہ آیت دیوبند کی چہار دیواری تک نہیں پہنچی " **النبی اولی بالمومنین من انفسهم و ازواجہ امهاتهم** " یا کہ " **ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین** " [1]

ابھی میں کہہ ہی رہا تھا کہ اس شخص کے دماغ کی چول کھسک گئی ہے یا کچھ دنوں بعد یہ ایسی کتاب لکھے گا جو تقویۃ الایمان اور حفظ الایمان کے حق میں سونے پر سہاگہ کا کام دے گی کہ مجمع میں برہمی پیدا ہوئی اور بعض جوشیلے جو تالے کر کھڑے ہوگئے۔ کسی طرح بچ بچاؤ کر کے اس کو مجلس سے باہر کردیا گیا۔

اہل ملت کے لئے مجھ کو ہے ماتم کرنا
ان کی خاطر ہے مجھے بزم میں گریاں ہونا

ابھی گزشتہ برس کی بات ہے میں بسلسلہ تقریر گجرات کے دورے پر گیا تھا خاص شہر چ میں میری تقریر ہورہی تھی آج میری تقریر کا عنوان "مسئلہ معراج جسمانی تھا۔ تقریر اپنے شباب پر تھی کہ ایک رقعہ آیا۔ جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔

"کیا آپ کے بزرگوں کو سردی لگتی ہے۔ جو ان کے قبر پر چادر ڈال دیتے ہیں"۔

میں نے کہا جی ہاں عارفان باللہ اللہ تعالی کے محبوب ہیں جب انہیں دفن کیا جاتا ہے تو جنت کی نہ جانے کتنی کھڑکیاں کھول دی جاتی ہے اور جنت کی ہوا میں ٹھنڈک [2] ہوتی ہے جب آپ کے بزرگوں کو سپرد خاک کیا جاتا ہے تو جہنم کی کھڑکیاں کھل جاتی ہیں اگر ان کی قبر

۱۔ مجلس میں میرے علاوہ مولانا رفاقت حسین صاحب مفتی کانپور اور مولانا ابوالوفا فصیحی غازی پوری بھی تھے۔

۲۔ ایسی ٹھنڈ جس سے تکلیف پہنچے یہ بات بطور لطیفہ کہی گئی ورنہ عظمت اولیاء کے اظہار کے لئے چادر ڈالی جاتی ہے وغیرہ۔

پر چادر ڈالی جائے تو چادر بھی جل کر خاک ہو جائے شاید کوئی ایسا سابقہ پڑ چکا ہے اسی لئے علمائے دیوبند چادر ہی کے پیچھے پڑ گئے ہیں تاکہ ان کا بھرم باقی رہ جائے یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ چادر جل جائے گی۔ اس میں بے آبروئی ہے اس لئے شرک و بدعت کے من گڑھت فتاوے لے کر کھڑے ہو گئے۔ ورنہ اولیاء کرام کی شان تو یہ ہے۔

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قید حیات
فرق اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

ان مثالوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ اس سے دیوبندی مکتبہ فکر کے رجحانات کا اندازہ کریں کہ وہ رسول خدا اور اولیاء کرام کی بارگاہ میں کس حد تک بے ادب و گستاخ ہیں یہی وہ علل و اسباب ہیں جنہوں نے "خون کے آنسو" لکھنے پر مجھے ابھارا

ع۔ یہ اپنی اپنی عادت ہے اور اپنا اپنا شیوہ ہے

کے مطابق وہ سرکار ابد قرار کو اپنا جیسا بشر کہتے رہیں اور ہماری نگاہیں تو ان کی ایک ایک ادا پر قربان ہیں۔

یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی
یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنا دیا

مشتاق احمد نظامی
۱۴ اگست ۱۹۶۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی حبیبہ الذی اصطفی

شیخ الاسلام نمبر کا سرسری جائزہ

کہیں روس کا ہوا کہیں چین کا ہوا
حضرت شیخ کی محفل میں بدر الدین کا ہوا

——شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۹۵

مولانا حسین احمد صاحب جب موؤ میں ہوتے تو اپنی بچی عمرانہ سے یہی شعر پڑھواتے تھے چونکہ اس وقت حضرت شیخ ہی کا تذکرہ ہے اس لئے انہیں کے محبوب وپسندیدہ شعر سے ان کے ذکر کا آغاز کیا جاتا ہے۔ اس کو تو فخرمشرق علامہ شفیق جونپوری بتائیں گے کہ مندرجہ بالاشعر کس بحر میں ہے ہمیں توبرسرراہ یہ دکھانا ہے کہ مولانا حسین احمد کے پسندیدہ اشعار کچھ ایسے ہی بے تکے قسم کے ہوا کرتے تھے جس سے ان کے ذوق ادب کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اس پر طرفہ تماشا یہ کہ حضرت شیخ کوئی معمولی درجہ کے انسان نہ تھے بلکہ اس خاکدان گیتی میں وہ خلاصہ کائنات بن کر آئے تھے۔ شیخ الاسلام صفحہ ۱۳۰

خدا کے لئے یہ تو مشکل نہیں ہے ہو عالم کا مجموعہ اک فرد واحد

مناسب ہے کہ یہیں پر تقویۃ الایمان کی ایک عبارت پیش کردی جائے جس سے حضرات دیوبند کی رسول دشمنی کا صحیح اندازہ ہوسکے گا۔

تقویۃ الایمان صفحہ ۳۰

"وہ شہنشاہ ایک آن میں چاہے تو کروڑوں نبی محمد کے برابر پیدا کر ڈالے۔"

نوٹ۔ جب توہین نبوت اور تنقیص رسالت کے جذبہ ملعون نے اکسایا تو اللہ تعالی کی

قدرت و کبریائی کے اظہار کا یہ اندازہ اختیار کیا کہ اگر وہ چاہے تو محمد کے برابر کروڑوں نبی پیدا کرڈالے اور جب اپنے شیخ الاسلام کو مقام نبوت سے بھی اونچا کر دکھانا ہوا تو اللہ تعالی کی قدرت اور اس کے علو مرتبت کا بیان اس طرح کیا گیا کہ اللہ تعالی کی قدرت سے یہ بعید نہیں کہ وہ مولانا حسین احمد کو خلاصہ کائنات بنادے۔

احباب کی یہ شان حریفانہ سلامت
دشمن کو بھی یوں زہر اگلتے نہیں دیکھا

سچ جانئے جن کلمات کی ادائیگی میں زبان کفر لکنت کھا جائے اس کی ادائیگی میں علماء دیوبند کو جھجھک تک محسوس نہیں ہوتی۔ اور یہ تو ان کا بہت ہی پرانا وطیرہ ہے کہ جب کبھی بھی شان رسالت گھٹانی مقصود ہوئی تو اختراعی توحید کا جھنڈا لے کر کھڑے ہوگئے اور اسی کی آڑ میں سب و شتم و تبرا بازی پر اتر آئے جس کی شہادت میں تقویۃ الایمان وغیرہ سے چند در چند مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں اور اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ جب ان کی یاوہ گوئی اور خرافات پر حق بجانب سوالات کئے گئے تو نادم و شرمندہ ہونے کے بجائے

ع عذر گناہ بدتر از گناہ کے مطابق جنگ جدال کی بالکل نچی سطح پر اتر آئے۔ یہاں تک کہ علمائے اہل سنت کی طرف گڑھی ہوئی کتابیں اور ان کی فرضی عبارات کو منسوب کر کے انہیں بدنام و رسوا کرنے کی سعی ناکام کی گئی علماء دیوبند کی اس قسم کی حیا سوز اور رکیک حرکات کا مشاہدہ رسالہ سیف النقی کے مطالعہ میں ہوسکے گا۔ جو علماء دیوبند کی افترا پردازی و بہتان تراشی کا پورے پورے ضامن و کفیل ہے یہ رسالہ کسی ایک دماغ کا تراشیدہ و خراشیدہ نہیں بلکہ دیوبند کے اصاغر و اکابر کی مشترکہ پارٹی سر جوڑ کر بیٹھی اور متفقہ طور پر رسالہ سیف النقی کی ترتیب دی گئی؛ گویا اس جرم و خطا میں دیوبند کا پورا اسٹاف برابر کا شریک ہے"۔

اب سیف النقی کے حوالے سے چند جعلی اور گڑھی ہوئی کتابیں اور اس کی فرضی عبارت و فرضی پریس کا نام سن کر حضرات دیوبند کی جسارت و ڈھٹائی پر سر دھنئے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں یہ دنیا کیا سے کیا ہوجائیگی

(۱) سیف النقی صفحہ ۲ پر ایک فرضی و جعلی کتاب بنام "تحفۃ المقلدین" جو سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے والد ماجد امام العلماء حضرت علامہ مولانا محمد نقی علی خان

صاحب قدس سرہ کے نام نامی سے منسوب کی گئی ہے اور فرضی پریس صبح صادق ستاپور کا حوالہ بھی دیدیا گیا ہے۔

- -

- -

- -

(۳) اسی طرح سیف النقی ہی کے صفحہ ۲۰ پر ایک گڑھی ہوئی کتاب **تحفۃ المقلدین** کو حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے جد امجد سراج الاتقیا حضرت علامہ مولانا رضا علی خاں قدس سرہ کی طرف منسوب کیا اور بہ کمال ڈھٹائی مطبوعہ لکھنؤ بھی لکھدیا صفحہ ۱۲

(۴) اور اتنے ہی پر بس نہیں بلکہ اسی سیف النقی کے صفحہ ۱۴ پر ایک گڑھی ہوئی کتاب بنام **مرٲۃ الحقیقہ** آقاء نعمت حضور سیدنا سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف منسوب کرکے **خسر الدنیا والاخرہ** کے مصداق ہوئے اور اپنی بگڑی ہوئی عادت کے مطابق اس کتاب پر بھی لکھدیا مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸

(۵) یہ نہ سمجھئے کہ کذب و افترا اور جعل و سازش کی یہ مہم یہیں پر آکے ختم ہو گئی بلکہ اپنے کالے جھوٹ پر سفید جھوٹ کی مہر توثیق ثبت کرنے کے لئے سیف النقی کے صفحہ ۲۰ پر فاضل بریلوی قدس سرہ کے والد ماجد کا فرضی نشان مہر بھی بنادیا جس کی صورت یہ ہے۔

۱۳۰۱
نقی علی سنی حنفی

حالانکہ حضرت کی مہر مبارک کا نقشہ یہ تھا

۱۲۶۹
مولوی رضا علی خاں
محمد نقی خاں ولد

لطف تو یہ ہے کہ مہر گڑھی گئی مگر پھر بھی بات نہ بن سکی صورت حال یہ ہے کہ حضرت کا وصال ۱۲۹۷ میں ہوا اور نقشہ مہر میں ۱۳۰۱ھ کندہ ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وصال شریف کے چار برس بعد مہر تیار ہوئی ہے۔

پہلے اپنے جنوں کی خبر لو
پھر مرے عشق کو آزمانا

نوٹ: میرے اپنے خیال میں شاید ہی دنیا کے کسی گوشہ میں خیانت کی ایسی مکروہ و گندہ مثال مل سکے گی جو حضرات دیوبند کے دامن تقدس کی جھالر بنی ہوئی ہے۔ کوئی سوچے تو سہی: کس قدر حیرت انگیز اور تعجب خیز بات ہے کہ اپنے خرافات کا اعتراف نہ کرتے ہوئے اس پر پردہ ڈالنے کے لئے چند در چند غلطیوں کا ارتکاب کرنا اور جرات و دیدہ دلیری کا یہ عالم کہ الامان و الحفیظ فرضی کتاب، من گڑھت عبارات، جعلی پریس تک کا اعلان کر دینا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس قسم کی جسارت وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے کان کبھی شرم و حیا جیسے الفاظ سے آشنا تک نہ ہوئے ہوں!

اس کے باوجود زہد و تقویٰ اور اتباع سنت کا وہ بلند بانگ نعرہ جس سے تصنع اور ریا کے صنم اکبر کا بھی کلیجہ دہل جائے۔ اب ناظرین ہی انصاف فرمائیں کہ اگر متقی و پرہیز گار ایسے ہی لوگوں کو کہا جاتا ہے تو غیر متقی کس کو کہا جائے گا؟

دوستو! اگر تم نے علماء اہل سنت کو بدنام کرنے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے تو کم از کم ایسی باتیں کرو جس سے تمہارا دامن تو سلامت رہ سکے۔

دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں
اے دوست اپنی سبکی آواز دیکھنا

حضرات! یہ توسیف النقی کا حوالہ تھا جس کی ترتیب میں دیوبندی مشنری کا ہر کل پرزہ یکساں متحرک نظر آیا ہے۔ اب مولانا حسین احمد کی رسوا زمانہ کتاب **الشہاب الثاقب** جو علماء بریلی کے رد میں لکھی گئی ہے اس کے چند حوالہ جات ملاحظہ فرما کر مولانا ٹانڈوی کی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری کو داد دیجئے۔ جس میں انہوں نے من گڑھت کتاب، جعلی پریس، اور فرضی عبارات کو پیش کر کے علم ثقافت کے خلاف ایسا گھنونا انداز استدلال اختیار کیا ہے جس کو سن کر ہر صاحب علم کی گردن شرم و حیا سے جھک جائے گی۔

رہ منزل میں سب گم ہیں مگر افسوس تو یہ ہے
امیر کارواں بھی ہیں انہیں گم کردہ راہوں میں

شہاب ثاقب صفحہ ۱۲

"جناب شاہ حمزہ صاحب مارہروی مرحوم خزینۃ الاولیاء مطبوعہ کانپور صفحہ ۱۵ میں ارقام فرماتے ہیں۔ علم غیب صفت خاص ہے رب العزت کی جو عالم الغیب و الشہادہ ہے۔ جو شخص

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہے وہ بے دین ہے اس واسطے کہ آپ کو بذریعہ وحی کے امور مخفیہ کا علم ہوتا تھا جسے علم غیب کہنا گمراہی ہے ورنہ جمیع مخلوقات نعوذ باللہ عالم الغیب ہے"

نوٹ:- مقصود نہ بلبل ہے نہ طوطی ہے نہ قمری
مطلب تو چمن والوں کا ناوک فگنی ہے

سید العارفین حضرت علامہ مولانا سید شاہ حمزہ میاں مار ہروری رحمۃ اللہ علیہ کی خزینۃ الاولیا، نام کی کوئی کتاب ہے ہی نہیں۔ جب کتاب ہی نہیں تو کانپور میں چھپنے یا اس میں صفحہ ۱۲ یا مندرجہ بالا عبارت کے ہونے نہ ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا البتہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مولانا ٹانڈوی قلم اٹھانے سے پہلے ہی اپنا دماغی توازن کھوچکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے ابتذال وگراوٹ پر اتر آئے جس کی مثال شاید ہی کہیں ڈھونڈنے سے مل سکے گی۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

شہاب ثاقب کی ایک دوسری من گڑھت روایت ملاحظہ کیجیے

شہاب ثاقب صفحہ ۲۲

مولوی رضا علی خاں صاحب ہدایۃ الاسلام مطبوعہ صبح صادق سیتاپور صفحہ ۳۰ میں فرماتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب بالواسطہ تھا یعنی بذریعہ وحی کے تعلیماً معلوم ہوتا تھا اور یہ علی قدر مراتب سب کو حاصل ہے اور علم غیب مطلق و بالذات کا اعتقاد رکھنا مفضی الی الکفر ہے اور نص قطعی کے خلاف اس میں تاویل اور ایر پھیر کرنا بے دین کا کام ہے۔

اتنی کاوش نہ کر میری اسیری کیلئے
تو کہیں مرا گرفتار نہ سمجھا جائے

سراج العلما، حضرت علامہ مولانا مفتی رضا علی خاں صاحب قدس سرہ نے ہدایۃ الاسلام نامی کوئی کتاب تصنیف ہی نہیں فرمائی تو پھر کسی عبارت، صفحہ سطر یا پریس کے تجسس و تلاش سے کیا فائدہ؟ کیا آج کی دنیا میں اس سے بھی بڑھ کر اتہام بندی و بہتان تراشی کی کوئی جیتی جاگتی مثال مل سکتی ہے۔

کچھ آج ہی نہیں بلکہ برسہا برس سے علما، دیوبند کی صداقت کو چیلنج ہے کہ اگر ان میں رائی کے دانہ برابر بھی حق پسندی کا کوئی حصہ باقی رہ گیا ہو تو خزینۃ الاولیا، اور ہدایۃ الاسلام کو منظر عام پر لاکر اپنی حق گوئی کا ثبوت دیں۔ ورنہ توبہ استغفار کا دروازہ کل بھی کھلا تھا اور آج بھی ہے اب بھی شرم و ندامت سے گردن جھکا کر تائب ہو جائیں۔

مرید سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب
خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق

اور یہ مطالبہ کچھ ادھر ہی سے نہیں ہے بلکہ مولانا ٹانڈوی کی گود کے تربیت یافتہ مولانا عامر عثمانی کا بھی یہی مطالبہ ہے۔ رد شہاب ثاقب پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عثمانی نے مولانا ٹانڈوی کے خلف اکبر مولوی اسعد صاحب کو مخاطب کیا ہے کہ خزینۃ الاولیا، اور ہدایۃ الاسلام سے متعلق جو مولانا ٹانڈوی پر الزام ہے اس کا جواب دینا اسعد سلمہ زید علمہ کی ذمہ داری ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

تجلی، فروری و مارچ ۵۹،

کتاب کے لب و لہجے سے سخت وحشت زدہ ہونے کے باوجود اتنا ہم انصافاً ضرور کہیں گے کہ مصنف نے مولانا مدنی پر ایک الزام بڑا بھیانک اور فکر انگیز لگایا ہے ان کا کہنا ہے کہ جن دو کتابوں خزینۃ الاولیا" اور ہدایۃ الاسلام سے شہاب ثاقب میں بعض اقتباسات دیئے گئے ہیں وہ فی الحقیقت من گھڑت ہیں جن مصنفوں کی طرف انہیں منسوب کیا گیا ہے انہوں نے کبھی ہرگز ہرگز یہ کتابیں نہیں لکھیں"

سرد آہیں گرم آنسو، آنسوؤں میں خون دل
کہہ رہے ہیں اس طرح افسانہ در افسانہ ہم

نوٹ:- اسی کے ساتھ مولانا عثمانی نے مولانا ٹانڈوی کی صفائی میں کچھ جوابات بھی دیے ہیں جن جوابات کو عثمانی صاحب نے خود ہی قیاس اور تک بندی سے تعبیر کیا ہے ناظرین خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگر مجیب ہی کی نگاہ میں جوابات کی حیثیت تک بندی کی ہے تو پھر اس کا وزن ہی کیا رہ جاتا ہے چنانچہ چند سطر بعد عثمانی صاحب رقم طراز ہیں۔

تجلی فروری مارچ ۵۹،

تاہم یہ قیاسات ہیں بلکہ محض عقلی تک بندیاں ہیں حق یہ ہے کہ تحقیقی اور معقول جواب یا تو مولانا مدنی کے بلند اقبال صاحب زادے مولوی اسعد طول عمرہ کے ذمہ ہے یا پھر ان مریدین و متوسلین کے ذمے ہے جو بجا طور پر مولانا کی عقیدت و محبت میں سرشار ہیں۔

نوٹ:۔ مندرجہ بالا عبارت سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ مولانا عثمانی کے پاس اس کا کوئی صحیح جواب نہ تھا ورنہ وہ اس قسم کی لچر تک بندی اور قیاس آرائی کے ہیر پھیر میں پڑنے کے بجائے خود ہی تحقیقی اور معقول جواب دیکر معاملہ صاف کر لیتے البتہ اب مولانا اسعد صاحب سے گزارش ہے کہ اگر میرا مطالبہ ان کے برہمیٔ مزاج کا باعث بن سکتا ہے تو اپنے عثمانی صاحب کی تسکین خاطر کے لئے کوئی جواب مرحمت فرما کر بلاواسطہ نہ سہی بالواسطہ ہی میرا پیغام قبول فرمائیں۔

برگ حنا پہ لکھتا ہوں میں درد دل کی بات
شاید کہ رفتہ رفتہ لگے دلربا کے ہاتھ

اب دیکھنا ہے کہ مولوی اسعد صاحب اپنے والد بزرگوار کی صفائی میں کوئی سنجیدہ اور معقول بیان دیکر اپنے خلف صادق ہونے کا ثبوت دیتے ہیں یا عثمانی صاحب کی طرح قیاس آرائی و تک بندی سے کام لے کر جگ ہنسائی کا موقع دیں گے البتہ بر سر راہ عثمانی صاحب سے ایک ضروری بات عرض کرنی ہے کہ کسی بھی کتاب پر نقد و نظر کرنے سے پہلے اس کے ہر گوشے کی تحقیق کر لینا ضروری ہے۔ مثلاً یہی کتاب رد شہاب ثاقب جو اس وقت موضوع سخن بنی ہوئی ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ رقمطراز ہیں۔

تجلی فروری و مارچ ۱۹۶۱ء

نیز ہو سکتا ہے مصنف کے ذہن میں یہ بھی ہو رہا ہو کہ میں پاکستان میں ہوں یہیں کے عوام میں زیادہ تر میری کتاب اشاعت پائیگی دیو بندی بیچارے مذکورہ کتابوں کی پوٹلی باندھ کر پاکستان آنے اور قریہ بہ قریہ ان کا نظارہ کرانے سے تو رہے ہم یا تو ان کے اعلان کو پی جائیں گے۔ یا اس کی بھی صاف تردید کر دیں گے کہ یہ وہابی کمبخت جھوٹے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان الفاظ کے چھاپ دینے میں ہاتھی گھوڑے تو نہیں لگتے۔

کیوں کسی غیر سے میں شکوہ بیداد کروں
لطف جب ہے کہ تجھی سے تیری فریاد کروں

نوت :- قربان جائے عثمانی صاحب کی اس عقل و دانش پر کہ رد شہاب ثاقب پاکستان میں طبع ہوئی تو آنجناب نے اپنی خوش فہمی سے یہ بھی طے کرلیا کہ اس کا مصنف پاکستانی ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ کتاب تو پاکستان میں چھپی مگر اس کے مصنف مفتی سنبھل مولانا اجمل شاہ صاحب سنبھل ضلع مراد آباد کے رہنے والے ہیں اور سنبھل ان کی مستقل قیام گاہ ہے پھر اس کتاب کی اشاعت ہند و پاک میں یکساں طور پر ہوئی ہے اس لئے اس کی جواب دہی ہند و پاک کے دیوبندیوں پر یکساں طور پر عائد ہوتی ہے۔ سلسلۂ جواب میں اس قسم کی دھاندلی اور تک بندی سے کام نہیں چلتا جس کو جناب عثمانی صاحب نے اختیار کر رکھا ہے۔ بالفرض اگر اس کے مصنف پاکستانی ہوتے تو کیا پاکستان دیوبندیوں سے خالی ہے ؟ یا دیوبندیوں کی طرف سے جواب دینے کے تنہا آپ ہی ٹھیکیدار ہیں۔

علاوہ ازیں یہ تو فرمائیے جب کہ قیاس آرائی و تک بندی کے تحت آپ نے اتنا رکیک حملہ کیا ہے تو کہیں ٹھوس و مدلل جواب ارشاد فرماتے تو نہ جانے کتنی موٹی موٹی گالیوں سے نوازتے ؟ عامر صاحب حالات کی صحیح اطلاع نہ رکھتے ہوئے یونہی بے محابا لکھدینا شاید آپ نے اپنے اکابر سے بطور ورثہ پایا ہے۔ لیجئے آپ کے اطمینان قلب کی خاطر اس کی بھی شہادت حاضر کئے دیتا ہوں۔ اپنے حکیم الامت مولانا تھانوی کا ایک آسمانی و سلطانی قانون ملاحظہ فرمائیے۔

رسم دیار حسن سے نا آشنا تھا میں
لبیک کہہ اٹھا جو پکارا خود آپ نے

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۳۲

آخر میں ایک نہایت اہم اور مفید بات کا لکھدینا بھی میں ضروری سمجھتا ہوں جو حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مجلس میں حضرت شیخ الاسلامؒ کا تذکرہ ہوا تو حضرت حکیم الامت نے فرمایا۔ مولانا حسین احمد کی مخالفت کرنے والوں کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے

نوت:۔

کچھ اشاروں ہی سے کہدے ترے چتوں کے نثار
کس پر تولے ہوئے تلوار ہے ابرو تیرا

اب کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں تھانوی صاحب کے خلفا، و متوسلین صرف اتنا ارشاد فرمائیں کہ مولوی شبیر احمد عثمانی کا خاتمہ کیسا ہوا؟ اس لئے کہ ٹانڈوی صاحب اور عثمانی صاحب کے درمیان غایت درجہ کی مخالفت اور چشمک تھی اس کہانی کو مجھ سے نہیں بلکہ فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبر آبادی صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی زبانی سنئے۔

برہان، دہلی، نومبر سنہ ۵۲ صفحہ ۳۰۸، ۳۰۹

لیکن انھیں خطوط کا وہ حصہ جس میں مولانا نے ملکی سیاست یا معاملات دار العلوم دیوبند کے سلسلہ میں اپنے بعض معاصرین[20] کی نسبت رنج و ملال اور کبیدگی خاطر کا اظہار کیا ہے۔۔۔ چند سطر بعد۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا ٹانڈوی ۱۹۴۲ء کی تحریک کے سلسلہ میں قید فرنگ میں تھے اور دیوبند کے صدر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور مہتمم مولانا محمد طیب تھے کانگریس کی تحریک میں حصہ لینے کے باعث دار العلوم دیوبند میں چند ناگوار واقعات پیش آئے۔ حضرت مولانا " ٹانڈوی " کو ان کی نسبت ان کے بعض حاشیہ نشینوں نے جو اطلاعات جس رنگ میں پہنچائیں مولانا آخر انسان ہی تھے فرشتہ نہیں تھے اور نہ پیغمبر کی طرح معصوم تھے (یعنی مولوی شبیر احمد عثمانی) سے طبعاً رنجیدہ اور ملول ہونا ناگزیر تھا ان خطوط میں اسی ملال کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ جنگ آزادی وطن کے سرفروش سپاہی ۔۔۔ یم سے دلچسپی تھی اور جو نہ مدرسہ کے قواعد و ضوابط کی پروا کرتے تھے ان لوگوں نے توہین و تذلیل کا کوئی ایسا طریقہ نہیں تھا جو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے حق میں اٹھا نہ رکھا ہو چنانچہ مولانا مرحوم نے خود ہم سے کئی مرتبہ انتہائی غمگین اور آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ ان

[1] یعنی مولانا ٹانڈوی [20] اشارہ ہے مولانا شبیر احمد عثمانی کی طرف۔

لوگوں نے دیوبند میں مرا رہنا تو کجا گھر سے نکل کر مسجد تک آنا اجیرن کر دیا ہے۔
اور میں سوچ رہا ہوں کہ ڈابھیل یا حیدر آباد مقیم ہو جاؤں یہ لوگ مولانا رحمۃ اللہ
علیہ کے خلاف قلمی اشتہارات نکالتے تھے اشعار لکھتے تھے اور ان کو گلی گلی اور
کوچہ کوچہ میں مشتہر کراتے تھے مولانا کے سامنے سے گزرتے تو توہین آمیز نعرے
اگاتے ہوئے جاتے تھے۔

نوٹ:- چنانچہ مولانا اکبر آبادی کی اس صاف گوئی پر مکتوبات شیخ کے فاضل مرتب نے رونا رویا ہے کہ گھر کی ڈھکی چھپی باتوں کو طشت از بام نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ملاحظہ فرمائے۔

مکتوبات شیخ جلد اول صفحہ ۲۰

فاضل اکبر آبادی نے راقم الحروف کو طعنہ دیا ہے بے احتیاطی کا اور یہ خیال
نہیں رہا کہ مولانا عثمانی کے بارے میں کیوں بے احتیاطی کے مرتکب ہو کر
مرحوم کی تشہیر ان فقروں کے ذریعہ فرما رہے ہیں،لوگوں نے توہین وتذلیل کا کوئی
طریقہ ایسا نہیں تھا۔ جو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے حق میں اختیار کیا ہو
چنانچہ مولانا مرحوم نے خود ہم سے کئی مرتبہ انتہائی غمگین و آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ
ان لوگوں نے دیوبند میں مرا رہنا تو کجا گھر سے نکل کر مسجد تک آنا اجیرن
کر دیا ہے۔

ایسا نہ ہو یہ درد بنے درد لادوا
ایسا نہ ہو کہ تم بھی مداوا نہ کر سکو

نوٹ:- ناظرین نے مندرجہ بالا واقعات سے اندرون خانہ کے نوک جھونک کا اندازہ کر لیا ہوگا کہ مولانا تھانوی اور مولانا عثمانی میں کتنے شدید اختلافات تھے یہاں تک کہ مولانا تھانوی کے تلامذہ و متوسلین مولانا عثمانی کے خلاف گندے اشتہارات تک نکالتے ان کے خلاف نعرے اگاتے وغیرہ وغیرہ تو اب تھانوی صاحب کے مریدین کو چاہیے کہ وہ تھانہ بھون سے استفتاء کریں کہ آیا مولانا تھانوی ہٹلری قانون کے بموجب مولانا عثمانی کا خاتمہ بالخیر ہوا یا بالسوء؟ جملہ معترضہ کے طور پر جناب ماہر صاحب مدیر فاران کی توجہ چاہتا ہوں کہ آنجناب نے فاران توحید نمبر میں نعرہ رسالت پر بڑی لے دے مچائی ہے کہ اس کا قرآن و سنت سے کہیں ثبوت نہیں ملتا تو خطا معاف کبھی دیوبند کے ان نعروں پر بھی آپ کے کان

کھڑے ہوئے جو مولانا عثمانی کے خلاف بلند کئے جاتے تھے۔ نعرہ رسالت سے تو آپ کا کلیجہ چھلنی ہوگیا مگر دیوبند کے انسانیت سوز نعروں پر آپ کے قلم میں جنبش تک نہ آئی ماہر صاحب یہ بات انتہائی قلق اور دکھ کی ہے کہ توحید نمبر دیکھنے کے بعد یہ رائے قائم کرنی پڑی کہ فاران کا توحید نمبر رسول دشمنی کی جیتی جاگتی تنگی تصویر ہے۔

ہاں میں تھانوی صاحب کے مریدین سے یہ دریافت کر رہا تھا مولانا عثمانی کا کیا انجام ہوا؟ ممکن ہے کہ بسلسلہ جواب یہ بات کہی جائے کہ مرنے سے پہلے دونوں میں صفائی قلب ہو گئی تھی اس لئے میں اس مقام پر اس حقیقت کا بھی اظہار ضروری جانتا ہوں کہ عثمانی صاحب اور ٹانڈوی صاحب کے اختلافات مرتے دم تک رہے! اس کو بھی دراصل دیوبند مولانا اکبر آبادی کے قلم سے ملاحظہ کیجئے۔

برہان دہلی، نومبر سن ۵۲ صفحہ ۳۰۹

اس مجموعہ کے خطوط ۱۲۰، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱ میں ظاہر ہے کہ مولانا ٹانڈوی کا گوشہ نظر مولانا احمد عثمانی اور مولانا محمد طیب کی طرف تھا ان میں سے موخر الذکر تو اس وقت بھی مہتمم تھے اور آج بھی ہیں اور بقید حیات ہیں اس لئے انہوں نے تو اس مجموعہ کے شروع میں جو مقدمہ لکھا ہے اس میں اپنی مخصوص متصوفانہ زبان میں یہ لکھ کر کہ مولانا مدنی کے معاملات کی نوعیت اور افتاد طبع سے واضح ہے کہ ان پر بغض فی اللہ کا غلبہ ہے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلیا اور اس لطیف طریقہ پر کہ غالباً فاضل مرتب کو اس کا احساس بھی نہیں ہوا ورنہ وہ اس کو شریک اشاعت ہی نہیں کرتے رہ گئے مولانا شبیر احمد عثمانی تو وہ اب اس دنیا میں نہیں اس لئے اب کون ان کی طرف سے صفائی پیش کرے اور کون کہے۔

بھول جا گزرے ہوئے دن بھول جا
بعد مردن اب نہ رکھ دل میں ملال

نوٹ:- مولانا اکبر آبادی اپنی نیک نیتی کے تحت اختلافات کے بھول جانے کی تلقین فرمار ہے ہیں شاید کہ انہیں یہ نہیں معلوم کہ مولانا تھانوی کی تلوار بے نیام اب سے پہلے اپنا وار کر چکی ہے یعنی مولانا حسین احمد کی مخالفت کرنے والوں کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ اب دیوبند کی چہار دیواری سے دو چار قدم اور آگے بڑھ کر تھانہ بھون چلئے اور تھانوی

صاحب کے خانہ ساز آئینے میں خود آں بدولت کی تصویر دیکھئے۔

مکتوبات شیخ جلد دوم صفحہ ۲۹۸ صفحہ ۲۹۹ پر ٹانڈوی صاحب رقمطراز ہیں

ہاں ان (تھانوی صاحب) کی رائے در بارہ تحریک آزادی ہند غلط سمجھتا ہوں اس بارے میں میرا یقین کامل ہے کہ میرے اور حضرت تھانوی کے استاذ حضرت شیخ الہند کی رائے نہایت صحیح اور واجب الاتباع تھی"

نوٹ:- اب فرمائیے کہ مولانا تھانوی کا خاتمہ بالخیر ہوا یا بالسوء؟

نہیں کہا جاسکتا کہ مولانا تھانوی نے مولانا ٹانڈوی سے اختلاف مول لے کر اپنا ٹھکانہ کہاں بنایا؟ ظاہر ہے جس کا خاتمہ بالخیر نہ ہوگا اس کو آگ کے انگاروں کے سوا جگہ ہی کیا مل سکتی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں ایک تیر سے دو شکار نہ تو تھانوی صاحب نے عثمانی صاحب کو چھوڑا نہ ہی خود اپنے کو بلکہ اس اختلاف میں قاری طیب صاحب بھی برابر کے شریک ہیں، چنانچہ ملاحظہ فرمائے۔

شیخ السلام نمبر صفحہ ۴۷

البتہ مجھے ان "مولانا حسین احمد" سے حجت کے ساتھ اختلاف ہے اگر وہ حجت ختم ہوجائے تو میں ان کے ماتحت ادنیٰ سپاہی بنکر کام کرنے کو تیار ہوں،

نوٹ:- یہ تو ذیلی بات تھی جو بر سبیل تذکرہ آگئی تھی اب مولانا ٹانڈوی کی بارگاہ میں ان کے عقیدت کیشوں کی والہانہ محبت اور جوش عقیدت کے چند اور نمونے ملاحظہ فرمائے۔

کسی اور کا نہیں بلکہ حضرت شیخ کا تذکرہ ہے۔

جمال یار کی رعنائیاں ادا نہ ہوئیں
ہزار کام لیا میں نے خوش بیانی سے

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۲

اور اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ "یعنی ٹانڈوی" عالم نور میں رہتے ہیں ان کی آنکھوں میں بھی نور ہے ۰ان کے داہنے نور ہے ۰ان کے بائیں نور ہے ان کے چاروں طرف نور ہی نور ہے وہ خود نور ہوگئے ہیں

نوٹ :- دیوبندی عقیدے کی بنیاد پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مر کر مٹی میں مل گئے مگر مولانا ٹانڈوی مرنے کے بعد نورہی نور ہو گئے ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

دیوبندی دھرم میں مولانا محمود الحسن ایک نور تھے اور مولانا ٹانڈوی مرنے کے بعد بھی زندہ ہیں ملاحظہ کیجئے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۴

شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ ایک نور تھے تو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اس نور کی ضیا اور چمک تھے چند سطر بعد دوسرے کالم میں۔

یہ اللہ والے مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں صدیاں گزر جانے پر بھی دلوں میں ان کی روح دوڑتی رہتی ہے اور ان کی محبوبیت بدستور قائم رہتی ہے۔

عشق کرنا ہے تو پھر عشق کی توہین نہ کر
یا تو بیہوش نہ ہو، ہو تو پھر ہوش میں نہ آ

نوٹ :- مولانا ٹانڈوی کی قبر پر ہر وقت میلا جھمیلا لگا رہتا ہے۔ جو ان کی محبوبیت کی دلیل ہے ملاحظہ فرمائے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۴

جو مقبولیت زندگی میں تھی وہی موت کے بعد بھی رہی اور باقی ہے مزار ہر وقت زیارت گاہ بنا رہتا ہے حتی کہ رات کو ایک ایک بجے بھی جانے والے گئے تو مزار پر لوگوں کو پایا۔

نوٹ :- !اگر قاری طیب صاحب کے خاطر نازک کو ٹھیس نہ پہنچے تو ان سے دریافت کرنا ہے کہ مولانا ٹانڈوی کی قبر کا میلا جھمیلا تو ان کی نظر میں دلیل محبوبیت ہے پھر آخر ش اجمیر معلی، بہرائچ شریف، خواجہ قطب، پیران کلیر، آستانہ محبوب الٰہی سے انہیں کیوں پرخاش ہے کہ وہاں کے حاضر باشوں کو کھلے بند بدعتی اور مشرک بنایا کرتے ہیں اور اتنے ہی پر اکتفا نہیں بلکہ پوری منصوبہ بندی سے ان آستانہ جات کو مقفل کرا دینے یا ڈھوا دینے کی پیہم جدو جہد ہے۔؟

اب ٹانڈوی صاحب کی بارگاہ میں مفتی بجنور مولوی عزیز الرحمن صاحب کی بے پر کی اڑان ملاحظہ کیجئے اور جوش عقیدت کی داد دیجئے۔ جناب شیخ کے بارے میں تو حضرات دیوبند کے غلوء محبت کا یہ عالم ہے۔

کبھی جب ذکر چھڑ جاتا ہے ان کا
زباں دو دوپہر ہوتی نہیں بند

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۲۷

میں اپنی صحیح و صادق عقیدت اور محبت کی وجہ سے مجبور ہوں کہ مندرجہ ذیل حدیث کا مصداق آپ کو نہ قرار دوں۔

یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل یطلبون العلم فلا یجدون اعلم من عالم المدینہ الحدیث رواہ مالک

ترجمہ۔ قریب ہے کہ لوگ اونٹوں پر سفر کر کے دور دراز سے علم حاصل کرنے کے لئے آئیں گے پس وہ عالم مدینہ سے بڑھ کر کسی کو عالم نہ پائیں گے نسائی اور حاکم نے حدیث مذکور کی تحسین کی ہے اور سفیان ابن مہدی اور عبد الرزاق نے فرمایا ہے کہ مصداق اس حدیث کا امام مالک ابن انس ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی آیہ من آیات اللہ ہیں۔

پتہ دیتی ہے شوخی نقش پاکی
کوئی اس راہ سے ہو کر گیا ہے

نوٹ:۔ اب معاملہ ناظرین کی عدالت میں پیش ہے کہ مفتی بجنور کو اس اقرار کے باوجود کہ سفیان ابن مہدی اور عبد الرزاق نے فرمایا ہے کہ مصداق اس حدیث کا امام مالک ابن انس ہیں مگر وہ اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ چونکہ ان کی صحیح اور سچی عقیدت و محبت کا یہ کہنا ہے کہ اس حدیث کے مصداق مولانا ٹانڈوی ہیں مفتی بجنور کے پاس اپنے اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ ان پر ٹانڈوی صاحب کی عقیدت کا دباؤ پڑ رہا ہے۔ قرآن و سنت کی دلیل تو میلاد و قیام عرس و نیاز کے لئے چاہئے اپنے مولانا کی قصیدہ خوانی کے لئے محض عقیدت و محبت کا اشارہ کافی ہے۔ اگر مفتی بجنور کو زحمت نہ ہو تو حدیث کے اس گوشے پر بھی روشنی ڈال دیں کہ یہی حدیث سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم عالم غیب ہونے کی بھی روشن دلیل ہے کیونکہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ اگر آقاء دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم مطلع علی الغیب نہ ہوتے تو اس کی خبر ہی کیونکر دے سکتے تھے۔ کہ لوگ دور دراز سے علم حاصل کرنے آئیں گے پس وہ عالم مدینہ سے بڑھ کر کسی کو عالم نہ پائیں گے۔

سچ جانئے یہی حدیث جو مولانا ٹانڈوی کی فوقیت و برتری میں بطور دلیل لائی جارہی ہے اگر اسی حدیث کو علم حبیب مصطفیٰ صلی اللہ علی کے ثبوت میں پیش کیا جائے تو ایک ہی سانس میں نہ جانے کتنے سوالات اس حدیث پر وارد کردئے جائیں گے یہ تو آئے دن کا تجربہ ہے کہ جو حدیث ان کے حق میں مثبت مدعی ہو تو اس کا درجہ حدیث قدسی سے کم نہیں ہوتا لیکن اگر کسی حدیث سے حیات النبی اور علم غیب مصطفیٰ وغیرہ کا ثبوت دیا جائے تو اگر زیادہ نہیں سہی تو کم از کم اس حدیث کو ضعیف ضرور ہی کہدیا جائے گا اور راویان حدیث پر جرح وتعدیل کی بحث کھڑی کردی جائے گی اس مقام پر کہنا یہ ہے کہ سفیان ابن مہدی اور عبدالرزاق جیسے ماہرین فن لاکھ کہتے رہیں کہ اس حدیث کے مصداق مالک ابن انس ہیں مگر دیوبند اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں چونکہ ان کی عقیدت کا اشارہ مالک ابن انس کی طرف نہیں بلکہ مولانا ٹانڈوی کی طرف ہے ان کا کہنا تو یہ ہے کہ

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بتخانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

اب شیخ الاسلام نمبر ہی سے ایک اور حوالہ حاضر کرتا ہوں جس سے علماء دیوبند کی دھاندلی کا صحیح اندازہ ہوسکے گا کہ قوم کی آنکھوں میں دھول جھوک کر یہ حضرات کتنی ہوشیاری سے اپنے تقدس اور اتباع سنت کا پروپگنڈہ کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۵۲

اللہ اکبر ایک واقعہ یاد آتا ہے کہ سیوہارہ میں کچھ خدام مبارک پیروں کے دبانے پر مصر ہوئے جس پر انکار مسلسل فرماتے رہے اور آخر میں فرمایا کہ کیا سنت سے اس کا ثبوت ملتا ہے الغرض حضرت والاقدس سرہ عبادت معاشرت، حتی کہ اذواق ومواجیہہ ہر نوع زندگی میں اتباع سنت کا مظہر کامل تھے۔

نوٹ:۔ ناظرین نے یہ تو پڑھ ہی لیا کہ کچھ خدام مولانا ٹانڈوی کا پیر دبانے پر مصر ہوئے تو مولانا نے یہ کہکر انکار کردیا کہ اس کا ثبوت حدیث سے نہیں ملتا۔ اب اسی موقع پر شیخ الاسلام نمبر کی ایک دوسری روایت ملاحظہ کیجئے جو اس کی ضد ہے جس سے ان کے اتباع سنت کی پوری قلعی کھل جاتی ہے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۳۸

مولانا ابو الوفا قائل ہیں کہ ایک مرتبہ پنجاب سے واپس ہو رہے تھے حضرت " ٹانڈوی " کے علاوہ مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری بھی ساتھ تھے ایک بار مولانا ابو الوفا صاحب کو محسوس ہوا کہ کوئی صاحب ان کا جسم نہایت آہستگی سے دبا رہے ہیں ان کو آرام محسوس ہوا اور انہوں نے یہ سمجھ کر کہ پنجابی حضرات اکثر اس قسم کی ارادت علماء سے کرتے ہیں کوئی تعارض نہ کیا جب کافی دیر ہو گئی تو انہوں نے چادر سے منہ کھول کر دیکھا کہ آخر یہ کون صاحب ہیں دیکھتے ہی بد حواس ہو گئے خود حضرت شیخ الاسلام بدن دبا رہے تھے وہ گھبرا کر اٹھے تو دیکھا کہ مولانا عطاء اللہ صاحب بھی بیٹھے ہوئے اپنا منہ پیٹ رہے ہیں کہ مجھے بھی حضرت نے گنہگار کیا اور اب آپ کی باری تھی "۔

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں تنگ

سیوہارہ میں اگر پیر کا دبوانا خلاف سنت تھا تو پھر پنجاب کی واپسی میں شاہ عطاء اللہ بخاری اور مولوی ابوالوفا کا بدن دبا کر مولانا ٹانڈوی نے خلاف سنت فعل کا ارتکاب کیوں کیا؟ قصہ مختصر یہ ہے کہ سیوہارہ میں آخر ش یہ تعارض و تضاد کیسا؟۔ اس روایت کا یہ ٹکڑا بھی ناظرین کی خصوصی توجہ چاہتا ہے کہ "مولوی ابولوفا نے یہ سمجھ کر کہ پنجابی حضرات اکثر اس قسم کی ارادت علماء سے کرتے ہیں کوئی تعارض نہ کیا یعنی مولوی ابو الوفا صاحب جاگتے ہوئے ہوش و حواس میں اپنا بدن دبواتے رہے اس کی دو ہی صورت ہو سکتی ہے۔ یا تو مولوی ابو الوفا یہ مسئلہ نہ جانتے تھے کہ پاؤں دبوانا خلاف سنت ہے ورنہ پاؤں سمیٹ لیتے اور خادم کو مسئلہ بتا کر رخصت کر دیتے ورنہ پھر یہ کہ دیدہ و دانستہ خلاف سنت فعل کے مرتکب ہوتے رہے۔ اب اس گرہ کو تو مولوی ابوالوفا ہی کے ناخن تدبیر کھول سکیں گے۔

اسی ضمن میں شیخ الاسلام کی ایک اور روایت ملاحظہ کیجئے کہ مولانا ٹانڈوی معصوم تھے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۸۰

ایک خاص نعمت جو اللہ تعالی نے " آپ ٹانڈوی " کو عطا فرمائی تھی وہ تھی تعبیر رویا اس پیکر عصمت کی زندگی نے سیدنا یوسف علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام سے جہاں تقدس و استقامت علی الحق باطل کے مقابلہ میں سینہ تان السجن احب الی

مما یدعوننی کا نعرہ بلند کرنے کا ترکہ پایا تھا وہیں تا دیل احادیث کے تمام شعبے
بالخصوص تعبیر رویا کا کمال بھی حاصل فرمایا تھا۔

عشق کی چوٹ کا کچھ دل پہ اثر ہو تو سہی
درد کم ہو کہ زیادہ ہو مگر ہو تو سہی

نوٹ:۔ قربان جائے اگر آج ہم سنی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیکر نور کہدیتے ہیں تو نجد سے سہارنپور تک تہلکہ مچ جاتا ہے کہ عبد اللہ کا وہ بیٹا جو ہمارا ہی جیسا بشر تھا اس کو پیکر نور کہا جا رہا ہے مگر اجودھیا باشی مولانا ٹانڈوی کو پیکر عصمت لکھتے ہوئے غیرت نہ آئی ایک وہ انسان جو سراپا خطا و نسیان ہو اس کی معصوم کیونکر کہا جاسکتا ہے۔ جب کہ یہ مسلمات سے ہے کہ پیکر بشری و صفوف انسانی میں صرف انبیاء و رسل ہی کو معصوم کہا جاسکتا ہے! یہاں تک کہ صحابہ، تابعی، اہل بیت، اولیا، شہدا اصالحین ان میں سے کسی کو بھی معصوم کہنا درست نہیں۔ چنانچہ اہل سنت و اہل تشعہ کا یہ ایک نزاعی مسئلہ ہے کہ ائمہ کو معصوم کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اہل تشعہ ائمہ کی عصمت کے قائل ہیں مگر اہل سنت کو اس سے اختلاف ہے۔ اس کے باوجود حضرات دیوبند کی نظر میں مولانا ٹانڈوی پیکر عصمت تھے اور سرکار دو عالم انہیں جیسے بشر!

یہ ہے دیوبندی مشن کا نقطۂ فکر اور اور مطمح نگاہ کہ اپنے مولانا کو حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کے دوش بدوش بٹھاؤ اور آقاء دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا جیسا بشر اور گاؤں کا چودھری کہ کر اپنی ہی صف میں انہیں جگہ دو۔ محبوب خدا کے لئے تو یہ قانون ہے کہ ان کی تعریف بشر جیسی کر دیا اس سے بھی کم درجہ کی۔ مگر مولانا ٹانڈوی کو سراپا نور اور پیکر عصمت کہو اور جہاں کہیں موقع مل جائے انبیاء و رسل سے بھی دو چار ہاتھ آگے بڑھا دینا۔

لیجئے شیخ الاسلام ہی سے اس کی بھی شہادت پیش کئے دیتا ہوں۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مولانا ٹانڈوی کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کی۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۵۴

حضرت سیدنا ابراہیم السلام گویا کسی شہر میں جامع مسجد کے قریب ایک حجرہ میں تشریف فرما ہیں اور متصل ایک دوسرے کمرے میں کتب خانہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کتب خانہ سے ایک مجلد کتاب اٹھائی جس میں دو کتابیں

تھیں ایک کتاب کے ساتھ دوسری کتاب تھی وہ خطبات. جمعہ کا مجموعہ تھا اس مجموعہ خطب میں وہ خطبہ نظر انور سے گزرا جو مولانا حسین احمد مدنی خطبہ. جمعہ پڑھا کرتے ہیں جامع مسجد میں بوجہ. جمعہ مصلیوں کا مجمع بڑا ہے مصلیوں نے فقیر سے فرمائش کی کہ تم حضرت خلیل اللہ سے سفارش کرو کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام مولانا مدنی کو. جمعہ پڑھانے کا ارشاد فرمائیں فقیر نے جرات کر کے عرض کیا تو حضرت خلیل علیہ السلام نے مولانا مدنی کو. جمعہ پڑھانے کا حکم فرمایا مولانا مدنی نے خطبہ پڑھا اور نماز. جمعہ پڑھائی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مولانا مدنی کی اقتداء میں نماز. جمعہ ادا فرمائی فقیر بھی مقتدیوں میں شامل تھا فالحمد اللہ علی ذالک حمدا کثیرا کثیرا حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام ضعیف العمر تھے ریش مبارک سفید تھی۔

میں سمجھتا ہوں تری عشق گری کو ساقی
کام کرتی ہے نظر نام ہے پیمانے کا

نوٹ:۔ ہمیں اس مقام پر اس سے بحث نہیں کہ اس قسم کے عوامی خواب کو کسی کی تعریف توصیف میں بطور سند پیش کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور نہ تو یہی بحث چھیڑنی ہے کہ حضرات دیوبند اپنے اکابر کے فضائل و مناقب خواب ہی کے راستے کیوں ثابت کرتے ہیں ۔البتہ ماتم تو یہ کرتا ہے کہ اس بدنصیب نے جب خواب میں مولانا ٹانڈوی اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ دونوں کو دیکھا تو حضرت خلیل اللہ کے بجائے ٹانڈوی سے نماز. جمعہ پڑھانے کی درخواست کیوں کی؟ بالفرض اگر مصلیوں کی خواہش پر حضرت خلیل اللہ نے ٹانڈوی صاحب کو نماز. جمعہ پڑھانے کا اشارہ کیا تو چاہئے یہ تھا کہ مولانا ٹانڈوی اس کو سوء ادب سمجھتے ہوئے عرض کرتے کہ ایک نبی کی موجودگی میں غیر نبی کو امامت کا حق نہیں پہنچتا اور آج ہم سب کی سعادت اسی میں ہے کہ اللہ کے ایک برگزیدہ پیغمبر کی اقتداء میں اپنی نماز. جمعہ ادا کریں مگر یہاں کا عالم تو یہ ہے کہ "اونٹ کا کوئی کل سیدھا نہیں" پیر و مرید دونوں عظمت نبوت کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔

تعجب ہے کہ مولانا محمد میاں ناظم جمیعتہ العلماء پر جو شیخ الاسلام نمبر کے مرتب ہیں انہوں نے اس روایت کو شریک اشاعت کیوں کرلیا؟

اے دوستو : اب یہ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے کہ ایک نبی کی موجودگی میں غیر نبی کے پیچھے نماز پڑھنا قابل حمد و شکر ہے یا لائق تاسف؟

اگر یہ زیارت خواب ہی میں نصیب ہوئی تاہم ٹانڈوی کے پیچھے تو اور بھی دنوں میں نماز پڑھی جا سکتی تھی مگر فیروز بختی اس میں تھی کہ خواب ہی میں مسجد کے ایک نبی کی اقتداء میں نماز ادا کر لی جاتی۔

کہنے والے نے سچ کہا ہے

چمن کی بات ہو یا بزم مے کا نام آئے ۔۔۔ لبوں پہ تذکرہ یار آ ہی جاتا ہے

مولانا ٹانڈوی کے ساتھ ان کے نیاز مندوں اور پجاریوں کی داستان محبت بہت طویل ہے اگر یہ واقعات اسی بسط و تفصیل سے قلمبند کئے گئے تو کتاب کی ضخامت کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہے اس لئے اب اختصار سے کام لیتے ہوئے چند حوالہ جات اور حاضر کئے جاتے ہیں۔ مولانا ٹانڈوی انسانوں کی تقدیر و تصویر بدل دیتے تھے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۵۵

میرے بزرگوں اور دوستو کیا یہ زندہ کرامت نہیں ہے کہ میں آوارہ گردوں کی صف اول میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور استاذ کہلاتا تھا مگر آج ۱۹۵۰ء میں شیخ الاسلام کے غلاموں میں ممتاز حیثیت دی گئی ہے مجاز کہلاتا

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا ۔۔۔ نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

نوٹ :۔ مولانا ٹانڈوی کی نظر کرم نے گداؤں کو شہنشاہی دی۔ شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۵۴

آج اس مشفق مربی شیخ کامل کا ساتھ ہے ۔۔۔ جس کی نظروں سے گداؤں کو شہنشاہی ملے

نوٹ :۔ جی ہاں مولانا ٹانڈوی کی ایک نظر کرم گدا، بینوا کو تاج شاہانہ عطا کرتی تھی اور لوگوں کی تقدیر بدل دیتی تھی۔

مگر جس کا نام محمد یا علی وہ کسی چیز کا مختار نہیں"

اور سنئے مولانا ٹانڈوی اس دور کے عبد اللہ ابن مبارک تھے

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۴۸

ایک مرتبہ مجھکو سوتے میں یہ آواز آئی کہ مولانا حسین احمد صاحب اس دور کے عبد اللہ ابن مبارک ہیں۔

نوت :- عبداللہ ابن مبارک ہی نہیں بلکہ خلاصہ کائنات تھے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا یعنی

خدا کے لئے یہ تو مشکل نہیں
ہو عالم کا مجموعہ اک فرد واحد

مولانا ٹانڈوی امت کے آخری سہارا تھے۔ اب آج کے دیوبندی بالکل بے سہارے و بے یار و مددگار ہیں۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۹۷

مگر اب آہ میرے مسیحا! دنیا میں تو اس وقت قیامت برپا ہے امت مرحومہ کا تو ہی ایک سہارا تھا سو قیامت میں ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا کیا خوب ہے۔

جاتے ہوئے کہتے ہیں قیامت میں ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

مولانا ٹانڈوی کی موت سے شریعت و طریقت کی عظمت لٹ گئی۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۹۹

ان کی موت سے شریعت و طریقت کی عظمت لٹ گئی علم و عرفاں کی بزم سونی ہو گئی۔ سلوک و تصوف کی خانقاہ اجڑ گئی عزم و استقلال کے بلند منارے زمین کے برابر ہو گئے

نوٹ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ہر دیوبندی اچھی طرح جانتا پہچانتا ہے کہ پیغمبر خدا دیوبندیوں کے بڑے بھائی تھے۔ انہیں جیسے بشر تھے اپنی امت میں ان کا مرتبہ اتنا ہی بلند تھا جیسے گاؤں کا چودھری وغیرہ وغیرہ مگر مولانا ٹانڈوی کے فضائل و کمالات کا اندازہ کرنا یہ ہر انسان کا کام نہیں ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۶۷

آپ کے فضائل علمیہ اور کمالات باطنیہ کی صحیح اطلاع یا تو خداوند قدوس ہی کو ہو سکتی ہے۔ یا ان اولیاء کرام اور علماء ربانین کو ہو سکتی ہے جن کو مبداء فیاض نے چشم بصیرت عطا فرمائی ہے ہم جیسے کور چشم آپ کی ذات قدسی صفات کو کیا پہچان سکتے ہیں

نوٹ :۔ مولانا ٹانڈوی کے فضائل علمی کمالات باطنی کی باری آئی تو سارے دیوبندی چوندھیا گئے آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ ان کے فضائل و کمالات کی اطلاع یا تو ذات احدیت کو ہو سکتی ہے (ہو سکتی ہے سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ بالفعل اطلاع نہیں ہے اگر چاہے تو مطلع ہو سکتا ہے) یا پھر وہ اولیاء کرام جنہیں مبداء فیاض سے چشم بصیرت ملی ہو مگر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہر دیوبندی اچھی طرح جانتا ہے کہ انہیں پیٹھ پیچھے کی خبر نہ تھی، دیوار کے پیچھے کا علم نہ تھا۔ وہ غیب نہیں جانتے تھے، آخر ش یہ رسول دشمنی نہیں تو اور کیا ہے؟ ایک اور نیا لطیفہ سنئے مولانا ٹانڈوی کی موت پر شاداب پھول پژمردہ ہو گئے اور پانی سیاہ ہو گیا۔

کون اس باغ سے اے باد صبا جاتا ہے
رنگ رخسار سے پھولوں کے اڑا جاتا ہے

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۵۹

مولوی شوکت علی بمبوی متعلم دار العلوم دیوبند حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے چمپا کے پھول لائے ایک بوتل میں پانی بھر کر پھول اس میں ڈالدیئے گئے۔ اس طرح خوشنما بھی معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان کی عمر بھی چار ماہ ہو جاتی ہے یعنی چار ماہ تک پژمردہ نہیں ہوتے حضرت ٹانڈوی نے اس ہدیہ کو مسرت سے قبول فرمایا اور حکم دیا یہ بوتل ان کے کمرے میں میز پر رکھ دی جائے چار ماہ کے بجائے تین سال اور تین ماہ گزر گئے تھے پھول اسی طرح تر و تازہ تھے ان کی تازگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا مگر افسوس پانچ دسمبر[1]، ۵ کے حادثہ جانکاہ کی تاب وہ بھی نہ لاسکے اور دفعتاً ان کی تازگی پژمردگی سے بدل گئی وہ سارے پھول سیاہ ہو گئے حتی کہ پانی میں سیاہی کا اثر آگیا۔

نوٹ :۔ شیخ الاسلام نمبر سے جتنے بھی شواہد پیش کئے جارہے ہیں وہ ناظرین کے حق میں لمحہ فکریہ کی حیثیت رکھتے ہیں مقصود نگارش اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے کہ قارئین علماء دیوبند کی رسول دشمنی اور پیر پرستی کا موازنہ فرماتے ہوئے ان کے مشن کا صحیح جائزہ لیں بات اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہی جارہی ہے یہ کچھ بھی ہے انہیں کے گھر کا منتشر سرمایہ ہے

---

۱ تاریخ موت مولانا ٹانڈوی

جس کو میں نے سمیٹ کر یکجا کر دیا ہے۔ مذکورہ بالا روایت کے تحت ناظرین خیال فرمائیں کہ اگر پانی مسلسل تبدیل ہوتا رہے تو چمپا کی عمر زیادہ سے زیادہ چار ماہ کی ہوجاتی ہے مگر حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچنے کے بعد اس کی عمر ۳ سال اور ۳ ماہ کی ہوگئی اور ۵ دسمبر ۵۰ء جو مولانا ٹانڈوی کی تاریخ موت ہے اس حادثہ جھٹکا وہ بھی برداشت نہ کرسکا اور پژمردہ ہوگیا۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ پھول و پانی دونوں سیاہ ہوگئے۔" نہ جانے کتنی سیاہ روح تھی نتیجہ یہ نکلا کہ پھول کی عمر کا بڑھنا اور اس کا یکایک پژمردہ ہونا صاف شفاف پانی کا سیاہ ہوجانا یہ تمام چیزیں مولانا ٹانڈوی کے زیر اختیار و اقتدار تھیں۔ اب انصاف پسندی کا تقاضہ ہے کہ تقویۃ الایمان کا قانون یہاں جاری کیا جائے "اللہ صاحب کے اختیارات کسی بندے کو دنیا ایسے ہی ہے جیسے بادشاہ کا تاج چمار کے سر پر رکھ دیا جائے گا" مگر یہ سارے قوانین تو سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بارگاہ میں نافذ کئے جاتے ہیں بات مختصر سی یہ ہے کہ محبوب خدا کو گھٹانا اور اپنے علماء کو بڑھانا یہ دیوبندی مشن کا مطمح نگاہ اور کعبہ مقصود ہے۔ اسی ضمن میں ایک روایت اور بھی ملاحظہ فرمائے کہ مولانا ٹانڈوی کے حکم پر دھوپ اور چھاؤں ہوتی تھی۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۷۱

حضرت مولانا ٹانڈوی اور میاں سید بشیر الدین صاحب حضرت مولانا ٹانڈوی کی سسرال قتال پور ضلع اعظم گڑھ جارہے تھے تینوں آدمی گھوڑے پر سوار تھے گرمی کی شدت سے پریشان تھے میں نے حضرت مولانا ٹانڈوی سے عرض کیا کہ دھوپ کی شدت سے سخت پریشانی ہے حضرت مولانا خاموش رہے تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور بڑھتے بڑھتے ہم لوگوں پر سایہ فگن ہوگیا اور نہایت آرام سے ہم لوگ چلنے لگے تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ دور سے پانی آرہا ہے میں نے حضرت "ٹانڈوی" سے عرض کیا کہ حضرت وہ دھوپ ہی اچھی تھی اب تو بھیگے ہوئے سسرال پہنچیں گے۔ حضرت مولانا پھر خاموش رہے یہاں تک کہ پانی سر پر آگیا لیکن خدا کی قدرت ہر چہار طرف پانی برس رہا تھا، گھوڑے پانی پر چل رہے تھے لیکن ہم لوگوں پر پانی کا کوئی قطرہ نہیں پڑ رہا تھا۔

نوٹ:۔ اگر آج ہم لوگوں کے زبان و قلم سے یہ نکل جائے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ

علیہ وسلم یہ جانتے تھے کہ بارش کب ہوگی تو منہ چھٹتے ہی ہمیں مشرک کہا جاتا ہے لیکن مولانا ٹانڈوی صرف یہ نہیں کہ بارش کب ہوگی بلکہ دھوپ، چھاؤں کا ہونا اور بارش بھی ایسی کہ ارد گرد ہو مگر پانی کا کوئی قطرہ مولانا ٹانڈوی اور ان کے ساتھیوں پر نہ پڑسکے۔ یہ ساری باتیں ان کے اختیار میں تھیں گویا یہ کہ جس قدر بھی نظام عالم ہے وہ سب علماء دیوبند کے قبضہ قدرت میں ہے یہی وجہ ہے کہ مولانا تھانوی جب گھر سے باہر نکلتے تو ابر کا سایہ ہوجانا ضروری تھا، پھول کا شاداب رہنا، اس کا مرجھانا، پانی کا سیاہ ہونا، ابر کا آنا اور بارش کا ہونا یہ سب مولانا ٹانڈوی کے اختیارات تھے۔

اسی لئے تو حضرات دیوبند کا یہ کہنا ہے کہ مولانا ٹانڈوی انسان نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی کبریائی پر پردہ ڈال کر اتر آیا تھا، حوالہ جلد اول میں گزر گیا ہے۔ اور مولانا ٹانڈوی پیکر عصمت تھے۔ ایسے ہی مولانا تھانوی کو اپنے اکمل ہونے کا یقین تھا جس کے نتیجے میں اپنے مریدین سے **لاالہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ** پڑھواتے تھے اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ان حضرات کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات و مراتب وہی دل و دماغ تسلیم کرسکتا ہے جس کو گڑھے ہوئے کشف و کرامات سے بوجھل بنا دیا گیا ہو۔ اور ایسے ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا جیسا بشر اور گاؤں کا چودھری وہی بدنصیب کہہ سکتا ہے جو آقاء دوجہاں کے فضائل و کمالات سے قطعاً ناآشنا ہو یہی وجہ ہے کہ علماء دیوبند اپنے بزرگوں کو قصیدہ خوانی میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں اور رسول خدا کے بارے میں یہ تلقین کی کہ وشر جیسی تعریف کرو بلکہ اس سے بھی کم درجہ کی۔ اب یہیں پر مولانا ٹانڈوی جیسے صاحب کشف و کرامات کی دھنگا مشتی ملاحظہ کیجئے اور اندازہ کیجئے کہ وہ کن بزرگوں میں تھے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۵

والد صاحب چونکہ حضرت حاجی امداد اللہ و حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند کی صحبت و خدمت میں عرصہ دراز تک رہے اس لئے حضرت کو ان سے گہرا تعلق تھا بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ والد صاحب ایک مرتبہ دیوبند آپ کی خدمت میں حاضر تھے حضرت "ٹانڈوی" نے فرمایا مٹھائی کھلائیے والد صاحب نے فرمایا کہ مٹھائی تو آپ کھلائیے میں اپ کا مہمان ہوں مگر حضرت نے نہ مانا کچھ دیر تو اصرار کیا لیکن جب اس طرح کام نہ چلا تو حضرت مولانا "ٹانڈوی" نے والد

صاحب کو پچھاڑ کر ان کی جیب سے روپیہ نکال کر مٹھائی منگائی۔

نوٹ:۔ راوی یہ لکھنا بھول گیا کہ مولانا ٹانڈوی نے جب اس کے والد کو پچھاڑا تھا تو طلباء نے جوش مسرت میں قہقہے ہی پر اکتفا کیا یا نعرہ تکبیر بھی بلند کی تھی، بہر کیف خواہ قہقہے لگے ہوں یا نعرہ تکبیر کی صدائیں گونجی ہوں ہمیں تو ایک لمحہ کے لئے ناظرین کو صفحہ کتاب سے ہٹا کر دیوبند کے دار الحدیث میں لے جانا ہے اور دنیا لئے تصور میں اکھاڑ پچھاڑ کر یہ حسین منظر کہ مہمان نیچے ہے اور کئی من کا لاشہ اس کے سینے پر بیٹھ کر جیب سے روپیہ نکال رہا ہے اور یہ پچھڑا ہوا انسان مولانا ٹانڈوی کی جھاڑ پھونک سے چاروں شانہ چت نہیں ہوا بلکہ لفظ "پچھاڑنا" خود بتا رہا ہے کہ کچھ دیر تک ہاتھا پائی ہوتی رہی اور داؤں پیترے چلے اس کے بعد کہیں مولانا ٹانڈوی اس پر قابو یافتہ ہوئے یہ ہیں حضرات دیوبند کے کھدر پوش اجودھیا باشی شیخ الاسلام جو انسان نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی کبریائی پر پردہ ڈال کے آگیا تھا۔

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

۱۹۲۹ء میں امروہہ میں جمعیۃ العلماء ہند کا جو عظیم الشان اجلاس ہوا تھا اس موقع پر آم چل رہے تھے ہمارے یہاں مولانا ٹانڈوی کو دعوت دی گئی حضرت کے ساتھ مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب بھی تھے۔ گھر میں جب حضرت تشریف لائے تو گوشت کی ہانڈی پکی رکھی تھی حضرت نے ازراہ خوش طبعی و بے تکلفی ہانڈی سے ہی دہان مبارک لگا کر شوربہ پینا شروع کر دیا جملہ ہمراہی بشمول حضرت مفتی صاحب یہ دلچسپ منظر دیکھ کر بے ساختہ قہقہ لگانے پر مجبور ہو گئے۔

اُٹھو و گرنہ حشر نہ ہوئے گا پھر کبھی
دیکھو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

نوٹ:۔ کہاں تو اتباع سنت کا یہ عالم کہ سیپارہ میں پیر کا دبوانا خلاف سنت سمجھا گیا اور امروہہ پہنچ کر احتیاط و تقوی کا سارا نشہ ہرن ہوگیا۔ یہاں تک کہ میزبان سے استفسار کئے بغیر ہانڈی سے منہ لگا کر شوربہ پینا شروع کردیا۔ **دوستو!** مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ایک واقعہ یاد پڑتا ہے کہ ایک بار جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ازراہ شفقت و عنایت حضرت بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ کے کاشانہ پر تشریف لائے حضرت بریدہ نے چولھے پر ہانڈی چڑھا رکھی تھی آقائے نعمت جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بریدہ ہانڈی میں کیا ہے عرض کیا یارسول اللہ اس میں گوشت ہے سرکار نے ازراہ تلطف و مہربانی ارشاد فرمایا کیا اس میں مرا بھی حصہ ہے حضرت بریدہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ صدقہ کا گوشت ہے اور سرکار نے اپنے اوپر صدقہ حرام فرمایا ہے یہ سن کر آقاء دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ ارشاد فرمایا۔

لک صدقة و لنا هدية اے بریدہ یہ تمہارے لئے تو صدقہ ہے مگر ہمارے لئے ہدیہ ہے۔ عرض یہ کرنا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وزندگی میں یہ بات نہیں ملتی کہ حضور نے بریدہ سے دریافت کئے بغیر ہانڈی سے کچھ نکالا ہو چہ جائیکہ منہ لگا کر شوربہ پینا اور تعجب ہے کہ دیوبندیوں کے مفتی اعظم مولوی کفایت اللہ صاحب جو بات بات میں استرا استرا کہہ کر سمجھانے کے عادی تھے وہ بھی اس دھماکہ چوکڑی میں شریک تھے حالانکہ ان کی ذمہ داری تو یہ تھی کہ وہ مولانا ٹانڈوی کو مسئلہ سے آگاہ کرتے کہ فقہاء نے مہمان کو خوان کے بچے ہوئے شوربے کو پینے سے منع فرمایا ہے چہ جائیکہ دستر خوان پر آنے سے پہلے ہی اس کا صفایا کر کے میزبان کی ہانڈی لوٹی جائے

اب دو ایک روایتیں اور بھی ملاحظہ فرمائیے جو مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا ٹانڈوی کے مرض الموت سے متعلق ہیں۔ مگر اس سے پہلے سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالی عنہ پر دیوبندی گروپ کا ایک ناروا و جارحانہ حملہ کا ملاحظہ کر لینا ضرور ہے۔

وفاداری مرا شیوہ جفا کاری شعار ان کا
میں اپنی سی کہے جاؤں وہ اپنی سی کئے جائیں

رسالہ الاحسان جلد دوم شمارہ نمبر۱ محرم الحرام ۱۳۷۵ھ ستمبر ۱۹۵۵ء زیر عنوان مسائل شرعیہ صفحہ ۳

اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے متخلفین سے یہ وصیت کر جائے کہ میرے لئے ہفتہ میں دو تین بار فلاں فلاں کھانوں میں سے کچھ اشیاء بھیج دیا کریں اور منجملہ ان اشیا کے دودھ کا برف خانہ ساز بھی ہو تو قابل غور بات یہ ہے کہ اگر کوئی خلف صادق دسمبر اور جنوری میں اس وصیت پر عمل کر گزرے تو نہ جانے اس شخص کا عالم قبر میں کیا حال ہوگا اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ فاتحہ کا ایصال ہوگا یا ایصال عذاب!

نوٹ:۔ الاحسان کی مندرجہ بالا عبارت وصایا شریف سے متعلق ہے احسان فروش ایڈیٹر کو زحمت نہ ہو تو اپنے گھر کی ایک کہانی سن لیں۔

وصایا شریف کا یہ جملہ "دودھ کا برف خانہ ساز ہو" تو آپ کی نظر میں کھٹک گیا مگر یہ خیال نہ رہا کی اس وصیت میں غرباء و مساکین کی کتنی رعایت ہے وصیت کرنے والا خود اپنے لئے بے چین نہیں ہے بلکہ اس کی خواہش یہ ہے کہ میری فاتحہ میں مریدین و متوسلین کے ساتھ غرباء و مساکین کو عمدہ چیزیں دستیاب ہو جائیں جو ان کی فرحت و انبساط کا زیادہ باعث ہوگی چونکہ ناداروں کو اچھی چیزیں مشکل سے دستیاب ہوتی ہیں۔

یہ بات تو قابل تعریف ہے نہ کہ لائق مذمت۔

البتہ اب اپنے بزرگوں کی شکم پروری و لذت نفس کی روایت ملاحظہ کیجیے کہ مرض الموت میں کلمہ و درود پڑھنے یا عزیز و اقارب و غرباء و مساکین کے حق میں کلمہ خیر کہنے کے بجائے سردہ اور ککڑی کے لئے دل بے چین تھا اور زبان پر روح اٹکی ہوئی تھی یہاں تک کہ مرتے مرتے مولانا ٹانڈوی کے لئے لاہور اور کراچی سے سردہ منگایا گیا اور مولانا قاسم کے لئے لکھنؤ سے ککڑی منگائی گئی۔ اب فرمائیے ان حضرات کے بارے میں کیا فیصلہ ہے؟

تمناؤں کی قتل عام کیوں ہے سوچنا ہوگا
ہمیں پر بارش احکام کیوں ہے سوچنا ہوگا

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۱۳

کون سمجھ سکتا ہے کہ اس خواہش میں بھی سنت اسلاف اور طلب رضاء الہی کا

کہاں تک جذبہ تھا اور اپنی طبعی خواہش کا کیا حصہ تھا اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ حضرت نانوتوی کے لئے لکھنؤ سے ککڑی منگوائی گئی تھی تو حضرت "ٹانڈوی" کے لئے مولانا سجاد حسین صاحب کی معرفت کراچی سے اور مولانا حامد میاں صاحب نے لاہور سے سردہ بھیجا۔

مرا ہی نام زمانہ نے کردیا بدنام
میں جس کے نام پہ مرتا ہوں اس کا نام نہیں

نوٹ:۔ مدیر احسان فروش کو اب تو ہوش آیا ہوگا کہ ان کے اکابر کی جان اس وقت تک نہ نکلی جب تک کہ سردہ اور ککڑی سے پیٹ نہ بھرلیا۔

یہ بھی کیا خوب رہی کہ سردہ اور ککڑی کے طلب کرنے میں طلب رضا الٰہی کو دخل تھا" مارے گھٹنا پھوٹے آنکھ "۔ والا مضمون ہے۔ طلب رضا الٰہی اور کجا لذت نفس و طبعی خواہش آخرش یہ کیا بے جوڑ پیوند ہے۔ سچ جانئے عقیدت و محبت کے روگی مریض غلو محبت میں حقائق سے منہ موڑ کر کچھ ایسی ہی اٹانگ سٹانگ ہانکا کرتے ہیں۔ سیدنا امام احمد رضا کی وصایا شریف میں کیڑے نکالنے والے کبھی اپنے اکابر کے ہائے پیٹ دہائے نفس کا نعرہ سماعت فرمائیں تو وصایا کی عبارت خود ہی سمجھ میں آجائے گی۔ ہاں ایک بات یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ اگر ککڑی اور سردہ کے طلب کرنے میں طلب رضاء الٰہی کو دخل تھا اور ساتھ ہی ساتھ سنت اسلاف کا جذبہ بھی کار فرما تھا تو سنت اسلاف کا یہ جذبہ محض ککڑی اور سردہ ہی کھانے تک محدود تھا یا میلاد و قیام تک بھی اس کی رسائی تھی۔ اس کو تو آپ بھی جانتے ہوں گے کہ آپ سب کے روحانی لکڑ دادا حاجی امداد اللہ صاحب سال میں محفل میلاد شریف منعقد کرتے اور کھڑے ہوکر سلام پڑھنے میں لذت محسوس فرماتے۔

پھر کیا ہوا کہ میلاد و قیام کے اتباع میں آپ حضرات نے اپنے اسلاف سے رشتہ و ناطہ توڑ دیا۔ یا اب آپ لوگوں کے یہاں حاجی امداد اللہ صاحب اسلاف کے بجائے اخلاف میں شمار کئے جانے لگے یہ تو وہی مضمون ہے! "میٹھا میٹھا ہڑپ اور کڑوا کڑوا تھو" قارئین اس حقیقت کو کبھی بھی فراموش نہ فرمائیں کہ شریعت سے مذاق و استہزا علماء دیوبند کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے لذت نفس پر طلب رضاء الٰہی کا لیبل اور میلاد شریف کو کنہیا کے جنم سے تشبیہ

دینا یہ تو ان کی صبح و شام کا مشغلہ ہے مذکورہ بالا روایت کی تفصیلی کڑی بھی ملاحظہ کر لیجئے تو بات آگے بڑھائی جائے۔

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۱۴

کچھ اتفاق ہے کہ عموماً تمام مشائخ اور خصوصا مولانا محمد قاسم نے آخر وقت میں پھل کی خواہش کا اظہار فرمایا چنانچہ مولانا محمد قاسم کے لئے لکھنو سے ککڑی منگائی گئی تھی حضرت (ٹانڈوی) نے بھی آخر میں "سردے" کی خواہش کا اظہار فرمایا اور منجانب اللہ اسلاف کی سنت پر طبیعت اس درجہ مجبور ہوئی کہ جب مولانا محمد قاسم اور مولانا محمد شاہد فاخری ملاقات کو تشریف لائے تو فرمایا کہئے کیا آج کل سردا نہیں مل سکتا انہوں نے عرض کیا حضور ضرور مل جائے گا۔

چونکہ اس سے قبل مولانا اسعد صاحب مولانا فرید الوحیدی صاحب وغیرہ نے دہلی ،سہارن پور ،میرٹھ ہر جگہ تلاش کیا مگر کہیں دستیاب نہ ہوا

نوٹ:- وصایا شریف پر اعتراض کرنے والے کبھی گریباں میں منہ ڈالکر اپنے اسلاف و بزرگوں کی خواہش نفس کا جائزہ لیں۔

اور اتنا ہی نہیں کہ محض ککڑی اور سردہ کے لئے ان کے اکابر نے سر پیٹا ہو بلکہ موت کے چنگل میں کلمہ درود و سورہ یسین پڑھنے و پڑھانے کے بجائے مولانا ٹانڈوی "الو" کا تذکرہ کر رہے تھے ملاحظہ فرمائیے

گلشن، قفس، بہار گریبان، جنوں خرد
مربوط ان سے بزم خرابات ہو گئی

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۱۴

والدہ سے پوچھا کیا ابھی ٹانڈے میں تمہارے مکان پر الو ،بولتا ہے "ہمیشہ صبح کے وقت ایک مخصوص مقام پر بیٹھ کر وہاں الو بولتا رہا ہے" والدہ نے عرض کیا جی ہاں ،فرمایا ہاں ہمارے بچپن میں اس جگہ املی کا بہت بڑا درخت تھا اس پر ہمیشہ ایک "الو" بولتا تھا۔ وہ حسب عادت آج بھی بولتا ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت یہ کیا ضروری ہے کہ جو اس وقت بولتا تھا آج بھی وہی ہو۔ ہاں بھائی اس کی عمریں

چھ چھ سو سال تک کی ہوتی ہیں۔ پھر والدہ سے مخاطب ہوئے "اللہ داد پور" ہمارے بچپن میں اس قدر آباد تھا کہ حیرت ہوتی ہے وہ سب لوگ کہاں گئے فرمایا کہ والدہ کہتی تھیں کہ ایک زمانہ میں ہر طرف بڑے بڑے لوگوں کی چارپائیاں بچھی ہوئی ہوتی تھیں اور مال و دولت کی فراوانی تھی لوگوں کی کثرت تھی پھر والدہ سے اظہار رائے کے طور پر فرمایا کہ اس "الو" کے بارے میں سنا ہے کہ یہ بہت ہی منحوس ہوتا ہے والدہ نے کہا جی ہاں جہاں بولتا ہے وہ جگہ اجاڑ ہو جاتی ہے فرمایا کہ سب تو مر گئے اب کسے لے جانا چاہتا ہے۔

نوٹ:۔ اس روایت کا آخری ٹکڑا قابل غور ہے کہ سب تو مر گئے اب کسے لے جانا چاہتا ہے یعنی مولانا ٹانڈوی قضاو قدر سے نہیں مرے بلکہ انہیں "الو" لے گیا اور انہیں کو کیا بلکہ پورے خاندان کو وہی ایک "الو" لے گیا۔ الو کی نحوست پر اتنا اعتماد و بھروسہ کہ خداوند قدوس سے بھی اعتماد و توکل جاتا رہا۔

ع کہا کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے

اب شیخ الاسلام نمبر سے ایک ایسی روایت پیش کرتا ہوں جو علماء دیوبند کی ایک بہت ہی معرکتہ الآراء بحث پر ضرب کاری کا کام کرتی ہے جس بحث کا تذکرہ مدیر فاران نے بھی توحید نمبر میں بڑی شدو مد سے کیا ہے۔ پہلے فاران کی بات سنئے پھر شیخ الاسلام نمبر کی روایت:

فاران توحید نمبر صفحہ ۴۰

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس درخت کے نیچے صحابہ کرام سے بیعت لی تھی اور جس کا ذکر خود قرآن کریم میں آیا ہے اور **لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرہ** یہ درخت برکت کا کتنا بڑا اثر و نشان بن سکتا تھا مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر کہ لوگ اس درخت کے پاس کثرت سے آنے جانے لگے تھے اور خطرہ ہو گیا تھا کہ عقیدت کا غلو کہیں مسلمانوں کو کسی بے اعتدالی میں بستلانہ کر دے اور آنے والی نسلیں اس درخت کو نشان تعظیم نہ بنالیں حضرت عمر نے اس درخت ہی کو سرے سے کٹوا دیا۔

دل میں طوفان وفا آنکھوں میں سیل اشتیاق
عشق سے پہلے مذاق عاشقی پیدا کرو

نوٹ:- یہ بات تو تفصیل طلب ہے کہ حضرت عمر فاروق نے اس درخت کو کٹوایا تھا یا وہ از خود غائب ہوگیا جیسا کہ بعض محققین کی رائے ہے۔ بالفرض اگر اسی خیال کے تحت حضرت فاروق اعظم نے اس کو کٹوایا تو اب اپنے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد کی بدعت پرستی ملاحظہ فرمائیے۔ جو حضرت فاروق اعظم نے اس کو کٹوایا تو اعلان جنگ کے مترادف ہے۔ ماہر صاحب سنئے اور کلیجہ پیٹئے

اثر کرے نہ کرے سن تو لے مری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندہ آزاد

شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۱۹

مہمان خانہ کے صحن میں ایک درخت تھا جس میں نہایت خوشبودار زرد پھول لگتے تھے صورت میں وہ بالکل ببول سے مشابہ تھا حضرت مولانا (حسین احمد صاحب) وہ درخت مدینہ طیبہ سے لائے تھے اور بڑے شوق اور چاہت سے اس کے نیچے بیٹھتے تھے تحقیق سے معلوم ہوا کہ اسی جنس کا وہ درخت تھا کہ جس کے نیچے وہ عظیم الشان بیعت ہوئی تھی جس کو اسلامی تاریخ میں بیعت رضوان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اب وہ درخت تو ختم ہوگیا ہے لیکن شہر اور دارالعلوم میں اسی نسل کے کئی درخت اور ہوگئے ہیں۔"

حضرت ناصح جو آئیں دیدہ و دل فرش راہ
پر مجھے اتنا تو سمجھائیں کہ سمجھائیں گے کیا

نوٹ:- فرمائیے ماہر صاحب! دیوبند اور درخت کی پوجا پاٹ؟ اور بدعت پرستی کا مظاہرہ؟ ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

جس درخت کو حضرت فاروق اعظم نے کسی اندیشہ کے پیش نظر کٹوا دیا تھا وہ نہ سہی تو اس کی جنس کا ہی سہی سیکڑوں میل کی دوری سے جناب شیخ اس کو دیوبند لائے ——— ——— پیپل پجاریوں کے لنگوٹیہ ساتھی کسی نہ کسی بہانے درخت کی پوجا پاٹ کو رواج دینا ہی چاہتے تھے تاکہ ساتھیوں کے ساتھ کمال درجے کی مشابہت ہوجائے کھدر تو بدن سے

چپک ہی گیا تھا جو کفن تک کا ساتھی بنا البتہ پوجا و پرستش کی کمی تھی تو وہاں پیپل اور یہاں ببول۔

ماہر صاحب ..... خدا لگتی بات ہے کیا یہ اندیشہ محض مدینہ منورہ ہی میں تھا کہ کہیں لوگ اس درخت کو نشان تعظیم نہ بنالیں اور یہ اندیشہ دیوبند میں ختم ہوچکا ہے۔ مدینہ تو دیار حبیب ہے وہاں عقیدت کیشوں کے لئے گنبد خضرا ہی کی زیارت کے لئے کیا کم ہے وہاں تو قلب مضطر کی تسکین کے ہزارہا سامان فراہم ہیں یہ وہی مدینہ طیبہ ہے جہاں محبوب خدا کے جلوؤں کی پیہم بارش ہوتی ہے جو خلیفۃ اللہ الاعظم کا دار السلطنت ہے وہاں توانہیں کے جمال و کمال کی بادشاہی ہے اور انہیں کے حسن و جمال کا سکہ چل رہا ہے۔

پھر یہ بات کس قدر عقل و فراست سے بعید ہے کہ گنبد خضرا کی ٹھنڈی چھاؤں کو چھوڑ کر کوئی ببول کی درخت کی پوجا پاٹ میں لگ جاتا البتہ یہ اندیشہ دیوبند میں زیادہ قرین قیاس ہے کہ گنبد خضرا نہ سہی تو وہ ببول ہی سہی جس کے نیچے بیعت رضواں ہوچکی ہے اور اس کے نیچے بیٹھنا تو درکنار بلکہ اندیشہ ہے کہیں اس کی پتی پھول چھال جڑ تک کو بھی لوگ کھاتے ہوں جیسا کہ اہل نانوتہ قبر کی مٹی تک اکھاڑ لاتے اور بازو پر باندھتے جہاں بدعت پرستی کا یہ عالم ہو وہاں یہ اندیشہ اور بھی زیادہ قوی ہوجاتا ہے۔ مگر جناب ٹانڈوی نے اس کی کوئی فکر نہ کی خواہ اس فعل سے حضرت فاروق اعظم کی روح کو صدمہ پہنچے یا دیوبند میں اس کو نشان تعظیم بنالیا جائے انہیں تو اپنے ساتھیوں سے غایت درجہ کی مشابہت پیدا کرنی مقصود تھی۔

دست جنوں نے ایسی اڑائی ہیں دھجیاں
چھوڑا نہ ایک جیب و گریباں کے تار کو

ماہر صاحب اگر میرے یہ جملے بار خاطر نہ ہوں تو یہ عرض کردینا ضروری جانتا ہوں کہ توحید نمبر کی اشاعت سے پہلے آپ نے یہ طے کرلیا تھا کہ علماء دیوبند کی تائید و حمایت کا پورا پورا حق ادا کیا جائے گا خواہ باتیں سر تا سر غلط ہی کیوں نہ کہتے ہوں اور اس پر تماشا یہ کہ خود آں بدولت علما دیوبند کے عقائد سے کماحقہ واقف نہیں ہیں۔

مثلاً وسیلہ و استمداد کارد کرتے ہوئے آپ توحید نمبر میں ایک مقام پر قمطراز ہیں۔

فاران توحید نمبر صفحہ ۱۷

"کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور اہل بیت کرام پر قیامت

گزر گئی مگر ان نفوس قدسیہ میں سے کسی نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو امداد کے لئے پکارا اور نہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی دہائی دی۔"

نوٹ:- ماہر صاحب آپ کربلا تو پہنچ گئے مگر تھانہ بھون کی سیر کئے بغیر نہیں پہنچے اسی لئے آپ نے بڑی گہری ٹھوکر کھائی ہے حالانکہ آپ کو یہاں کی خبر لینے کے بعد کربلا کی خبر لینی تھی۔ اب سنئے اپنے مولانا تھانوی کا عقیدہ کہ وہ نبی وغیر نبی سے استمداد و توسل کے کتنی شدت سے قائل ہیں ناظرین سے گزارش ہے کہ وہ حسب ذیل روایت پر کڑی نگاہ رکھیں گے۔

نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب "مصنفہ مولانا تھانوی" صفحہ ۳۸۳ مضمون دوم متعلق فصل ۳۸ جس میں آپ کے ساتھ توسل حاصل کرنے کی برکت مذکور ہے عطر الوداد میں قصیدہ بردہ کے برکات میں لکھا ہے کہ صاحب قصیدہ یعنی امام عبد اللہ شرف الدین محمد بن سعد بن معاذ بوصیری قدس سرہ کو فالج ہو گیا تھا جس سے نصف بدن بیکار ہو گیا انہوں نے بالہام ربانی یہ قصیدہ تصنیف کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے آپ نے اپنا دست مبارک ان کے بدن پر پھیر دیا یہ فوراً شفایاب ہو گئے اور یہ اپنے گھر سے نکلے تھے کہ ایک درویش سے ملاقات ہوئی اور اس نے درخواست کی کہ مجھ کو وہ قصیدہ سنا دیجئے جو آپ نے مدح نبوی میں کہا ہے۔ انہوں نے پوچھا کون سا قصیدہ؟ انہوں نے کہا کہ جس کے اول میں یہ ہے۔

"امن تذکر جیران بذی سلم"

ان کو تعجب ہوا کیونکہ انہوں نے کسی کو اطلاع نہیں دی تھی اس درویش نے کہا کہ واللہ میں نے اس کو اس وقت سنا ہے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پڑھا جا رہا تھا اور آپ خوش ہو رہے تھے سو انہوں نے یہ قصیدہ اس درویش کو دیدیا اور اس کی شہرت ہو گئی اور شدہ شدہ یہ خبر صاحب بہاء الدین وزیر ملک ظاہر کو پہنچی اس نے نقل کرایا اس کے گھر والے اس سے برکت حاصل کرتے تھے اور انہوں نے بڑے بڑے آثار اس کے اپنی دینی دنیاوی امور میں دیکھے صفحہ ۳۸۴ اور سعد الدین خارقی جو کہ توقیع نگار وزیر مذکور تھا آشوب چشم میں

مبتلا ہوا قریب تھا کہ آنکھیں جاتی رہیں کسی نے خواب میں کہا کہ وزیر کے پاس جاکر اس سے قصیدہ بردہ لے کر آنکھوں پر رکھو چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور بیٹھے بیٹھے اس کو پڑھا فی الفور اللہ تعالی نے اس کو شفا بخشی اور رسالہ نیل الشفاء مؤلفہ احقر (یعنی تھانوی) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشہ نعل شریف کے برکات و خواص مذکور ہیں جب صرف ان الفاظ میں جو کہ آپ کے معنی و سح کے صورت و مثال ہیں اور پھر ان نقوش میں جو کہ ان پر الفاظ دال ہیں اور اس ملبوس میں جو کہ آپ کی نعال ہیں اور پھر ان نقوش میں جو کہ ان نعال کی تمثال میں سو خود آپ کی مجمع الکمالات و اسماء جامع البرکات سے توسل حاصل کرنا اور اس وسیلہ سے دعا کرنا کیا کچھ نہ ہوگا۔

نشر الطیب صفحہ ۲۴۱

یاشفیع العباد خذ بیدی دستگیری کیجئے میرے نبی	**انت فی الاضطرار معتمدی** کشمکش میں تمہیں ہو مرے نبی
لیس لی ملجا سواک اغث جز تمہارے کہاں ہے مری پناہ	**مسنی الضر سیدی سندی** فوج کلفت مجھ پر غالب ہوئی
غشنی الدھر یا ابن عبد اللہ اے ابن عبد اللہ زمانہ میرے خلاف ہے	**کن مغیثا فانت لی مددی** اے مرے مولا خبر لیجئے مری
یارسول اللہ بابک لی میں ہوں بس اور آپ کا در یا رسول اللہ	**من غمام الغموم ملتحدی** ابر غم گھیرے نہ پھر مجھکو کبھی

صفحہ ۳۵۹ مشکوۃ شریف میں حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت عمر جب لوگوں پر قحط ہوتا تو حضرت عباس بن عبد المطلب کے واسطہ سے دعا بارش کی کیا کرتے اور فرماتے کہ اللہ ہم "پہلے" آپ کے دربار میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل کیا کرتے تھے آپ ہم کو بارش دیتے تھے اور اب ہم آپ کے دربار میں اپنے پیغمبر کے چچا کا توسل کرتے ہیں سو ہم کو بارش دیجئے چنانچہ بارش ہوتی تھی روایت کیا اس کو بخاری نے۔

ف۔ اس حدیث سے غیر نبی کے ساتھ بھی توسل جائز نکلا جبکہ اس کو نبی سے

کوئی تعلق ہو قرابت حسیہ کا یا قرابت معنویہ کا تو توسل بالنبی کی ایک صورت یہ بھی نکلی اور اہل فہم نے لکھا ہے کہ اس پر متنبہ کرنے کے لئے حضرت عمر نے حضرت عباس سے توسل کیا نہ اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفات کے بعد توسل جائز نہ تھا جب کہ دوسری روایت سے اس کا جواز ثابت ہے اور یہ کہ اس توسل پر کسی صحابی سے نکیر منقول نہیں اس لئے اس میں اجماع کے معنی آ گئے

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں
زلیخا نے کیا خود چاک دامن ماہ کنعاں کا

نوٹ:۔ ماہر صاحب اب فرمائیے کہ بات آپ کی صحیح ہے یا آپ کے حکیم الامت کی؟ آپ کے حکیم الامت تو قصیدہ بردہ شریف، نقشہ نعل پاک، اور حضرت عباس تک سے توسل کے قائل ہیں بلکہ وہ یہاں تک فرماتے ہیں کہ اس پر کسی صحابی سے نکیر منقول نہیں لہذا اس کی حیثیت اجماع کی ہو گئی ہے اب اگر زحمت نہ ہو تو آپ اپنے دار العلوم دیوبند سے استفتاء کر لیں کہ اجماع کا منکر گمراہ ہے یا کافر؟ دیکھئے آپ کے بارے میں کیا حکم نافذ ہوتا ہے۔ فتوی دیکھتے ہی تائید و حمایت کا سارا نشہ ہرن ہو جائے گا۔ اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ آپ کو کربلا جانے سے پہلے تھانہ بھون جانا چاہئے تھا۔

ماہر صاحب آپ نے واقعہ کربلا میں تصویر کا محض ایک ہی رخ ملاحظہ فرمایا ہے۔ یعنی اگر سرکار حسین کی نظر میں توسل و استمداد درست ہوتا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یا مولائے کائنات علی مشکل کشا کو امام حسین میدان کربلا میں پکارے ہوتے اور نہ پکارے تو آپ نے عدم جواز کی دلیل سمجھا۔ اے کاش آپ اتنا غور کرتے کہ میدان کربلا میں امام حسین کس مقصد کے تحت خیمہ زن ہوئے ہیں کیا میدان کربلا میں سرکار حسین اپنے والد محترم یا نانا جان کی کرامات و اعجاز کا مظاہرہ کرنے گئے ہیں یا اس کے سوا کچھ اور مقصد ہے اگر مقصد وہ ہوتا جیسا کہ آپ بہ گمان خویش سمجھ بیٹھے ہیں تو یقیناً آپ اپنے سوال میں حق بجانب ہوتے مگر مقصد حسین کرامات کا اظہار نہیں ہے بلکہ عزم و استقلال کی ایک نئی تاریخ مرتب کرنی تھی چنانچہ سرکار حسین موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرائے ایک ایک کا لاشہ اپنے کاندھے پر اٹھایا علی اصغر جیسے معصوم بچے کو اپنی گود میں دم توڑتے دیکھا مگر صبر و شکیب

کا دامن نہ چھوٹا اور پائے استقامت میں کوئی لغزش اور ڈگمگاہٹ نہ آئی یہ تھا امام حسین کا مقصد عظیم ورنہ یزیدی فوج کی پسپائی و تباہ کاری کے لئے نہیں بلکہ اتمام حجت کی خاطر خود سرکار حسین نے میدان کربلا میں بسا اوقات اپنی کرامات کا اظہار فرمایا ہے اور اسی سلسلہ میں اسماعیل مازندرانی کا ایک واقعہ بڑی ہی شہرت رکھتا ہے۔

ماہر صاحب! توحید نمبر میں تو آپ نے حق پسندی کو بالائے طاق رکھ کر قسم کھالی ہے کہ وہ بات بھی کہی جائے جو تعصب اور کسی فرقہ کی جنبہ داری کے ماتحت ہو ورنہ وہ بات ہی کیا جو اس سے الگ تھلگ رہے چنانچہ آپ اپنی حسب ذیل تحریر کا جائزہ لیجئے کہ کیا واقعتاً یہ ایمان و عقل کی آواز ہے یا وارفتگی عقل کی۔

اے دوست اپنے غم سے کر اس درجہ دل فگار
فطرت بھی رحم کھائے تو درماں نہ کرسکے

فاران توحید نمبر صفحہ ۲۲

"آپ" یعنی رسول اللہ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم وفات پاتے ہیں تو آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں ظاہر ہے کہ آپ کے اختیار میں ہوتا تو بھلا لخت جگر کو مرنے دیتے۔

یہ ہے تنقیص رسالت اور توہین نبوت کا وہ غارت گر ایمان جذبہ شیطنت جو علماء دیوبند کی وفاداری میں بار بار توہین نبوت پر آپ کو اکساتا رہتا ہے۔ آپ ہی فرمائیے آخرش یہ کہہ کر آپ نے کونسا بڑا تیر مارا کیا خدا نہ کردہ ہم میں سے کسی نے رسول اللہ کو خدا کہا ہے معاذ اللہ البتہ ذرا زحمت فرما کر دیوبند تشریف لائیے اور دیکھئے کہ آپ کے تیر نے کتنوں کو گھائل کردیا ہے سنئے آپ کے مولانا محمود الحسن مولانا رشید احمد گنگوہی کے مرثیے میں فرماتے ہیں۔

مُردوں کو زندہ کیا اور زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم

کسی کو مرنے نہ دینا یہ تو مولانا گنگوہی کو شان تھی البتہ اب آپ قاری طیب صاحب سے دریافت کیجئے کہ جب مولانا گنگوہی کی یہ شان تھی کہ وہ زندوں کو مرنے نہ دیتے تو خود آں بدولت کیوں مرگئے ؟ آپ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لخت جگر کی وفات پر ہمیں طعنہ دینے کے بجائے علماء دیوبند سے پوچھئے کہ جن گنگوہی صاحب کو آپ حضرات نے

تخت خداوندی پر بٹھایا تھا اور قضا و قدر جن کے قبضہ قدرت میں تھی وہ کیوں مر کر مٹی میں مل گئے۔ برا ہو اس تعصب اور فرقہ بندی کا جس نے آپ کو حقیقت سے اتنا دور کر دیا اور اندھا بنا دیا کہ آپ یہ بھی نہ دیکھ سکے کہ مرے ترکش کا تیر کس کے دل میں پیوست ہو رہا ہے۔

میں اس عارفانہ تجاہل کے صدقے
ہر اک دل کو چھیدا مرا دل سمجھ کے

ماہر صاحب! اب دامن بچا کر گزرنے کی کوشش نہ کیجئے آپ کے دل کا چور گرفت میں آچکا ہے۔

عبث ہے اب یہ بے گانہ نگاہی
کہ دل نے تیرے دل کی بات پالی

علماء دیوبند کی جنبہ داری میں اپنی چند سطریں اور ملاحظہ فرمایئے۔

فاران صفحہ ۳۵

اگر بزرگان دین کے ولادت و وفات کے یوم منانے کو اسلام میں پسندیدہ سمجھا جاتا ہے تو انبیاء سابقین ایک دوسرے کا یوم ولادت و وفات ضرور مناتے۔

نگاہ غور سے دیکھو تو عقدہ صاف کھل جائے
وفا کے بھیس میں بیٹھا ہے کوئی بیوفا ہو کر

نوٹ:۔ ماہر صاحب اگر واقعتاً یہ آپ کے دل کی آواز ہے تو مجھے بھی کہنے دیجئے کہ اگر "توحید نمبر" کی اشاعت کو اسلام میں پسندیدہ سمجھا جاتا تو انبیاء و رسل ضرور اس کی اشاعت فرماتے اور اسلام و ائمہ دین و شریعت ہدایہ، فتح القدیر، عالمگیری، بحر الرائق، فتاوی قاضی خاں حسامی، توضیح تلویح کی ترتیب و تدوین میں مشغول ہونے کے بجائے توحید نمبر کی اشاعت کرتے مگر ہمیں تو اسلاف میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ پھر اسی صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں۔

فاران صفہ ۳۵

یہ مروجہ مولود نہ سنت رسول ہے نہ اسوہ صحابہ اور نہ طریق سلف صالحین بلکہ سنت ملوک ہے۔

ماہر صاحب! اب مجھے کہنے دیجئے کہ توحید نمبر کی اشاعت نہ سنت رسول ہے نہ اسوہ صحابہ اور نہ طریق سلف صالحین بلکہ سنت صحافت ہے کیا آپ کی نظر میں سنت صحافت بھی کوئی دلیل ہے اور اگر ہو سکے تو یہ بھی فرما دیجئے کہ "مروجہ مولود" اگر سنت سلف صالحین بھی نہیں ہے تو دیو بندیوں کے مقتدا و پیشوا حاجی امداد اللہ یہ سلف صالحین سے تھے یا سلف فاسقین سے معاذ اللہ۔

ماہر صاحب! آپ نے اپنے اداریہ میں ایک جگہ یہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

فاران صفحہ ۴۳

اس باب کو ختم کر دینے سے پہلے اس بات کا اظہار کر دینا ضروری سمجھا گیا کہ ہم نے جگہ جگہ ایک گروہ کو اہل بدعت جو کہا ہے بعض حضرات کو غالباً گراں گزرے کہ یہ جدال احسن کی راہ نہیں ہے اس کے جواب میں گزارش یہ ہے کہ جن لوگوں کا اوڑھنا بچھونا بدعات ہوں ان کی بدعتی نہ کہیں تو آخر کیا کہیں!

کچھ نہ صیاد کا شکوہ نہ گلچیں کا گلہ!
اپنے ہاتھوں سے جلایا ہے نشیمن اپنا

ماہر صاحب! میں بھی اس سلسلہ کو ختم کرتے ہوئے اس امر کا اظہار ضروری جانتا ہوں کہ میں نے بھی جگہ جگہ ایک فرقہ کو دریدہ دہن گستاخ بے ادب شاتم رسول کہا ہے۔ ممکن ہے یہ باتیں ان پر یا آپ پر بارہ خاطر گزریں تو جواباً عرض ہے کہ رسول اللہ کی بارگاہ میں گستاخی بے ادبی و دریدہ ذہنی جن لوگوں کا اوڑھنا بچھونا ہو انہیں شاتم رسول نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے ع

"تم عنایت جو نہ کرتے تو عنایت ہوتی"

اور اتنی بات تو آپ بھی فرما چکے ہیں کہ علماء دیو بند غیر محتاط غیر معتدل بے قرینہ بد سلیقہ ہیں لہٰذا اگر دریدہ دہن و گستاخ و بے ادب کہنے کی اجازت نہیں ہے تو یہی کہنے دیجئے کہ علماء دیو بند بے قرینہ و بد سلیقہ ہیں۔

ماہر صاحب! علماء دیو بند کی بد سلیقگی پر ایک آپ ہی ماتم گسار نہیں بلکہ اس انجمن میں آپ کے بہت سے ساتھی براتی ہیں۔ لیجئے اپنے کھدر پوش خدا مولوی حسین احمد صاحب کے بارے میں اپنے امیر کارواں مولی سید ابو الاعلیٰ مودودی کی رائے ملاحظہ کیجئے۔ معاف فرمائیے گا

آپ ہی کے انداز بیان نے اس سلسلہ کو دراز کر دیا ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے۔

قربت کی آرزو کا گنہگار میں سہی
بخشا اس آرزو کو سہارا خود آپ نے

مسئلہ قومیت صفحہ ۵۲۔ مرتبہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔

"اس سلسلہ میں ڈاکٹر اقبال کے متعلق (مولوی حسین احمد صاحب) فرماتے ہیں کہ ان کی ہستی کوئی معمولی ہستی نہ تھی وہ ایسے تھے اور ویسے تھے مگر باوجود کمالات گناگوں کے ساحرین برطانیہ کے سحر میں مبتلا ہو گئے تھے۔"

نوٹ:۔ یعنی مولانا ٹانڈوی کی نگاہ میں ڈاکٹر اقبال برٹش گورنمنٹ کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن چکے تھے واہ رے دیدہ دلیری ہندوستان کا وہ مانا ہوا شاعر جس نے قوم کے جگانے اور بیدار کرنے میں اپنار کارڈ قائم کر دیا ہو وہ مولانا ٹانڈوی کی نظر میں برطانیہ کا آلہ کار تھا۔

ابھی کیا ہے دو چار قدم اور آگے بڑھئے اور مولانا مودودی کے الفاظ میں ٹانڈوی صاحب کی صحیح تصویر ملاحظہ کیجئے۔

مسئلہ قومیت اور اسلام صفحہ ۳۸ بحوالہ مسئلہ قومیت صفحہ ۵۲

"اگر قومیت ایسی ہی ملعون اور بدترین چیز ہے تو چونکہ یورپ نے اس کو استعمال کر کے اسلامی بادشاہوں اور عثمانی خلافت کی جڑ کھودی ہے مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ اسی ملعون ہتھیار کو برطانیہ کی جڑ کھودنے کے لئے استعمال کرتے"۔

نوٹ:۔ مولانا ٹانڈوی کی مندرجہ بالا رائے پر مولانا مودودی کا تبصرہ ملاحظہ کیجئے۔

مسئلہ قومیت صفحہ ۵۳ صفحہ ۵۴

"مندرجہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا (ٹانڈوی) کی نگاہ میں حق و باطل کا معیار صرف برطانیہ بن کر رہ گیا ہے، وہ مسئلہ کو نہ تو علمی زاویہ نظر سے دیکھتے ہیں کہ حقائق اپنے اصلی رنگ و روپ میں نظر آ سکیں نہ وہ مسلمانوں کی خیر خواہی کے زاویہ نظر سے اس پر نگاہ ڈالتے ہیں"۔

چند سطر بعد جب یہ بات ان (مولوی حسین احمد صاحب) کے دل میں بیٹھ چکی ہے کہ متحدہ قومیت برطانیہ کے لئے مہلک ہے تو جو شخص اس کی مخالفت کرتا ہے وہ برطانیہ پرست کے سوا اور ہو ہی کیا سکتا ہے۔ خیریت یہ ہو گئی کہ کسی نے مولانا کو برطانیہ کی ہلاکت کا ایک

دوسرا نسخہ نہ بتادیا جو متحدہ قومیت سے زیادہ کارگر ہے۔ یعنی یہ کہ ہندوستان کی پینتیس کروڑ آبادی خودکشی کرلے جس سے برطانوی سلطنت آن کی آن میں ختم کی جاسکتی ہے یہ تیر بہدف تدبیر اگر مولانا کے دل میں بیٹھ جاتی تو وہ بے تکلف فرماتے جو شخص ہندوستان کے باشندوں کو خودکشی سے روکتا ہے وہ برطانیہ پرست ہے۔ خودکشی اگرچہ ملعون اور بدترین فعل سہی مگر جب اس سے برطانیہ کی جڑ کھودی جاسکتی ہے تو فرض ہوجاتا ہے کہ اس فعل قبیح کا ارتکاب کیا جائے۔

نوٹ۔ ماہر صاحب بات ابھی ختم نہیں ہوئی، یہ تو آپ نے ملاحظہ فرماہی لیا کہ آپ کے کھدر پوش خدا مسائل کو نہ تو علمی زاویہ نظر سے جانچنے پرکھنے کے عادی تھے اور نہ ہی مسائل کے سوچ بچار میں مسلمانوں کی خیر خواہی کا جذبہ کارفرما ہوتا۔

چیں بہ جبیں ہونے سے پہلے یہ ملحوظ خاطر رہے کہ مندرجہ بالا رائے نہ تو علماء بریلی کی ہے اور نہ ہی مشائخ مارہرہ و بدایوں کی بلکہ آپ کے مسلم مقتدا و پیشوا جناب مودودی صاحب کی رائے ہے جس کے تسلیم کرنے میں آپ کوئی جھجک محسوس نہ کریں گے۔ اب ذرا چند قدم اور آگے بڑھیے اور ٹانڈوی صاحب پر مودودی صاحب کی شرعی گرفت کا جائزہ لیجئے!

کام آئی کچھ نہ پردہ نشینی حضور کی
دیکھ آئی جاکے باد صبا سر سے پاؤں تک

مسئلہ قومیت صفحہ ۶۰ و صفحہ ۶۱

"مولانا آخر فرمائیں تو کہ جس متحدہ قومیت کو وہ رسول خدا کی طرف منسوب کر رہے ہیں اس میں آج کل کی متحدہ قومیت کے عناصر ترکیبی میں سے کونسا عنصر پایا جاتا ہے اگر وہ کسی ایک عنصر کا پتہ نہیں دے سکتے اور میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہرگز نہیں دے سکتے تو کیا مولانا کو خدا کی باز پرس کا خوف نہیں (چند سطر بعد) الفاظ کا سہارا لے کر مولانا (حسین احمد) نے اپنا مدعی ثابت کرنے کی کوشش کی تو بہت خوبی کے ساتھ کردی مگر انہیں یہ خیال نہ آیا کہ حدیث کے الفاظ کو مفہوم نبوی کے خلاف کسی دوسرے مفہوم پر چسپاں کرنا اور اس مفہوم کو نبی کی طرف منسوب کردینا (من کذب علی متعمدا) کی زد میں آجاتا ہے"۔

نوٹ۔ ماہر صاحب! مجھے افسوس ہے کہ بات بڑھتی ہی جارہی ہے مگر چند لمحے کی

اور سمع خراشی چاہتا ہوں اور یہ کہانی تو آپ ہی کے بزرگوں کی ہے جس سے اپ کو اکتانا بھی نہ چاہیئے لگے ہاتھ دو ایک حوالہ جات اور بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

متحدہ قومیت اور اسلام صفحہ ۵۰ کی عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ کے مودودی صاحب رقمطراز ہیں۔

مسئلہ قومیت صفحہ ۶۴ و صفحہ ۶۵

"عبارت کا ایک ایک لفظ شہادت دے رہا ہے کہ مولانا (ٹانڈوی) نہ تو قومیت کے اصطلاحی مفہوم کو جانتے ہیں نہ کانگریس کے مقصد اور مدعی کو سمجھتے ہیں نہ بنیادی حقوق کے معنی پر انہوں نے غور کیا ہے نہ ان کو خبر ہے کہ جن اجتماعی مجلسوں کا وہ بار بار اس قدر سادگی کے ساتھ ذکر فرمارہے ہیں۔ ان کے حدود و اختیار و عمل موجودہ دستور کے تحت کن کن راہوں سے اس دائرے میں نفوذ کرتے ہیں جس کو تہذیب و تمدن اور عقائد و اخلاق کا دائرہ کہا جاتا ہے۔

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

اور یہ بات میں خوب سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں کہ مولانا حسین احمد بایں ہمہ علم و فضل، کلچر، تہذیب، پرسنل لا، وغیرہ الفاظ بھی جس طرح استعمال کر رہے ہیں اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ان کے معنی و مفہوم سے نا آشنا ہیں۔ میری یہ صاف گوئی ان حضرات کو یقیناً بری معلوم ہوگی جو رجال کو حق سے پہچاننے کے بجائے حق کو رجال سے پہچاننے کے خوگر ہیں اس کے جواب میں چند اور گالیاں سننے کے لئے میں نے اپنے آپ کو پہلے ہی تیار کرلیا ہے۔

مگر میں جب دیکھتا ہوں کہ مذہبی پیشوائی کی مسند مقدس سے مسلمانوں کی غلط رہنمائی کی جارہی ہے، ان کو حقائق کے بجائے اوہام کے پیچھے چلایا جارہا ہے اور خندقوں سے بھری ہوئی راہ کو شاہراہ مستقیم بتا کر انہیں اس کی طرف ڈھکیلا جا رہا ہے تو میں کسی طرح اس پر صبر نہیں کرسکتا"

نوٹ:۔ ماہر صاحب اگر آپ تکان محسوس کر رہے ہوں تو عامر صاحب کے اسعد

اص مولانا مودودی کو اس کا یقین تھا کہ علماء دیوبند اپنی حسب عادت گالی گلوج پر اتر آئیں گے ورنہ وہ گالی سننے کے بجائے کسی سنجیدہ جواب کی امید رکھتے ۱۲

سلمہ کو بھی شریک سفر کر لیجئے تاکہ آپ مودودی صاحب کی طرف سے مولانا اسعد کو منہ چڑھائیں اور مولانا اسعد اپنے والد بزرگوار کی حمایت میں آپ کو انگوٹھا دکھائیں یہ تو آپ کی گھریلو جنگ کا پس منظر ہے خدا کا شکر ہے کہ گاہے گاہے آپ حضرات کا نقشہ جنگ بدل جاتا ہے ہم سینوں سے لڑتے لڑتے جب آپ حضرات تھک جاتے ہیں تو آپس ہی میں ایک دوسرے کی جیب و گریباں کی خبر لینے لگتے ہیں۔ یہ سمجھئے کہ ملک کا ہوشمند طبقہ آپ کی طرف سے بے خبر ہے وہ بہت کڑی نگاہ سے آپ کے جنگ و جدال کا نظارہ کر رہا ہے۔

ماہر صاحب اگر میری باتیں آپ کے حق میں تلخ گھونٹ بن جاتی ہیں تو اپنے سر خیل جماعت مولانا مودودی ہی کی رائے پر عمل کیجئے۔ دیکھئے آپ کے مودودی صاحب کا کہنا ہے کہ مولانا ٹانڈوی تہذیب کلچر، پرسنل لاء کا معنی تک نہیں جانتے (۲) مولانا ٹانڈوی مذہبی پیشوائی کی مسند مقدس سے مسلمانوں کی غلط رہنمائی کر رہے ہیں (۳) خندقوں سے بھری ہوئی راہ کو شاہراہ مستقیم بتا رہے ہیں (۴) مولانا ٹانڈوی غیر حدیث مفہوم کو حدیث کی طرف منسوب کر رہے ہیں (۵) مولانا ٹانڈوی کو خدا کی باز پرس کا خوف نہیں وغیرہ وغیرہ اور اتنے ہی پر بس نہیں بلکہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے، ملاحظہ فرمائے مسئلہ صفحہ ۶۹

للہ یہ تم دیکھنے والوں سے نہ پوچھو
کیا چیز ہو تم دیکھنے والوں کی نظر میں

"کم از کم اب وہ (مولوی حسین احمد) امت پر رحم فرما کر اپنی غلطی محسوس فرمالیں ورنہ اندیشہ ہے کہ ان کی تحریریں ایک فتنہ بن کر رہ جائیں گیں اور اس پرانی سنیت کا اعادہ کریں گیں کہ ظالم امراء اور فاسق اہل سیاست نے جو کچھ کیا اس کو علماء کے ایک گروہ نے قرآن و حدیث سے درست ثابت کر کے ظلم و طغیان کے لئے مذہبی ڈھال فراہم کر دی"

نوٹ۔ ماہر صاحب آپ کے کھدر پوش خدا مولوی حسین احمد صاحب کی نقاب کشائی شاید ہی کسی نے اس سے زیادہ کی ہو جتنا کہ آپ کے پیشوا مولوی ابو الاعلی صاحب نے کی ہے۔ میری حیثیت تو محض ناقل روایت کی ہے، اب ججمنٹ و فیصلہ تو ناظرین کے ہاتھ ہے۔ البتہ اس مقام پر ناظرین سے محض اتنی گزارش ہے کہ ان روایات کو سطحی نظر سے دیکھنے کے بجائے انہیں بہ نگاہ غائر دیکھیں اور یہ اندازہ کریں کہ علماء دیوبند نے جس کو شیخ الاسلام

سے شروع کر کے پیکر عصمت اور کھدر پوش خدا تک کہہ دیا ہو اس کی مذہبی اور سیاسی پوزیشن مولوی ابوالاعلیٰ مودودی کی نظر میں کیا ہے۔ مجھے اس مقام پر اس سے بحث نہیں کہ مسئلہ قومیت (یعنی قوم مذہب سے ہے یا وطن سے) آیا اس مسئلہ میں حق بجانب کون ہے؟ بلکہ علماء دیوبند کے شیخ الاسلام پر مولانا مودودی کے تازیانہ قلم کے کچھ نشانات دکھلانے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہر چند سمیٹنے کے باوجود بات پھیلتی جارہی ہے اور اس کے باوجود ابھی تک یہ داستان ختم نہ ہو سکی۔ اختتام گفتگو پر محض دو ایک حوالے اور حاضر کر کے بات ختم کئے دیتا ہوں۔

جنون کو عقل کا پابند کرنے کی ہدایت ہے
اب اہل ہوش بھی دیوانہ پن کی بات کرتے ہیں

مسئلہ قومیت صفحہ ۶۸ صفحہ ۶۹

"اس میں خرابی بس اتنی ہے کہ اپنے مفہوم ذہنی کو مولانا (حسین احمد) کانگریس کا مفہوم و مدعا قرار دے رہے ہیں حالانکہ کانگریس اس سے بہ مراحل دور ہے اگر مولانا صرف اتنا کہنے پر اکتفا کرتے کہ متحدہ قومیت سے میری مراد یہ ہے تو ہمیں ان سے جھگڑا کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن وہ آگے قدم بڑھا کر فرماتے ہیں کہ نہیں کانگریس کی مراد بھی یہی ہے اور کانگریس بالکل نبی صلعم کے اسوۂ حسنہ پر چل رہی ہے اور مسلمانوں کو مامون و مطمئن ہو کر اپنے آپ کو اس متحدہ قومیت کے حوالہ کر دینا چاہئے جیسے کانگریس بنانا چاہتی ہے۔ یہیں سے ہمارے اور ان کے درمیان نزاع کا آغاز ہوتا ہے"

مسئلہ قومیت صفحہ ۶۳ کا ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

"کیونکہ آپ (مولانا ٹانڈوی) کو صرف برطانوی اقتدار کا زوال مطلوب ہے، عام اس سے کہ وہ کسی صورت میں ہو، اسی لئے آپ ایسی انجمن کے معاملہ میں صرف علت جواز ہی ڈھونڈتے ہیں اور علت حرمت جو سامنے منہ کھولے کھڑی ہے آپ کو کسی طرح نظر نہیں آتی۔ لیکن ہم مجبور ہیں کہ ان دونوں پہلوؤں کو ساتھ ساتھ دیکھیں اور علت حرمت کو دفع کئے بغیر علت جواز کو قبول نہ کریں اس لئے کہ

ص صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم

ہم کو برطانوی اقتدار کا زوال اور اسلام کا بقا دونوں ساتھ ساتھ مطلوب ہے اس کا نام اگر برطانیہ پرستی رکھنا ہے تو رکھئے ہمیں اس کے طعن کی ذرہ برابر پرواہ نہیں"۔

نوٹ:۔ آخرش مجبور ہو کر مولانا مودودی کو حسب ذیل بات لکھنی پڑی۔

مسئلہ قومیت صفحہ ۶۸

"مولانا (حسین احمد) اس متحدہ قومیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے تشبیہ دینے کی جرائت فرما رہے ہیں حالانکہ ان بنیادی حقوق کی حیثیت ملکہ وکٹوریہ کے مشہور اعلان سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے اور مغربی ڈپلومیسی کی ایسی چالوں کا رشتہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے جوڑنے کی جسارت ہم جیسے گنہگاروں کے بس کی بات تو نہیں ہاں جن کے پاس تقوی کا زاد راہ اتنا زیادہ ہے کہ وہ ایسی جسارتیں کرنے پر بھی بخشے جانے کی امید رکھتے ہیں انہیں اختیار ہے کہ وہ جو چاہیں کہیں اور جو چاہیں لکھیں۔"

نوٹ:۔ مناسب ہوگا کہ یہیں پر علماء دیوبند کے پرانے ساتھی مولانا عبید اللہ سندھی کے خطبہ صدارت کی چند سطریں حاضر کر دی جائیں جس سے علماء دیوبند کی دورخی پالیسی کے صحیح خدوخال سامنے آ جائیں گے۔

آیا ہے کبھی ذکر اگر دار و رسن کا ۔۔۔ گیسو و قد یار کی بات آ ہی گئی ہے

بحوالہ مسئلہ قومیت صفحہ ۷۱

"اگر میرا وطن اس انقلاب کے نقصان سے بچنا چاہتا ہے جو اس وقت دنیا پر چھا گیا ہے اور روز چھاتا جا رہا ہے تو اسے یورو پین اصول نیشنلزم کو ترقی دینا چاہئے۔ پچھلے زمانہ میں ہمارا ملک جس قدر نامور ہو رہا ہے اسے دنیا جانتی ہے مگر اس سے ہم کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے جب تک ہم آج کی قوموں میں اپنا وقار ثابت نہ کر سکیں۔

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

میں سفارش کرتا ہوں کہ ہمارے اکابر مذہب و ملت برٹش گورنمنٹ کے دو صد سالہ عہد سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی کوشش کریں جس طرح ہم نے یورپ سے تنفر برت کر اپنی ترقی محدود کر لیا ہے اسے اب خیر باد کہیں، اس معاملہ میں

میں نے ترکی قوم کے اس انقلاب کا پوری طرح مطالعہ کیا ہے جو سلطان محمود سے شروع ہو کر مصطفیٰ کمال کی جمہوریت پر ختم ہوتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یورپ کے انٹر نیشنل اجتماعات میں ہمارا وطن ایک معزز ممبر بن جائے اس کے لئے ہمیں اپنی معاشرت میں انقلاب کی ضرورت محسوس ہوگی۔

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

سندھی اپنے وطن کا بنا ہوا کپڑا پہنے مگر وہ کوٹ و پتلون کی شکل میں ہو گا یا کالر دار قمیص اور نیکر کی صورت میں مسلمان اپنا نیکر گھٹنے سے نیچے تک استعمال کر سکتے ہیں۔ ہیٹ دونوں صورتوں میں بے تکلف استعمال کیا جائے گا۔

جب مسلمان مسجد میں آئے گا، ہیٹ اتار کر ننگے سر نماز پڑھے گا"

نوٹ:۔ ناظرین نے مسئلہ قومیت سے متعلق مولانا ٹانڈوی اور معاشرتی انقلاب کی بابت مولانا عبید اللہ سندھی کا نظریہ پڑھ کر یہ اندازہ کر لیا ہو گا کہ علماء دیوبند اس امر پر اتفاق و سمجھوتہ کر چکے ہیں کہ مذہب و سیاست کے نام پر جب کوئی تحریک اٹھے تو اس کا ایک طرفہ ساتھ نہ دیا جائے۔

اگر کوئی کانگریس کی ہمنوائی کرے، تو دوسرا مسلم لیگ کی جس کی شہادت میں مولوی حسین[1] احمد صاحب ٹانڈوی اور مولوی شبیر[2] احمد صاحب عثمانی کا نام لیا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی اگر کوئی محمد بن عبد الوہاب نجدی کو باغی ولٹیرا لکھے تو دوسرا متبع سنت، جس کی شہادت میں مولانا ٹانڈوی[3] اور مولانا گنگوہی[4] کا نام لیا جاسکتا ہے۔ اس قسم کی متعدد مثالیں خون کے آنسو جلد اول میں گزر چکی ہیں۔

مقصود نگارش یہ ہے کہ علماء دیوبند کا نظریہ اور ان کے فتاوی قرآن و حدیث کی روشنی میں نہیں ہوتے بلکہ یہ فتاوی سیاست کی ہر نئی کروٹ پر اپنا رخ بدلتے رہتے ہیں۔ مناسب ہو گا کہ یہیں پر علماء دیوبند کے فتاوی کا کچا چٹھا بھی پیش کر دیا جائے۔

خرد زنجیر پہناتی رہے گی
جو دیوانے ہیں دیوانے رہیں گے

۱۔ کانگریسی۔ ۲۔ مسلم لیگی۔ ۳۔ عبد الوہاب نجدی باغی ولٹیرا تھا۔ ۴۔ عبد الوہاب نجدی متبع سنت تھا۔

"فتوی دیوبند کا تحقیقی جائزہ" از مولانا ابو محمد امام الدین رام نگری صفحہ ۱۱۳ و صفحہ ۱۱۴ جماعت اسلامی سے متعلق مفتی دیوبند کا فتوی

"یہ طریق فکر و انداز دعوت و تبلیغ صحیح نہیں ہے بلکہ غلط ہے کہ یہ نئے مذہب کی ایجاد اور تفریق بین المسلمین ہے جہاں تک ممکن ہو اس سے اجتناب ضروری ہے۔ جواب اول میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ اس کے شاہد عدل ہے جس میں اعتزال، خارجیت، رافضیت، اجتہاد جدید، تجدید نو وغیرہ سب ہی کچھ ہے، صحابہ اور رواۃ حدیث و طریقت و حقیقت اور اس کے حاملین کی جو گت بنائی ہے وہ سوال ہی میں موجود ہے وہ (مولانا مودودی) ایسا مذہب ایجاد کرنا چاہتے ہیں جو سلف صحابہ ہی نہیں بلکہ اصلی روح اسلام ہی مخالف ہے۔"

نوٹ:۔ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی سے متعلق یہ مفتی مہدی حسن صاحب مفتی دار العلوم دیوبند کا فتوی ہے۔ اب مولانا منظور نعمانی دیوبندی کی رائے ملاحظہ فرمائیے۔

کوئی جی بھر کے دیکھ لے اے کاش
لئے پھرتا ہوں کتنی سوغاتیں

فتوی دیوبند کا تحقیقی جائزہ صفحہ ۱۱۷ و صفحہ ۱۱۸ ماخوذ از الفرقان، لکھنو ماہ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ

"مولانا سید ابو الاعلی کو میں ذاتی طور سے بھی جانتا ہوں۔۔۔ (چند سطر بعد) میں کہہ سکتا ہوں کہ ان کے لکھے ہوئے سیکڑوں ہزاروں صفحات میں میری نظر سے کبھی کوئی ایسی چیز نہیں گزری جس کی بنا پر فتوے کی شکل میں ان کے خلاف کوئی سخت حکم لگایا جاسکے۔"

نوٹ:۔ اب قاری محمد طیب صاحب کی رائے ملاحظہ فرمائیے۔

رسالہ زندگی، رامپور ۱۳۶۹ھ بحوالہ فتوی دیوبند کا تحقیقی جائزہ صفحہ ۶۰

"جہاں تک احقر کی رائے کا تعلق ہے یہ صحیح نہیں ہے کہ مودودی صاحب کا لٹریچر دیکھنے سے ایمان جاتا رہتا ہے ممدوح نے اسلامی اجتماعیات کے بارے میں نہایت مفید اور قابل قدر ذخیرہ فراہم کر دیا ہے اس دور خلط و اخلاط اور تلبیس اقتباس میں جس بے جگری سے انہوں نے اسلامی اجتماعیات کا تجزیہ اور تنقیح کر کے جماعتی مسائل کو صاف کیا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔ میں انہیں

اسلامی اجتماعیات کا ایک بہترین سیاسی مفکر سمجھتا ہوں۔"

نوٹ:- مولانا مہدی حسن مفتی دیوبند، مولانا منظور نعمانی مدیر الفرقان، قاری محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند کے فتاوے آپ کی نظر سے گذرے۔ غالباً یہ بات آپ کے ذہن میں ہوگی کہ اسی جماعت اسلامی کے متعلق مولانا حسین احمد ٹانڈوی یہ فتوی دے چکے ہیں کہ "ارکان جماعات اسلامی جہنمی ہیں۔" "یہ جماعت روافض سے بد تر ہے وغیرہ وغیرہ" جس کا حوالہ جلد اول میں گزر چکا ہے۔

اب اسی مقام پر مولانا قاسم نانوتوی کے ایک شعر پر علماء دیو بند کا فتوی ملاحظہ کیجئے جو فتوی لاعلمی میں دیا گیا ہے جس کی اصل کاپی سلطان المناظرین حضرت مولانا محمد حسین صاحب سنبھلی کے پاس ہے۔ علامہ جلیل مولانا مجیب الاسلام اعظمی کے توسط سے یہ فتوی میں نے حاصل کیا ہے۔

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک میلاد خواں نے مندرجہ ذیل شعر محفل مولود میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں پڑھا۔ شعر

جو چھو بھی دیوے سگ کوچہ ترا اس کی نعش

تو پھر تو خلد میں ابلیس کا بنائیں مزار

(قصائد قاسمی مصنفہ مولوی قاسم نانوتوی صفحہ،، مطبوعہ ساڈھورہ ضلع انبالہ) سوال میں یہ حوالہ نہیں دیا گیا تھا۔ اب جواب ملاحظہ فرمائیے۔

الجواب

(۱) یہ شعر پڑھنا حرام اور کفر ہے، اگر یہ سمجھ کر پڑھے کہ اس کا اعتقاد اور پڑھنا کفر ہے تب تو اس کا ایمان باقی نہ رہا اور اگر یہ علم نہ ہو تو اس کا پڑھنا اور اعتقاد کفر ہے۔ یہ شخص فاسق اور سخت گنہگار ہے، اس کو تابہ مقدور اس حرکت سے روکنا شرعاً لازم ہے۔ احمد حسن سنبھل
۱۵ شوال ۱۳۶۹ھ

(۲) اس شعر کا مفہوم کفر ہے۔ لکھنے والا (یعنی شاعر) اور عقیدہ سے پڑھنے والا خارج از ایمان ہیں۔ ایسے صریح الفاظ میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ ظہور الدین سنبھل۔

(۳) کسی بیہودہ اور جاہل آدمی کا شعر ہے۔ بیوقوف اور بیہودہ لوگ ہی ایسے مضمون سے محظوظ ہوتے ہیں۔ اگر یہ اس کا عقیدہ ہے تو کفر ہے۔ دیندار آدمی کو اس کے سننے سے

بھی احتیاط چاہیئے فقط سعید احمد سنبھل

(۴) اس شعر کا نعت میں پڑھنا اور لکھنا دونوں کفر ہے وارث علی عفی عنہ سنبھل۔

(۵) تینوں حضرات دام ظلہم العالی کے جوابات کی میں بالکل موافقت کرتا ہوں۔
محمد ابراہیم عفی عنہ مدرسۃ الشرع سنبھل

(۶) شعر مذکور اگرچہ نعت میں ہے لیکن حد شرعیت سے باہر ہے۔ ایسا شعر نہ کہنے والے کو کہنا اور نہ پڑھنے والے کو پڑھنا جائز ہے۔ یہ غلو اور قبیح ہے

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

نمبر ۱۲۱ الف نمبر فتویٰ

مذکور شعر اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں شاعر نے کہا ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ شاعر شرعی اصول سے واقف نہیں ہے۔ شعر میں جد درجہ کا غلو ہے جو اسلامی اصول کے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ شاعر کافر اس وجہ نہیں ہو سکتا کہ شعر کا پہلا مصرع شرط ہے (جو) معنی میں اگر کے ہے اور محال چیز کو فرض کر رکھا ہے، شرط کا وجود محال ہے اس لئے دوسرا مصرع جو بطور جزا کے ہے اس کا مترتب ہونا بھی محال ہے مگر شعر نعت رسول سے بہت گرا ہوا اور رکیک ہے، ایسے غلو سے شاعر کو بچنا فرض اور ضروری ہے۔ ایسے اشعار سے آپ کی تعظیم نہیں ہوتی ہے بلکہ توہین کا پہلو نمایاں ہو جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن کے حکم کے مطابق ابلیس جنت میں نہیں جائے گا مگر اس شعر کے قائل کو کافر نہیں کہہ سکتے کہ اس میں محال کو فرض کر رکھا ہے جب تک صحیح توجیہ ان کے کلام کی ہو سکتی ہو اس وقت تک اس کے قائل کو کافر کہنا جائز نہیں، ایسے اشعار مولود میں پڑھنا نہیں چاہیئے۔

واللہ اعلم کتبہ سید مہدی حسن صدر مفتی دار العلوم، دیوبند

۱۳/۲/۷۰ھ۔ جمعہ

نمبر ۱۲۹ فتوی

شاعر کا مقصد بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے اور وہ فرط عقیدت میں سگ کوچہ نبی کو بھی ابلیس سے بھی برتر ثابت کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد ابلیس کو جنتی کہنا نہیں ہے جو ان نصوص کا انکار بھی نہیں اور نہ ابلیس کے جنتی

ہونے کا مدعی ہے اس لئے شاعر کو کافر نہ کہا جائے گا البتہ اس شعر سے چونکہ اس قسم کا ایہام ہو سکتا ہے جیسا کہ دوسرا فریق کہتا ہے اور ایہام کفر سے بھی بچنا واجب ہے اس لئے اس شعر کو ہرگز نہ پڑھا جائے اور توبہ کی جائے مگر دوسرے لوگوں کو بھی اس کے کافر کہنے میں احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ التزام کفر اور لزوم کفر میں فرق ہے اور جب کسی قول میں احتمال ادنی کفر کا بھی ہو سکتا ہے اگرچہ بتاویل ہو قائل کو کافر نہ کہا جائے گا واللہ اعلم۔

سعید احمد غفرلہ

مفتی مظاہر العلوم سہارنپور ۱۵ صفر ۱۳۷۰ھ

بے گناہوں کو بھی پامال کئے جاتے ہو
پاؤں رکھتے ہو کہاں اور کدھر پڑتا ہے

نوٹ۔ ایک ہی سوال کے جواب میں ناظرین نے بھانت بھانت کی بولی ملاحظہ فرمالی یہ وہ اونٹ ہے جس کا کوئی کل سیدھا نہیں۔ کوئی تو مولوی قاسم نانوتوی کو جاہل اور بیہودہ کہہ رہا ہے، کوئی کافر اور فاسق، کوئی التزام کفر اور لزوم کفر کی بحث میں الجھا ہے غرضکہ ان کے یہاں فتوی نویسی کا کوئی معیار ہی نہیں اور یہ سارے فتاوے اس بنیاد پر ہیں کہ کسی کو بھی اس کی خبر نہیں کہ تیر کے نشانے پر کون ہے اگر۔ یہ معلوم ہو جاتا کہ بانی دارالعلوم دیوبند کا شعر ہے تو پھر اس شعر میں نعت نبی کے وہ وہ گوشے نکالے جاتے کہ عالمگیری و شامی کے بجائے دیوان غالب و دیوان ذوق کے صفحات الٹے جاتے اور اردو شاعری میں اس شعر کو ایک نئے مفہوم کا اضافہ کہا جاتا۔ یہ بھی ایک رہی کفر کے فتاوے خود دیوبند سے دیئے جائیں اور بدنام بریلی کو کیا جائے۔ آج بلند بانگ نعروں سے یہ کہا جاتا ہے کہ "کافر کو کافر نہ کہو" حالانکہ یہ کہہ کر خود آں بدولت نے کافر کہہ دیا یعنی کافر تو ہے مگر کافر کہو مت

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں مگر ہاتھ میں تلوار تک نہیں

سچ جانئے افترا پردازی اور بہتان تراشی میں تو اس طبقے نے ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ اس وقت مولوی نذیر احمد رحمانی کی رد عقائد بدعیہ میری نظر کے سامنے ہے اس کے بھی چند حوالہ جات

ملاحظہ فرمائے تو یقین آجائے گا کہ دیو بندیت اور غیر مقلدیت آپس میں سوتیلے بھائی بہن ہیں عقائد بدعیہ حصہ اول مرتبہ نذیر احمد رحمانی حمیدیہ برقی مشین پریس بلوا گنج لہریا سرائے در بھنگہ صفحہ ۱۱۶ و صفحہ ۱۱۷

"پس اگر "کل نفس" سے جملہ افراد کا ستغراق مراد ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی موت تسلیم کرنی پڑے گی حالانکہ بریلوی عقائد کے مطابق یہ صحیح نہیں کیونکہ ان کے نزدیک تو آنحضور پر ایک لمحہ کے لئے بھی موت طاری نہیں ہوئی بلکہ آپ "اوٹ" یعنی پردے میں ہو گئے گو ہمارے نزدیک ان کا یہ عقیدہ بھی صحیح نہیں۔"

نوٹ ۔ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ بھری محفل میں علم و دیانت کی آبرو لٹانا یہ انہیں حضرات کا کام ہے۔

یہ کیا غضب ہے کہ آنجناب نے بریلوی عقیدے پر چوٹ تو کسی مگر اس کا کوئی حوالہ نہ دے سکے گویا آپ کچھ فرمادیں وہی بریلوی عقیدہ ہو جائے اگر نقد و نظر اور تصنیف و تالیف کا یہی طریقہ ہے جو آنجناب نے اختیار کر رکھا ہے تو آئندہ آپ یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ "بریلوی عقیدے میں سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ خاتم النبیین ہیں"۔ پھر ایسے ہی بے پر کی اڑاتے رہئے اور مصنف و مؤلف بن کر اپنی مجارٹی میں بیٹھ کر موچھوں پر تاؤں دیجئے۔ اے کاش آپ کو خدائی باز پرس کا خوف ہوتا اور کبھی یہ سوچ سکتے کہ مرنا ہے اور مر کر خدائے قدیر کی بارگاہ عدالت میں زندگی کا حساب و کتاب دینا ہے۔ اگر آج سے پہلے آپ اصول صحافت سے نا آشنا تھے تو اب ہوش و خرد کا دامن تھامئے اور اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اس کا حوالہ دیجئے کہ بریلوی مکتبہ فکر کی وہ کون سی کتاب ہے جس میں یہ عقیدہ لکھا ہوا ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک لمحہ کے لئے بھی موت کا طریان نہیں ہوا بلکہ وہ "اوٹ" یعنی پردہ میں چلے گئے) " **ھاتو برھانکم ان کنتم صادقین** "

میں نہیں کہہ سکتا کہ "رد عقائد بدعیہ" یہ کوئی موقر و سنجیدہ کتاب ہے یا بلیک مارکیٹ کرنے والے تاجر کا بہی کھاتہ ۔ڈنڈی مار بنئے کا بہی کھاتہ تو تاہم غنیمت ہوتا ہے مگر آپ کی مایہ ناز تالیف تو اس سے بھی چار قدم آگے ہے۔ چنانچہ عارف باللہ مولانا آسی علیہ الرحمہ کے شعر پر بھی آپ نے تنقید فرمائی ہے۔ مگر کتر بیونت کر کے اس کی اصل صورت ہی مسخ کر دی ہے

اگر زحمت نہ ہو تو ایک بار "عین المعارف" کا مطالعہ کر لیجئے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

رد عقائد بدعیہ صفحہ ۱، ع وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر

رحمانی صاحب عین العارف کا مطالعہ کر کے خدا لگتی بات کہئے کہ کیا آپ نے مصرع میں "ہے" کو "تھا" سے بدل نہیں دیا۔ اب آپ ہی فرمائے اس ترمیم کے بعد آپ کی تنقید کا وزن ہی کیا رہ گیا؟

رحمانی صاحب! عبارات میں کتر بیونت کے آپ اس قدر عادی ہیں کہ دوسروں کی بھی تحریر میں آپ کو اپنا ہی عکس نظر آتا ہے۔ چنانچہ آپ صفحہ ۱۵۸ پر رقمطراز ہیں۔

"الفاظ حدیث کے نقل و حوالہ میں مراد آبادی کی خیانت"۔

ابھی آپ کے منہ سے دودھ کی بو نہیں گئی اور آپ صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین رحمۃ اللہ علیہ کے منہ لگنا چاہتے ہیں۔ چادر کا طول و عرض دیکھ کر پاؤں پھیلانے کی کوشش کرنی چاہیے

ع دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

رحمانی صاحب! مجھے آپ کی اس جسارت پر کوئی شکوہ نہیں۔ میں تو بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ انبیا و رسل، علماء و صلحاء کی تنقیص آپ اور آپ کی برادری کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ جب آپ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص میں نہیں چوکتے تو پھر آپ صدر الافاضل علیہ الرحمہ کو کیسے بخش سکتے ہیں۔ اگر بھول بیٹھے ہوں تو اپنی ہی کتاب سے ایک عبارت ملاحظہ کر لیجئے۔

رد عقائد بدعیہ صفحہ ۲،

"یہی وجہ ہے کہ جس قدر جلیل القدر انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں ان کے خاص خاص لقب ہیں مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ اور حضرت موسیٰ کو کلیم اللہ اور حضرت عیسیٰ کو روح اللہ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اس کے کہ وہ اشرف انبیاء تھے اپنے لئے عبدیت اور رسالت کا لقب پسند کیا۔"

ص دیوان آسی

رحمانی صاحب محض اس خیال کے تحت کہ رسولِ خدا کو اپنا جیسا بشر ثابت کیا جائے۔ سرکار دو عالم کے مقام عبدیت پر تو آپ کی نگاہ پڑ گئی مگر اس واقعہ کو آپ ہضم کر گئے کہ ایک بار صحابہ آپس میں تذکرے کر رہے تھے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ تھے۔ حضرت عیسیٰ روح اللہ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے کہ اچانک اسی محفل میں جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ "انا حبیب اللہ" میں اللہ کا حبیب ہوں۔ پھر کبھی آپ نے یہ بھی خیال فرمایا کہ سرکار دو عالم نے اپنے لئے عبدیت کا لقب پسند فرمایا تو پھر ایک وہ شخص جو امتی ہونے کا دعویدار ہو اس کو اپنے پیغمبر کی عزت و شان کے اظہار کے لئے کن القاب و خطابات کو اختیار کرنا چاہیے۔ تنقیص رسالت میں اس قدر غلو کے باوجود آپ یہ تحریر فرماتے ہیں۔

رد عقائد بدعیہ صفحہ ۱۵۹

"خدا نخواستہ اگر کوئی شخص ہماری ان باتوں کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کی تنقیص و توہین قرار دینے کی کوشش کرے تو یہ اس کی شرارت و خباثت ہوگی"۔

نوٹ۔ یہ بھی خوب رہی یہ تو شرابیوں اور جواڑیوں والا لب و لہجہ ہے مثلاً ایک شرابی کہتا ہے کہ جو مجھے شرابی کہے وہ خود شرابی ہے یہی حال آنجناب کا ہے سرکار دو عالم کو گالیاں دیجئے اور بطور اصلاح اس کی طرف آپ کو توجہ دلائے تو آنکھیں لال پیلی کر کے خود اسی کو شریر اور خبیث کہئے۔ میں حیران ہوں کہ آپ کی ان بہکی بہکی اداؤں کی کہاں تک نشاں دہی کی جائے۔ عالم تو یہ ہے۔

یہ گیسوؤں کی گھٹائیں لبوں کے میخانے
نگاہ شوق الٰہی کہاں کہاں ٹھہرے

رحمانی صاحب۔ اب اختتام گفتگو پر اتنی ہی گزارش ہے کہ آئندہ جب کبھی بھی قلم اٹھائیے اس کا لحاظ رکھئے کہ حوالہ میں جس مکتبہ فکر کی بھی عبارت یا اس کا عقیدہ پیش کیجئے صحت کا پورا پورا خیال رکھئے۔ "رد عقائد بدعیہ" میں جو انداز تحریر آپ نے اختیار کیا ہے وہ نہ صرف میری نگاہ میں بلکہ ہر انصاف پسند کی نظر میں ناقابل قبول ہوگا۔ افسوس ہے کہ اب اس کا موقع نہیں کہ آپ کی جماعتی پوزیشن پر کوئی گفتگو کی جائے ورنہ میں اس کی وضاحت کرتا کہ

غیر مقلدیت کہاں کی پیداوار ہے۔ بس اتنا سمجھ لیجئے کہ آپ حضرات اپنے جن آقاؤں کی بارگاہ میں حلف وفاداری اٹھا چکے ہیں، اس کے پیش نظر اس قسم کی بہکی بہکی باتوں کے لکھنے پر مجبور ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ ہندوستان کی خارجیت، دیوبندیت، قادنیت، غیر مقلدیت سب اسوقت کی یہ پیداوار ہے جب کہ انگریز بہادر نے دلی لال قلعہ پر مسیحی پرچم لہرایا ہے۔

فرق اتنا ہے کہ انگریزی سامراج سے پہلے قادیانیت کا تو وجود نہ تھا انگریزوں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور مسئلہ ختم نبوت کو کمزور بنانے کے لئے غلام احمد کو خریدا اور یہ جماعت اسی سہارے آگے بڑھی، ایسے ہی فرقہ غیر مقلد جو آج اپنے کو اہل حدیث کہتا ہے یہ بھی اسی وقت کی پیداوار ہے چنانچہ کافی دنوں تک جماعتی طور پر یہ مسئلہ زیر بحث رہا کہ اس نئے فرقے کا نام کیا ہوگا؟ یہ واضح رہے کہ نیا نام نئی جماعت ہی کے لئے تلاش کیا جاتا ہے۔ رحمانی صاحب! اگر میری باتوں پر اعتماد و بھروسہ نہ ہو تو زحمت فرما کر ایک بار پھر اپنی تاریخ پیدائش کا جائزہ لیجئے اور یہ فرمائے کہ ابتداء آپ کی جماعت کا کیا نام تھا؟

لیجئے میں آپ کی اس زحمت کو کسی حد تک آسان کئے دیتا ہوں کہ پہلے آپ لوگ "محمدی" تھے پھر بعد میں "اہل حدیث" ہو گئے، نہیں جانتا کہ مستقبل میں آپ لوگ اہل حدیث ہی اپنا نام رکھیں گے یا اہل۔۔۔! البتہ فتنہ خارجیت اس وقت کی پیداوار تو نہیں ہے مگر اس دبے ہوئے فتنے کو انگریزوں نے ابھارا اور اس کی قیادت کے لئے مولوی عبد الشکور لکھنوی کا انتخاب عمل میں آیا۔ مناسب ہوگا کہ اس مقام پر خارجیوں کے امام مولوی عبد الشکور لکھنوی کے بھی کچھ اقوال پیش کر دیئے جائیں تاکہ آپ کا اطمینان قلب آپ کو حاصل رہے۔ اور یہ یقین ہو سکے کہ ایسی باتیں وہی کہہ سکتا ہے جو اسلام سے رشتہ و ناطہ توڑ کر کسی اور سے اپنا ساز باز کر چکا ہو۔ ملاحظہ فرمائے۔

مختصر سیرت نبویہ صفحہ ۲۲ مولفہ مولی عبد الشکور لکھنوی

"لیکن باوجود محاسن عقلیہ کے محاسن شرعیہ سے آپ "یعنی رسول خدا" بالکل بے خبر تھے۔ محاسن شرعیہ کی اصل اصول یعنی ایمان باللہ کی حقیقت بھی آپ نہ جانتے تھے۔"

صفحہ ۲۲ "اخلاقی محاسن کے تین جز ہیں۔ تہذیب اخلاق تدبیر منزل سیاست مدن ان تینوں سے آپ "یعنی رسول خدا" قطعاً و اصلاً بے خبر تھے جب آپ یہ بھی

نہ جانتے تھے کہ کتاب الہی کیا چیز ہے اور ایمان کیا چیز ہے تو اور محاسن سے آپ کو کیونکر آگاہی ہو سکتی تھی۔"

نوٹ۔ ان عبارات کو میں اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ ان پر نقد و نظر کی جائے۔ یہ عبارتیں خود ہی پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ میں کسی دشمن رسول کے منہ سے نکلی ہوئی گالیوں کی گندہ تصویر ہوں۔ دو ایک حوالہ جات اور بھی ملاحظہ فرمایئے۔

اخبار النجم مورخہ ۱۱ جون، ۱۹۳۷ء صفحہ ۵ کالم تین ایڈیٹر مولوی عبد الشکور لکھنوی

"نبی کریم نے فرمایا انما انا بشر کم مثلکم۔ میں تمہاری طرح ایک معمولی انسان ہوں اگر تم میں اور اور مجھ میں فرق ہے تو صرف اتنا کہ میں تمہارے پاس خدائے تعالیٰ کا پیام لایا ہوں۔"

نوٹ۔ قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ دیکھ کر ڈاکٹر اقبال کا ایک شعر یاد آگیا"

اس راز کو تو فاش کرائے روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم
آیات الہی کا نگہبان کدھر جائے

کیا مجھے کوئی بتا سکتا ہے کہ آیت کے ترجمہ میں جو "معمولی" کہا گیا ہے، یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ وا حسرتاہ! قرآن کو آج کھلونا بنالیا گیا ہے۔ اے دوستو اگر تمہیں یہی کرنا ہے تو محض کہنے کے لئے اپنی گردن میں جو اسلام کا قلادہ ڈال رکھا ہے اس کو بھی اتار پھینکو جو کہنا ہے کہ کھلے بند کہو ایسے ہی کب تک اسلام کے جسم پر تم ناسور بن کر رستے رہو گے۔ آخر ش تمہاری ریشہ دوانیوں کا سلسلہ کب تک جاری رہے گا اگر تم عذاب آخرت کو بھول بیٹھے ہو اور اب تمہیں اپنی ہڈیوں اور بوٹیوں کے جھلسنے کا احساس تک نہیں رہ گیا ہے تو کم از کم اسلام اور قائدین اسلام پر ترس کھاؤ۔ آخرش تم کس کافر ادا کے شکار ہو گئے ہو، ابھی تو کل ہی کی بات ہے کہ تمہارے باپ دادا رسول خدا کا گن گاتے تھے اور تم ایسے خلف نکلے کے سید عالم کو ایک معمولی بشر کہتے ہو۔

کاش تمہاری آنکھیں کھلتیں اور ٹھنڈے دل سے اپنی کتابوں پر نظر ثانی کر کے مسلمانوں کے حال زار پر کرم کرتے۔

مجھے افسوس ہے کہ بات کچھ پھیل گئی۔ میں لکھنوی صاحب کے دریدہ دہنی اور بارگاہ

نبوت میں گستاخی کی مثالیں دے رہا تھا۔ دو ایک حوالہ جات اور بھی ملاحظہ فرمائیے۔

اخبار النجم جلد نمبر ۱۳ پرچہ نمبر ۱۱ مورخہ ۲۳ ربیع الاول شریف ۵۲ ۱۳ھ مطابق ۶ جولائی ۱۹۳۴ء صفحہ ۶ کالم نمبر ۲ سطر ۲۴

"تعریف کے تمام افراد اللہ کے لئے ثابت ہیں کسی طرح کی تعریف کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں۔ اللہ کی ذات کے سوا کسی کی تعریف کرنا حرام ہے۔"

نوٹ۔ ایک مطلق العنان قلم ہے جو بے لگام شرابی کی طرح بہکتا جارہا ہے۔ ناظرین عبارت کے اس ٹکڑے پر خاص دھیان رکھیں گے۔ "کسی طرح کی تعریف کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں"۔ لکھنوی صاحب کی یہ داستان کچھ مختصر نہیں بلکہ بہت ہی طویل ہے، نہ جانے ایسے کتنے اقوال مردودہ ہیں مثلاً خدا نے ایک کعبہ بنایا تو شیطان نے اجمیر شریف، دیوا شریف، کلیر شریف، بہرائچ شریف کے روضے بنوائے امام حسن باغی تھے امام حسین کو سید الشہدا کہنا ناجائز و حرام ہے، یزید پلید امام برحق امیر المومنین تھا وغیرہ وغیرہ۔

ع تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔ کا مضمون ہے۔

بات یہ چل رہی تھی کہ قادیانی، خارجی، غیر مقلد، دیوبندی یہ سب ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں جو ہندوستان کی سرزمین پر انگریز بہادر کے سہارے پھلے پھولے۔ البتہ یہ بات ضرور کہی جائے گی کہ وہابی نام کی تحریک دلی کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے دور میں چور دروازے سے اپنا داخلہ لے رہی تھی جس نے کچھ ہی دنوں بعد غیر مقلدیت اور دیوبندیت کا لبادہ اوڑھ لیا جس کی شہادت میں بہادر شاہ ظفر کا وہ استفتا جو تاج الفحول حضرت علامہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں آیا تھا پیش کیا جاسکتا ہے۔ سوال و جواب دونوں زبان فارسی میں ہیں۔ ناظرین کی سہولت کے لئے سوال کا خلاصہ اردو زبان میں درج کیا جاتا ہے۔ جواب بہت ہی طویل ہے اس کے بارے میں اتنا کہدینا کافی ہے کہ تاج الفحول حضرت علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ والرضوان نے جو جواب بہادر شاہ ظفر کو عنایت فرمایا تھا، علماء بریلی اور علماء بدایوں کا اسی پر معمول ہے۔ سوال ملاحظہ فرمائیے۔

اکمل التاریخ از صفحہ ۱۵۴ تا ۱۶۹

استفتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس شخص کے متعلق جو یہ کہتا ہے کہ دن متعین کر کے محفل مولود شریف منعقد کرنا گناہ کبیرہ ہے اور محفل مولود شریف میں قیام کرنا شرک ہے اور فاتحہ کرنا طعام وشیرینی پر حرام ہے اور اولیاء اللہ سے مراد چاہنا شرک ہے اور حسب دستور قدیم ختم میں پانچ آیتوں کا پڑھنا بدعت سئیہ ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا معجزہ حق نہیں ہے اور کہتا ہے تعزیہ کا بالقصد یا بلاقصد دیکھنا کفر ہے اور ہولی کا دیکھنا اور دسہرے میں سیر کرنا اگرچہ بلاارادہ ہو تو وہ کافر ہوجائے گا اور اس کی عورت پر طلاق ہوجائے گی اور کعبہ شریف ومدینہ منورہ کے خطہ میں کوئی بزرگی نہیں ہے اس وجہ سے کہ اس زمین میں ظلم ہوا ہے اور سننے میں آیا ہے کہ وہاں کے باشندگان ظالم ہیں۔ مدینہ منورہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کو قتل کیا اور مکہ معظمہ میں عبداللہ ابن زبیر کو قتل کیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالے عنہ کو مکہ سے باہر کیا پس ایسی صورت میں ان لوگوں کی اقتداء اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا یا مسلمانوں کو ان سے بیعت ہونا درست ہے یا نہیں اور شرع شریف کا ایسے لوگوں پر کیا حکم ہے نیز ان کے متبعین پر کیا حکم ہے فقط

نقل مہر حضرت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی

بادشاہ دین پناہ وفق اللہ لما یحب ویرضاہ

محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی
ابو ظفر سراج الدین

خلاصہ گفتگو: یہ ہے کہ مذہب اہل سنت کو مٹانے اور کمزور بنانے کے لئے یہ سب جماعتیں انگریزوں کے اشارے پر عالم وجود میں آئیں چنانچہ مولوی اسمٰعیل دہلوی جو دیوبندی وہابی، غیر مقلد سبھی کے مقتدا و پیشوا ہیں انہیں خود اپنی تقویۃ الایمان کے بارے میں اس امر کا احساس تھا کہ اس کتاب سے انتشار پھیلے گا اور مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہوگا مگر بایں ہمہ کتاب شائع ہوئی

ص قلعہ معلی میں میلاد، فاتحہ، نیاز، گیارہویں، توشہ، چھٹی جیسے تمام ہی مراسم اہلسنت کا رواج تھا۔ جب ان مراسم پر مولوی اسمٰعیل دہلوی نے شرک و بدعت کے فتاوے دیئے تب بہادر شاہ ظفر نے مولانا فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ کی خدمت میں استفسار کیا۔ ۱۲

اور مسلمانوں کی اک جیتی ٹکڑے ہو کر رہ گئی۔

چنانچہ حج کی روانگی سے قبل مولوی اسمٰعیل دہلوی نے ایک بھرے مجمع میں جو تقریر کی تھی اس کو ملاحظہ فرمائیے۔

باغی ہندوستان صفحہ ۱۱۵

"میں جانتا ہوں کہ اس (تقویۃ الایمان) میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے مثلاً ان امور کو جو شرک خفی ہیں شرک جلی لکھدیا گیا ہے ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ شورش ضرور پھیلے گی۔"

نوٹ۔ اب معاملہ ناظرین کی عدالت میں پیش ہے فیصلہ کرنا آپ ہی حضرات کا کام ہے۔ تقویۃ الایمان پر یہ بدایوں یا بریلی کی تنقید نہیں ہے بلکہ اپنی تصنیف سے متعلق خود مصنف ہی کا اقرار۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تقریر کس قدر سنبھل کر کی گئی ہوگی اور کتنے جنچے تلے الفاظ ڈھونڈے گئے ہوں گے مگر اس کے باوجود ادائیگی مفہوم میں مصنف نے حسب ذیل باتوں کا اقرار کیا ہے۔

۱۔ الفاظ بھی تیز آگئے ہیں "لفظ بھی" یہ اشارہ کر رہا ہے کہ معنی میں تیزی و تلخی تو ہے ہی مگر الفاظ بھی تیز ہیں۔

۲۔ "بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے۔"

۳۔ "شرک خفی کو شرک جلی لکھدیا ہے۔" آخرش یہ دین میں ٹھیکیداری نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ اسلام اور شریعت سے استہزاء و مذاق کی جیتی جاگتی مثال ہے۔

۴۔ "مجھے اندیشہ ہے کہ شورش ضرور پھیلے گی۔" جس کتاب سے شورش پھیلنے کا اندیشہ ہو اس کو چھاپنا ہی نہیں چاہئے۔ مگر اسی بات سے پوری حقیقت واضح کر دیا اور وہابی مشن کی قلعی بھی کھل گئی انگریزوں کے اشارے پر شورش پھیلانے کے لئے ہی تقویۃ الایمان لکھی گئی ہے۔ یہ وہی تقویۃ الایمان ہے جس کا مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتوے کی بنا پر ہر گھر میں ہونا اور اس کا پڑھنا عین اسلام ہے یہ بھی خوب رہی جس کتاب سے شورش پھیلے اس کا ہر گھر میں ہونا عین اسلام ہے۔ گویا معاذ اللہ اسلام کا کام شورش پھیلانا ہے۔ آج علماء دیوبند گلی گلی کوچہ کوچہ یہ پروپیگنڈہ کرتے پھر رہے ہیں کہ علماء اہل سنت کا کام تو محض لڑانا و شورش پھیلانا ہے۔

کاش وہ ایک لمحہ کے لئے نارمل حالت میں تقویۃ الایمان کو پڑھ کر خود مصنف کے بیان کی

روشنی میں یہ فیصلہ کرتے کہ افتراق بین المسلمین کے بانی خود آں بدولت ہیں یا کوئی اور۔؟
چنانچہ اس سلسلہ میں مولوی عبدالشاہد خاں شیروانی ناظم جمیعتہ العماء علی گڑھ کا ایک بیان حوالہ میں حاضر کیا جاتا ہے، جس سے حقیقت خود ہی بے نقاب ہوجائے گی۔

باغی ہندوستان صفحہ ۱۱۵ و صفحہ ۱۱۶

"پس افراط غلو کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا (اسمعیل دہلوی) کے جذبہ اصلاح اور وعظ و ارشاد کی قدر کرنے والے پرانے ساتھی بھی (مولانا اسمعیل) کی مخالفت کئے بغیر نہ رہ سکے انہیں میں سے علامہ فضل حق خیر آبادی بھی تھے۔ علامہ کی دور بیں نگاہوں نے تاڑ لیا کہ یہ تو آسمان سے گر کر کھجور پر اٹکنا ہوا، تفریط گئی تو افراط پیدا ہوکر رہے گا ایسے موقع پر پہلوتہی اور خاموشی گناہ عظیم ہے۔"

نوٹ۔ اب وہ حضرات جو حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کی حق پسندی سے برہم ہوکر انہیں مورد طعن و تشنیع قرار دے رہے ہیں اور مولوی اسماعیل دہلوی کی شورش پسندی پر رد شرک و بدعت کا غلاف ڈال کر تقویۃ الایمان کو عین اسلام کہہ رہے ہیں وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کو سوچیں کہ اپنی روش میں وہ کس حد تک حق بجانب ہیں۔

اے کاش اب بھی علماء دیوبند کو ہوش آتا اور وہ اسلام اور مسلمانوں کے حال زار پر ترس کھاتے آج ان سے یہ مطالبہ ہے کہ تقویۃ الایمان میں جہاں باطل و گمراہ عقیدے ہیں، اسی کے ساتھ اس کتاب کا انداز بیان اور لب و لہجہ بھی درست نہیں ہے جس کی بابت خود مصنف کا اقرار ہے۔

لہذا ایسی کتاب جس میں الفاظ تیز آگئے ہوں، تشدد ہو اور شرک خفی کو شرک جلی لکھا گیا ہو اور اس کتاب سے مسلمانوں میں شورش پھیلنے کا اندیشہ ہو، اس کی اشاعت ہی نہ ہونی چاہئے، مگر یہاں تو نقشہ ہی بدلا ہوا ہے، اشاعت کی روک تھام تو درکنار اسی کتاب کو عین اسلام کہہ کر چھاپا اور پھیلایا جارہا ہے۔ اور جس قدر تقویۃ الایمان کے اصلاح کا مطالبہ کیا گیا اسی قدر مصنف کی شدت اور بڑھتی گئی۔ چنانچہ مولوی عبدالشاہد خان شیروانی ناظم جمیعتہ علماء علی گڑھ صدر رقمطراز ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

باغی ہندوستان صفحہ ۱۱۴

"مسلمانوں کی شدت مخالفت کی بنا پر قدرتی طور پر شاہ صاحب (مولوی اسمعیل

صاحب) کا جذبہ اصلاح غلو کی شکل اختیار کر گیا ایک طرف تفریط تھی تو دوسری جانب افراط شاہ اسمٰعیل صاحب نے مسلمانوں کی ہر غلط روی کو شرک سے تعبیر کرنا شروع کیا۔

چند سطر بعد

وعظ و تبلیغ کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع ہوا، پہلے عربی میں پھر اردو میں تقویۃ الایمان لکھی اس میں حد اعتدال سے تجاوز کیا گیا اس کا خود مصنف کو بھی احساس تھا۔

نوٹ۔ مندرجہ بالا عبارت کے حسب ذیل ٹکڑے ناظرین کی توجہ چاہتے ہیں۔

۱۔ "شاہ صاحب کا جذبہ اصلاح غلو کی شکل اختیار کر گیا"

۲۔ "شاہ صاحب نے مسلمانوں کی ہر غلط روی کو شرک سے تعبیر کرنا شروع کیا۔" یعنی فی الواقع وہ باتیں شرک تو نہیں ہیں مگر چونکہ شاہ صاحب کا جذبہ اصلاح غلو کی شکل اختیار کر چکا تھا اس لئے مسلمانوں کا جو فعل بھی ان کے مزاج و طبیعت کے خلاف ہوا اس کو شرک کہدیا گیا۔ اس اندازہ کے لئے یہ بات کافی ہے کہ تقویۃ الایمان کی ہر ہر سطر میں جو شرک و بدعت کی قے کی گئی ہے اس کی حقیقت کیا ہے۔

۳۔ "تقویۃ الایمان میں حد اعتدال سے تجاوز کیا گیا۔" یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ جو کتاب حد اعتدال سے متجاوز ہو جاتی ہے وہ اپنا وقار اور وزن کھو دیتی ہے۔ وہ کتاب نہیں کہی جاتی بلکہ مصنف کے غم و غصہ، قہر و غضب اور گالی گلوچ کا پلندہ سمجھی جاتی ہے۔

۴۔ "اس کا خود مصنف کو بھی احساس تھا۔" یعنی مصنف کی خطا غیر شعوری طور پر نہ تھی بلکہ دیدہ و دانستہ تھی اور یہ بات اہل نظر پر مخفی نہیں کہ ایسی خطا انتہائی مخدوش و خطرناک ہوتی ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ احساس لغزش کے باوجود اگر لغزش کی جائے تو اس کا بھی امکان رہتا ہے کہ اس لغزش پر کوئی خارجی دباؤ پڑ رہا ہے۔ یعنی شاہ اسمٰعیل صاحب کو اس کا احساس تو تھا کہ اس حد اعتدال سے متجاوز ہو چکا ہوں اور اس کتاب سے شورش پھیلے گی مگر اس کے باوجود وہ اپنی روش نہ بدل سکے محض اس وجہ سے کہ ان پر انگریز بہادر کا دباؤ پڑ رہا ہے تھا کہ میرے حق میں وہی کتاب مفید ہوگی جس سے مسلمانوں میں شورش پھیلے۔ یہ ہے تقویۃ الایمان کا پس منظر نہ تو وہ عین اسلام ہے اور نہ ہی رد شرک و بدعت میں کوئی قابل قدر تصنیف بلکہ وہ انگریز

بہادر سے روپیہ اینٹھنے کی ترکیب بتانے والی ایک کتاب ہے ورنہ رد شرک و بدعت کا جو طریقہ مولوی اسماعیل دہلوی نے اختیار کیا تھا اس کو خود مولوی قاسم نانوتوی نہ برداشت کر سکے بلکہ اس مذموم طریقے پر انہوں نے بڑی سخت تنقید کرتے ہوئے اظہار تنفر کیا ہے جس کو آپ مصنف سوانح قاسمی کے قلم سے ملاحظہ فرمائے مگر اس سے پہلے مولوی اسماعیل صاحب کے انداز تبلیغ و اصلاح پر ایک شعر سن لیجئے۔

میخانہ سلامت ہے تو ہم سرخیٔ مے سے
تزئین در و بام حرم کرتے رہیں گے

سوانح قاسمی جلد دوم صفحہ ۲۵

"کون نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ کلام اللہ اس طرح من اولہ الی آخرہ اوراق میں لکھا ہوا تھا نہ اس زمانہ میں زبر، زیر، جزم اور تشدید ایجاد ہوئے تھے نہ کتب احادیث یوں تصنیف ہوئیں نہ تو تدوین کتب فقہ، اصول فقہ اور تفسیر کا دستور تھا۔

طبقہ علماء کی مذکورہ بالا خدمات یا اسی نوعیت کی جو دوسری چیزیں ہیں سب کو آپ ص نے اسی مد میں شمار فرمایا ہے۔ جو ضمناً و عرضاً مامور بہ ہیں یعنی شریعت کے مطالبات کی تکمیل میں ممد و معاون ہیں۔"

صفحہ ۲۲ — ایسے ہی علاج قلبی میں بہت سے امور ہوتے ہیں کہ وہ صراحتہً مامور بہ نہیں ہوتے ضمناً و عرضاً مامور بہ ہوتے ہیں اس وجہ سے ظاہر میں وہ بدعت معلوم ہوتے ہیں حقیقت میں بدعت نہیں"

نوٹ۔ اب پتے کی بات سنئے صفحہ ۲۰ اور ۲۱

"اس زمانہ میں مسلمانوں کے بعض ممالک میں بھی یہ سوال اٹھ کھڑا ہوا تھا کہ اگلی نسلوں کے دین پر اعتماد کر کے پچھلی نسلیں جن باتوں کو مانتی چلی آتی ہیں ضروری ہے کہ ان پر تنقید کیجائے۔ خصوصاً عرب جو مسلمانوں کا دینی مرکز ہے، اس تحریک کا وزن اس کے بعض خاص علاقوں پر غیر معمولی پڑ رہا تھا۔ نجد کے باشندے اور اسی علاقہ کے ایک عالم محمد بن عبدالوہاب اس تحریک کے سب سے

ص مولوی قاسم نانوتوی

بڑے علم بردار تھے۔ یہی پیچ در پیچ تاثیری اسباب تھے جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ سید شہید جس جماعت کو چھوڑ کر احیاء عندر بھم یرزقون کی قدوسی صف میں شریک ہوئے تھے، اس جماعت کے بعض افراد تطہیر و تزکیہ کے اس عمل میں حدود سے تجاوز کرنے لگے، سڑے ہوئے گوشت کیساتھ زندہ گوشت پر بھی عمل جراحی کرنے لگے بے احتیاطیاں اس حد تک ترقی کرکے پہنچ چکی تھیں کہ مسلمانوں کی دینی زندگی کی شرائین اور شہ رگ تک کو نشتر زنی کی دھمکیاں دینے لگی تھیں اور بقول سیدنا[۱] امام الکبیر فیوض قاسمیہ صفحہ ۴ علماء و فقراء جن کو خلاصہ امت کہئے اس خلاصہ امت کو اپنے عمل جراحی کا تختہ مشق ان لوگوں نے چاہا کہ بنالیا جائے گویا اسلام کی سیزدہ سالہ دینی و علمی تاریخ کے سارے اوراق ہی کو چاہتے تھے کہ بیدردی کے ساتھ پھاڑ دیا جائے الغرض بدعت کے ساتھ ایسی بے شمار چیزوں کو وہ بدعت ٹھہرانے لگے جن کے بدعت ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔"

ع قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

نوٹ۔ اب اس خصوص میں جناب قاری محمد طیب صاحب سے گزارش ہے کہ اگر انہیں علمائے اہل سنت کی باتیں ناگوار خاطر گزرتی ہیں تو کم از کم انہیں اپنے دادا کی نصیحب پر عمل کرنا چاہیے، اور شرک و بدعت سے متعلق جو نظریہ مولوی قاسم نانوتوی نے بیان کیا ہے اسی کو اپنانے کی کوشش کرتے۔

فیوض قاسمیہ اور سوانح قاسمی کی جو عبارات پیش کی گئی ہیں یہ خود ان کے گھر کی باتیں ہیں گویا یہ وہ حوالہ جات ہیں جس سے دیوبندی مشینری کے ایک ایک کل و پرزے خود ہی ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔

تقویۃ الایمان پر نقد و نظر کا یہ ایک اجمالی خاکہ ہے۔ اختتام گفتگو پر اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ بعض علمائے دیوبند نے تقویۃ الایمان کو مولوی اسماعیل دہلوی کی طرف منسوب کرنے سے انکار کیا ہے۔

اس سلسلہ میں انتہائی تجسس و تلاش کے بعد مولوی عبد الشکور مرزا پوری کی کتاب " التحقیق الجدید علی تصنیف الشہید" مجھے دستیاب ہو سکی جس کا بالاستیعاب میں نے مطالعہ کیا لیکن

---

[۱] مولوی قاسم نانوتوی

مصنف نے اثبات مدعی سے متعلق جو طرز استدلال اختیار کیا ہے وہ انتہائی ناپسندیدہ و ناقابل قبول ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب خود حلقہ دیوبند میں بھی مقبول نہ ہوسکی۔ اس لئے اس کتاب پر کسی بھی تبصرے کو طول عبث سمجھتا ہوں ویسے مصنف نے خود اس امر کا اعتراف بھی کیا ہے۔ میرے شبہات مسائل سے متعلق نہیں ہیں بلکہ مولوی اسماعیل کی کتاب ہونے میں شبہ ہے۔ حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

"التحقیق الجدید علی تصنیف الشہید" مصنفہ مولوی عبد الشکور مرزاپوری مطبع مجیدی۔ کانپور ص،

چار کتابوں پر شبہ

جدول کی کتب مطبوعہ و مشہورہ میں سے صراط مستقیم، تنویر العین ایضاح الحق، خصوصاً تقویۃ الایمان، وہ کتابیں ہیں جن کے متعلق شبہات ہیں مگر ان شبہات کا تعلق مسائل سے نہیں بلکہ تاریخ سے ہے جنہیں قلم بند کئے عرصہ گزرا۔ تاہم شائع کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی"

نوٹ۔ اولاً تو خود مصنف نے اپنی پوری کاوش کو شبہ سے تعبیر کیا ہے اور یہ طے ہے کہ یقین کو یقین ہی توڑتا ہے نہ کہ شبہ!

پھر آگے چل کر مصنف کا یہ کہنا کہ کتاب کو قلم بند کئے عرصہ گزرا شائع کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ جس سے خود ڈھکی چھپی کمزوریوں کا پتہ چلتا ہے اس لئے میری اپنی رائے میں اس کتاب کے اقتباسات پر نقد و نظر کرنا محض صفحات کو سیاہ کرنا ہے۔

میرے خیال میں مولانا سید الزماں صاحب ٹیچر عابدہ ایچ ای اسکول مظفر پور نے اپنی کتاب "تعظیم شہ مصطفی" بہ جواب "شہید کی سچی باتیں مرتبہ مولوی نور محمد ٹانڈوی"۔ میں اس عنوان پر کافی روشنی ڈالی ہے جن اہل ذوق کو اس سے زیادہ کی تلاش ہو وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ "تعظیم شہ مصطفی" اپنے انداز کی سنجیدہ اور انوکھی کتاب ہے۔

ناظرین نے پچھلے صفحات میں محمد بن عبد الوہاب نجدی اور مولوی اسماعیل دہلوی کی تحریک پر مولوی قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند کی رائے ملاحظہ فرمائی ہے کہ خود بانی دار العلوم دیوبند کو اس تحریک سے اتفاق نہ تھا۔

مگر اس کو کیا کہئے کہ اختلاف نے اسلاف سے منہ موڑ لیا ہے اب ان حضرات کو بسا اوقات اپنے بزرگوں کی موافقت اتنی منظور نہیں جس قدر کہ ہماری مخالفت۔

چنانچہ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ "خون کے آنسو" جلد اول کی اشاعت پر مولوی ابوالوفا صاحب شاہجہان پوری سے خود دیوبندی مکتبہ فکر کے ایک فرد نے سوال کیا تب بجائے اس کے کہ مولانا اس کو کوئی معقول جواب دیتے مجھ پر دو چار تبرا کر کے دل کی بھڑاس نکال لی۔

عجیب اتفاق کہ سوال میرے فائل میں محفوظ ہے جو محض اس خاطر ہدیہ ناظرین ہے کہ اس سوال ہی کو پڑھ کر یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ "خون کے آنسو" نے خود دیوبندی ذہن وفکر کو کس حد تک متزلزل کیا ہے۔

اس سلسلہ میں ادارہ پاسباں کو سیکڑوں خطوط موصول ہوئے اور خود مجھے اپنے بیشتر پروگرام میں لوگوں نے ایسے واقعات بتائے کہ "خون کے آنسو" کو پڑھ کر بہت سے دیوبندیوں نے توبہ کی ہے۔ سوال ملاحظہ فرمائیے۔

بات وہ کہئے کہ جس بات کے سو پہلو ہوں
کوئی پہلو تو رہے بات بدلنے کے لئے

روزنامہ "آج" بمبئی جلد نمبر ۱، شمارہ نمبر ۲۲۹۔ ۲۰ اگست ۱۹۶۱ء

"مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہانپوری سے گزارش"

حضرت مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہانپوری سے گزارش ہے کہ یوں تو ہمیشہ علمائے دیوبند اور رضا خانیوں کا عقائد کے مسئلہ اختلاف رہا اور مناظرہ تک کی نوبت آئی مگر ہم لوگوں نے یہی سمجھا کہ علمائے دیوبند حق بجانب ہیں رضا خانی ضدی ہیں اور زبردستی اپنی بات منوانا چاہتے ہیں مگر حال ہی میں ایک کتاب خون کے آنسو مولوی مشتاق احمد نظامی الہ آبادی نے شائع کی ہے جس میں الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی کا مضمون نقل کیا ہے۔ جو مولانا مدنی کے متعلق ہے اس میں لکھا ہے کہ

مولانا مدنی صاحب اللہ تعالی کے روپ میں ہماری خدمت کیا کرتا تھا ہماری گلیوں میں چلا پھرا کرتا تھا اور یہاں تک لکھا ہے کہ تم کبھی تصور بھی کر سکے کہ رب العالمین اپنی کبریائیوں پر پردہ ڈال کے تمہارے گھروں میں بھی آکر رہے گا۔

پہلے تو خیال ہوا کہ یہ بات غلط ہے۔ ایسی بات کوئی انسان عقل والا نہیں کہہ سکتا

مگر احباب کے اصرار پر الجمیعۃ شیخ الاسلام نمبر بڑی مشکل سے حاصل کیا گیا دیکھا تو واقعی اس قسم کی عبارت موجود ہے، پھر اسے پڑھ کر بڑی شرمندگی ہوئی، پھر خیال ہوا کہ مولانا ابوالوفا صاحب عید میلاد النبی میں تشریف لا رہے ہیں بذریعہ اخباران سے دریافت کر لیا جائے گا کہ کیا اس مضمون کے خلاف کسی اپنے عالم نے یعنی علماء دیوبند میں سے کسی عالم نے اس تحریر کے خلاف پرچہ نکالا کہ یہ مضمون غلط ہے اور ایسا لکھنا کفر ہے۔

مولانا عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی کو توبہ کرنا چاہئے اور آپ نے بھی اس کے خلاف کوئی مضمون لکھا اور شائع کرایا۔ آپ نے اس مضمون کو دیکھا تو ضرور ہوگا اگر کسی نے بھی علمائے دیوبند سے اس کے خلاف کوئی پرچہ شائع کیا ہو تو برائے کرم ان پرچوں کا حوالہ دیتے ہوئے کسی اخبار میں اول فرصت میں شائع کردیں تاکہ ہم لوگ رضاخانیوں کو جواب دیں سکیں ورنہ چلتے پھرتے ہم پر سوال ہوتا ہے اور حملے کیے جاتے ہیں خاموشی سے سن لیتے ہیں اور اس میں ہم نے یہ بھی لکھا دیکھا کہ مولانا حسین احمد صاحب مولانا ابوالوفا صاحب کا پاؤں دبایا کرتے تھے۔ امید ہے کہ آج ہی کل میں اس کا جواب کسی اخبار میں مرحمت فرما کر ہم سب کو مطمئن فرمائیں گے۔

فقط آپ کا مخلص

برہان الدین میرٹھی ——"

خوب امیدیں بندھیں لیکن ہوئیں حرماں نصیب

بدلیاں اٹھیں مگر بجلی گرانے کے لئے

نوٹ۔ مجھے افسوس ہے کہ عزیزی عبد الرحمن نے بمبئی سے جواب کی کاپی میرے پاس بھیجی تھی مگر وہ فائل میں محفوظ نہ رہ سکی تاہم مجھے اس کی تلاش ہے اگر وہ اخبار مل گیا تو بلا کم و کاست وہ جواب خون کے آنسو جلد سوم میں شائع کردیا جائے گا۔ غالباً مولانا شاہجہانپوری کے جواب کا آخری ٹکڑا یہ تھا کہ

"مشتاق نظامی اور ان کے پرکھوں کا یہی کام ہے۔"

اب اس جواب کی روشنی میں سوال کے چند ٹکڑے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) پہلے تو یہ خیال ہوا کہ یہ بات غلط ہے ایسی بات کوئی انسان عقل والا نہیں کہہ سکتا۔
(۲) اسے پڑھ کر شرمندگی ہوئی۔
(۳) کیا کسی دیوبندی عالم نے اس تحریر کے خلاف پرچہ نکالا کہ یہ مضمون غلط ہے
(۴) اور ایسا لکھنا کفر ہے۔

اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ میں نے صرف عبد الرزاق ملیح آبادی کا ایک مضمون بطور حوالہ پیش کیا تھا، جس کو دیکھ کر خود دیوبندی جماعت کے ایک فرد کے یہ تاثرات ہیں کہ یہ بات غلط ہے ایسا کوئی دیوانہ پاگل ہی لکھ سکتا ہے کوئی عقل والا انسان نہیں لکھ سکتا۔ ایسے مضمون کو پڑھ کر ہمیں شرمندگی ہوتی ہے۔ یہ مضمون غلط ہے اور ایسا لکھنا کفر ہے

یہ بات مشتاق نظامی اور اس کے پرکھوں نے نہیں کہی بلکہ اکابر دیوبند کی گندہ و کفری عبارات دیکھ کر خود ان کی جماعت کے ایک فرد یہ حکم لگاتا ہے۔ یہ سب کچھ کہنے کے ساتھ سائل کتنی سادگی سے یہ بھی کہہ گزرتا ہے کہ

"چلتے پھرتے ہم پر سوال ہوتا ہے اور حملے کیے جاتے ہیں، خاموشی سے سن لیتے ہیں۔

کوئی سوچے تو سہی کہ سائل کے ان جملوں سے کتنی بیکسی و بیچارگی ٹپکتی ہے مگر مولانا شاہجہانپوری کو اس کا کچھ بھی احساس نہ ہوا، بس یہ کہہ کر دامن چھڑا لیا کہ مشتاق نظامی اور ان کے پرکھوں کا یہی کام ہے۔

مولانا شاہجہانپوری کے تذکرے سے ایک بات یاد آئی۔ "خون کے آنسو جلد اول" میں بحوالہ تجلی دیوبند ایک مضمون کی اشاعت ہوئی ہے کہ یہ لوگ بہرائچ شریف عرس میں شرکت کرتے ہیں اور نذرانہ میں روپے کے علاوہ قبر شریف کی چادریں بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ چنانچہ تجلی فروری ۶۲ء کے شمارہ میں مولوی ابو الوفا صاحب شاہجہاں پوری اور مولوی محمد قاسم صاحب شاہجہانپوری سے متعلق ایک اور مضمون شائع ہوا ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

تجلی فروری ۶۲ء ص ۷۱ سرخی "پیٹ کی باتیں" سوال نمبر ۴ از عبد الوحید

"تجلی کے مئی ۶۱ء کے شمارہ میں ہم نے مولوی محمد قاسم صاحب اور مولوی ابو الوفا صاحب شاہجہانپوری کی قبر پرستی اور قول و عمل کے تضاد کے سلسلہ میں کچھ استفسار

کیا تھا اور یہ تحریر کیا تھا کہ ان حضرات کے رویہ سے کچھ لوگ جو راہ راست پر آگئے تھے وہ عالم تذبذب میں پڑگئے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کے مفصل جواب نے بحمد اللہ ان لوگوں پر بہت اچھا اثر کیا۔ خیال تھا کہ شاید مذکورہ مولوی صاحبان کی آنکھیں بھی کھل جائیں گی اور سو سوا سو روپے کی خاطر اب ضمیر فروشی نہ کریں گے اور درگاہ میں عرس کے موقع پر تشریف نہ لائیں گے مگر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہم نے یہ دیکھا کہ دونوں حضرات پھر تشریف لائے اور بڑی ڈھٹائی سے پھر وہی سب باتیں کیں جو سال گزشتہ میں کی تھیں۔ ان کے رویہ کو دیکھ کر ایک بریلوی مولوی صاحب نے کہا کہ لوگ مزاروں پر مرغا مینڈھا وغیرہ چڑھاتے ہیں۔ ہم نے بھینسا چڑھا دیا۔ یہ اشارہ مولوی محمد قاسم صاحب کی طرف تھا۔ افسوس ہے شہر کے خوش عقیدہ حضرات کے جذبات ہر دو مولوی صاحبان کی طرف سے بہت برگشتہ ہوگئے۔ چنانچہ ایک اشتہار عرس کے موقع پر شائع ہوا تھا۔ جس میں مولوی صاحب مذکور سے کچھ سوالات کئے گئے تھے۔ یہ اشتہار عین اسوقت تقسیم ہوئے جب مولوی محمد قاسم صاحب تقریر کرنے بیٹھے اشتہار خود ان کے ہاتھ میں دیا گیا مگر مولوی صاحب نہایت صفائی کے ساتھ اس کو پی گئے۔ ایک بھی سوال کا جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی اور نہایت اطمینان کے ساتھ اپنا نذرانہ اور برکات لے کر چلے گئے۔ اشتہار مذکورہ بالا برائے تبصرہ ارسال خدمت ہے۔

منہ کھلے خم کا نہ واعظ قلقل مینا کے بعد
میکدے میں طول اتنا تو نہ دے تقریر کو

الجواب نمبر ۴۔

آپکے مرسلہ پمفلٹ کو نقل کر کے اس پر تبصرہ کرنا سوائے طول لاحاصل کے اور کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔ قد تبین الرشد من الغی۔ اچھا کیا ہے اور برا کیا۔ یہ واضح ہوچکا لیکن نفس امارہ کے پائے سرکش میں بیڑیاں ڈالنا دلائل کے بس سے باہر ہے۔

فی الحقیقت آپ کے خط میں کوئی بات جواب طلب ہی نہیں لیکن اسے صرف عبرت کے لئے نقل کردیا ہے۔ ہاں یہ سن لیجئے کہ قبوری شریعت کے ناپاک ہنگاموں کی حرمت کا دیوبندی مسلک کی طرف اور ان کے جواز و استحسان کا بریلی کی طرف منسوب ہوجانا محض ایک اصطلاحی بات ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ طویل

الذیل مسئلہ کسی گروہی مسلک سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ تو دین کے اساسی امور میں شامل ہے۔ قبروں پر میلے لگانا حرام ہے۔ مردہ بزرگوں سے مدد چاہنا شرک ہے۔ گانا بجانا زندقہ ہے۔ غیر اللہ کی نذر و نیاز بدعت و معصیت ہے۔ یہ سب دیوبندیوں کا مسلک نہیں بلکہ قرآن کا فیصلہ اور حدیث کا فرمان ہے۔ یہ سب اللہ اور رسول کا واضح فرمودہ ہے۔ دیوبندیوں نے اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ اس لئے یہ ان کا مسلک قرار دیا گیا اور بریلیوں نے اسے نفسانی و شیطانی رجحانات کی رو میں بہا دیا اس لئے ان کا مسلک جواز و استحسان ٹھہرایا گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلک و سلک کا ان مسائل میں کوئی سوال ہی نہیں یہ تو صریح حق و باطل کا مقابلہ ہے۔ ایک طرف توحید ہے دوسری طرف شرک و بدعت، ایک طرف عبدیت ہے اور دوسری طرف زندقہ، ایک طرف قرآن و سنت ہیں اور دوسری طرف ذہنی مبالغے، خیالی پروازیں، ضعف اعتقاد اور غلو در غلو، ایک طرف **من ذالذی یشفع عنده الاباذنه**، کا یقین محکم ہے اور دوسری طرف عیسیٰ ابن مریم ابن اللہ " والا فاسد ذہن۔ مولوی محمد قاسم اور مولوی ابو الوفا صاحبان اگر خود کو دیوبندی المسلک کہتے ہیں اور پھر بھی قبوری شریعت کے ہنگاموں میں شریک ہو کر کچھ پیسے کما لیتے ہیں تو یہ کوئی عجب بات نہیں۔ جمیعتہ العلماء کے اعیان و اکابر تصویر کشی کو حرام بتلاتے ہیں لیکن ان کا آرگن روز نامہ الجمعیتہ دھڑلے سے تصویریں شائع کرتا ہے نہ کرے تو اس کا کہنا ہے کہ اخبار نہ چلے اسی طرح کتنے ہی مسلمان رشوت لیتے ہیں، شراب پیتے ہیں جو اکھیلتے ہیں، زنا کرتے ہیں اگر مذکورہ بالا دونوں مولوی صاحبان ہی اس گرانی کے دور میں مالی منفعت کی خاطر تھوڑا سا تقیہ کر گزرتے ہیں تو اس میں تعجب اور تشویش کی کیا بات ہے۔ جہاں تک اس طرح کے سوالات کا تعلق ہے کہ آخرت میں ایسے نفاق اور تقیہ کا کیا انجام ہو گا، دنیا میں لوگ کیا کہیں گے اور برادران ملت پر ان حرکتوں کا کیا اثر پڑے گا تو خوب سمجھ لیجئے کہ ان سوالات کی گرفت عرصہ ہوا علماء کے دل و دماغ سے ڈھیل ہو چکی (الا ماشاء اللہ) اگر یہ گرفت ڈھیل نہ ہوتی تو امت مسلمہ آج اس انجام کو پہنچی ہوئی نہ ہوتی اگر کوئی آلہ ایسا ہوتا جو بتا سکتا کہ فلاں شخص کے قلب میں خدا اور حساب آخرت کا خوف

کس مقدار میں ہے تو یقین کیجئے عجیب عجیب انکشافات سامنے آتے کتنے ہی ایسے لوگوں کے بارے میں جنہیں ہم دنیادار ناقابل التفات سمجھتے ہیں۔ یہ آلہ بتاتا کہ ان کے دلوں میں خوف آخرت کی وافی مقدار موجود ہے اور کتنے ہی ایسے بزرگوں کے بارے میں جن کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ ان کے نچوڑے ہوئے دامن سے فرشتے وضو کرتے ہیں۔ یہ آلہ انکشاف کرتا کہ وہاں خوف آخرت کے نام کی کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں ہے بلکہ ان کی جگہ غرور زاہد ہے۔ کبر عبدیت ہے یا پھر گہرا اتفاق ہے حاصل جواب یہ ہے کہ کھانے کمانے کے لئے ان لوگوں کو جو جی بھر کے دنیا کمانا چاہتے ہیں۔ عامر عثمانی دلیل کو دلیل سے توڑ سکتا ہے۔ لیکن کسی دیوبندی مولوی کو عرسوں میں جانے اور نذر و نیاز وصول کرنے سے نہیں روک سکتا یہ تو اس درہ فاروقی کا کام ہے جو نہ جانے اب کب آئے گا"۔

کل میاں حجام سب کا مونڈتے پھرتے تھے سر

آج اس کوچہ میں ان کی بھی حجامت ہو گئی

نوٹ۔ چاہئے تو یہ تھا کہ مندرجہ بالا مضمون کا اقتباس حاضر کر دیتا لیکن بالقصد و بالارادہ میں نے پورے مضمون کو من و عن شائع کر دیا تاکہ بیک وقت تصویر کے دونوں رخ سامنے آجائیں۔ مضمون بالا سے اگر ایک طرف مولوی ابوالوفا[1] اور مولوی محمد قاسم[2] کی دو رخی پالیسی بے نقاب ہوتی ہے تو اسی کے ساتھ اعراس کو مٹانے اور حرمت اولیاء کو ختم کرنے کی منصوبہ بندی بھی سامنے آجاتی ہے۔

کاش: اب بھی ہماری جماعت کے بعض وہ افراد جو رد وہابیہ سے گریز کرتے ہیں یا تردیدی تقریر و تحریر سے چیں بہ جبیں ہوتے ہیں وہ ٹھنڈے دل سے غور کرتے کہ وہ اپنی روش میں کس حد تک حق بجانب ہیں۔ ہمارے مخالف کیمپ سے ہر وقت ایٹمی دھماکے کی آواز آرہی ہے اور آپ ہمیں ترکش تک سنبھالنے کی اجازت نہیں دیتے۔

واضح رہے کہ جس طرح ایک ملک میں سپاہیوں اور فوجی دستوں کا جال بچھا رہتا ہے جس کا کام یہ ہے کہ ملک کے داخلی اور خارجی حملوں کی روک تھام کرے۔

تاکہ ملک کے نظام عمل میں کوئی رخنہ واقع نہ ہو سکے۔ ایسے ہی ایک جماعت کو بھی ایسے افراد

---

[1] ص گنگارام [2] ص جمناداس

کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو جماعت کے داخلی یا خارجی فتنوں کی مدافعت کے لئے ہمہ وقت سینہ سپر رہیں ورنہ ایسی جماعت ہواؤں کے دوش پر ہوتی ہے نہ تو وہ داخلی فتنوں کا سد باب کر سکتی ہے اور نہ ہی خارجی حملے کی تاب لاسکتی ہے۔ اگر ملک کا تاجر طبقہ فوجیوں کے دوش بدوش نہیں کھڑا ہوتا تو کم از کم ان کی عمدہ کارگزاریوں کی تحسین ضرور کرتا ہے ورنہ وہ ملک کا باغی قرار پاتا ہے

ایسے ہی جماعت کا وہ طبقہ جو مخالف گروہ سے ٹکر نہیں لیتا تو کم از کم اسے زبان و قلم کی جنگ کرنے والوں کے خلاف زہر بھی نہیں اگلنا چاہئے ورنہ میرے خیال میں ایسے لوگ ان کھلے ہوئے دشمنوں سے کہیں زیادہ خطرناک اور زہر ہلاہل ہیں۔ نہ جانے یہ مار آستین کب اور کہاں ڈس لے گا۔ ایسے لوگوں کے لئے اس کے سوا اور کیا کہا جائے۔

رنگت ہے، نزاکت ہے، لطافت ہے مگر حیف!
اک بوئے وفا یہ گل رعنا نہیں رکھتے:

بظاہر یہ چند سطریں موضوع کتاب سے باہر معلوم ہوتی ہیں لیکن خون کے آنسو کا مقصد جہاں یہ ہے کہ دیوبندی عقائد کو پیش کر کے دشمن کو اصل وضع قطع میں سامنے کھڑا کر دیا جائے تو ان دوست نما دشمنوں کے چہرے سے اگر نقاب اٹھا دی گئی تو کیا مضائقہ!

سنا کرتے ہیں پہروں دل لگا کر میرے شیون کو
سخن سنجی سکھاتا ہوں نو اسنجان گلشن کو

بات یہ چل رہی تھی کہ بسا اوقات علماء دیوبند ہماری مخالفت کے غلو میں اپنے اکابر سے بھی منہ موڑ لیتے ہیں جس کی زندہ مثال حسب ذیل حوالے میں ملاحظہ فرمایئے۔

ملفوظات اشرف العلوم بابت ماہ رمضان ۱۳۵۵ھ ص ۸۸

"فرمایا حاجی محمد علی انبیٹھوی کلیر شریف سے واپس آئے تو کہا کہ حضرت حاجی نے مجھ کو سماع کی اجازت دی ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی دیوبند تشریف لائے ہوئے تھے اور بہت بڑا مجمع تھا، مولانا سے اس کا ذکر کیا گیا، فرمایا محمد علی غلط کہتا ہے اور اگر یہ صحیح کہتا ہے تو حاجی صاحب (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) غلط کہتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحب مفتی نہیں ہیں۔ یہ مسائل حضرت حاجی صاحب کو ہم سے پوچھنے چاہئیں"۔

شعر۔ کچھ طرز ستم بھی ہیں کچھ انداز وفا بھی
کھلتا نہیں حال ان کی طبیعت کا ذرا بھی

نوٹ۔ یہ ہیں علمائے دیوبند کے قطب عالم، مربی خلائق مولانا رشید احمد گنگوہی جنہوں نے کوا خور شریعت کی بنیاد ڈالی ہے کہ پیر کو مرید سے مسئلہ دریافت کرنا چاہیے۔

میرے استاذ محترم مرشد برحق مجاہد ملت مولانا الحاج محمد حبیب الرحمن صاحب قبلہ بسا اوقات فرماتے ہیں کہ جو شاگرد استاذ سے چون وچرا نہ کرے اور جو مرید اپنے پیر سے چون وچرا کرے دونوں ناقص ہیں۔

استاذی وشاگردی میں قیل وقال کی گنجائش ہے لیکن پیری مریدی میں تو پیر کے اشارے پر چلنا پڑتا ہے۔ بلبل شیراز حضرت حافظ علیہ الرحمہ نے کتنے پتے کی بات کہی ہے۔

شعر به مے سجاده رنگین کن گرت پیر مغاں خواہی
که سالک بیخبر نہ بود زرسم و راہ منزلہا

اب جبکہ دیوبندیوں کے روحانی لکڑ دادا حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا تذکرہ آہی گیا ہے تو ان کی مشہور ومعروف تالیف "فیصلہ ہفت مسئلہ" سے چند ایسے حوالے حاضر کردیئے جائیں جس سے یہ صحیح اندازہ ہوجائے کہ پیر کچھ کہتا ہے اور مرید کچھ۔

شعر مجھ سے بھی ہے اقرار عدو سے بھی ہے وعدہ
کیا جانے کہاں جائیں گے نیت کدھر کی ہے

فیصلہ ہفت مسئلہ مولفہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی صفحہ ۱۰

"ملائکہ کا درود شریف حضور اقدس میں پہنچانا احادیث سے ثابت ہے۔ اس اعتقاد سے کوئی شخص الصلوۃ والسلام علیک یا رسوال اللہ کہے کچھ مضائقہ نہیں"۔

نوٹ۔ پیر کی نگاہ میں الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ درست ہے۔ مگر مریدوں کی شریعت میں شرک وبدعت۔

فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۸

"لفظ عرس اس حدیث سے ہے "نم کنومۃ العروس" یعنی بندہ صالح سے کہا جاتا ہے کہ عروس کی طرح آرام کر کیونکہ موت مقبولان الہی کے حق میں وصال محبوب حقیقی ہے اس سے بڑھ کر کون عروس ہوگا۔ چونکہ ایصال ثواب بروح اموات

مستحسن ہے خصوصاً جن بزرگوں سے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں ان کا زیادہ حق ہے اور برا اپنے پیر بھائی سے ملنا موجب ازدیاد محبت و تزائد برکات ہے۔ نیز طالبوں کا یہ فائدہ ہے کہ پیر کی تلاش میں مشقت نہیں ہوتی، بہت سے مشائخ رونق افروز ہوتے ہیں اس میں جس سے عقیدت ہو، اس کی غلامی اختیار کرے۔ اس لئے مقصود ایجاد رسم عرس سے یہ تھا کہ سب سلسلہ کے لوگ ایک تاریخ میں جمع ہوجائیں باہم ملاقات بھی ہوجائے اور صاحب قبر کی روح کو قرآن و طعام کا ثواب بھی پہنچایا جائے، یہ مصلحت ہے تعین یوم میں"

اسی صفحہ پر آگے چل کر فرماتے ہیں

"پس حق یہ ہے کہ زیارت مقابر انفراداً و اجتماعاً دونوں طرح جائز اور ایصال ثواب قرات و طعام بھی جائز اور تعین تاریخ بہ مصلحت بھی جائز سب ملکر بھی جائز رہا۔"

نوٹ۔ پیر و مرشد کی نظر میں عرس، تعین یوم، قرآن و طعام کا ایصال ثواب، یہ ساری باتیں جائز و درست ہیں مگر مریدین کی کوا خور شریعت میں یہ ساری باتیں ناجائز، حرام، شرک و بدعت ہیں، جہاں جہاں مالی منفعت یا سیاسی تقاضے وہاں سب جائز ہے۔

شعر
سیاست میں کبھی داخل ریاست میں کبھی شامل
ہمارا مولوی بھی فی المثل تھالی کا بیگن ہے

فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۶

"نفس ایصال ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں۔"

فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۷

"پس یہ ہیئت مروجہ ایصال ثواب کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں اور گیارہویں غوث پاک قدس سرہ کی، دسواں، بیسواں، چہلم، ششماہی، سالیانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ اور سہ منی حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ و حلوائے شب برات اور دیگر طریق ایصال ثواب کے قاعدے پر مبنی ہیں اور مشرب فقیر کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ فقیر پابند اس ہیئت کا نہیں ہے مگر کرنے والوں پر انکار نہیں کرتا۔"

نوٹ۔ پیر و مرشد کی خانقاہ میں سوئم، دسواں، بیسواں، چہلم، سالیانہ، شب برات، غوث پاک کی

گیارہویں اور حضرت مخدوم شیخ عبد الحق ردولوی کا توشہ، حضرت بوعلی شاہ قلندر کی سہ منی وغیرہ سبھی درست ہیں۔

لیکن مطاع عالم، قطب عالم، مربی خلائق جناب گنگوہی اور ان کے متبعین کی کوا کھور شریعت میں یہ ساری باتیں شرک و بدعت، ناجائز و حرام ہیں۔

البتہ اگر چرا چھپا کر فاتحہ کی یہ تمام چیزیں کھانے کو مل جائیں تو طیب و طاہر ہیں۔

شعر
ریاض توبہ نہ ٹوٹے نہ میکدہ چھوٹے
زباں کا پاس رہے وضع کا نباہ رہے

فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۴

"پہلا مسئلہ مولود شریف کا اس میں تو کسی کو کلام ہی نہیں کہ نفس ذکر ولادت شریف حضرت فخر آدم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم موجب خیرات و برکات دنیوی واخروی ہے۔"

فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۵

اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔"

نوٹ ۔ یہ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ بولتا معجزہ نہیں تو اور کیا؟ پیر و مرشد نہ صرف میلاد و قیام کے قائل بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال محفل میلاد شریف منعقد کرتے ہیں اور کھڑے ہو کر سلام پڑھتے ہیں لطف و لذت محسوس کرتے ہیں جیسا کہ عام اہل اللہ کا دستور رہا اور ہے، ویسے ہی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی بھی اس پر عامل و پابند رہے۔ مگر یہ سارے مراسم دیوبند کی چہار دیواری تک پہنچتے پہنچتے اسراف، فضول خرچ، نمائش، رسم بن کر شرک و بدعت کی نذر ہو گئے۔ حالانکہ یہ وہی دیوبند ہے جو اپنے ایک مہمان کے ناشتہ میں دس ہزار کی رقم خرچ کرتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے تجلی دیوبند۔

ع "پنبہ کجا کجا نہم تن ہمہ داغ داغ شد" کا مضمون ہے

آج تقدس و اتباع شریعت کے نام پر قوم کو لوٹا جا رہا ہے۔ کھوپڑی گھٹی ہوئی، مونچھیں صاف، پیشانی پر کالا داغ، ہاتھ میں تسبیح، پائجامہ کے بجائے لانبا نیکر اور اگر رضا کاروں کی صف میں شامل ہو گئے تو سر پر چنے کی گٹھری اور بغل میں ستو، زبان پر کلمہ مگر نرخرے سے نیچے نہیں اترتا

صورت سے شیخ نجدی کے سوتیلے بھائی معلوم ہوں اور سیرت میں اس کے بھی چچا۔ ان لوگوں کا حال بالکل ان دو مسخروں کی طرح ہے کہ ایک مسخرے نے اپنے ساتھی سے کہا "اجی تم ہمیں اور ہمارے خاندان والوں کو نہیں پہچانتے ،ہمارے باپ دادا نے وہ وہ کر دکھایا کہ جس کو تم بھی سن کر حیران ہوجاؤ گے۔

اس کے ساتھی نے کہا "ارے بھئی کچھ سناؤ تو سہی"۔

مسخرہ بولا "ہم اپنے خاندان والوں سے سنتے چلے آئے ہیں کہ ہمارے لکڑ دادا نے ایک مکان بنوایا تھا۔ جس کا صحن اتنا بڑا تھا کہ ایک تیز رفتار گھوڑا صحن کے مشرقی حصے سے صحن کے مغربی حصے کی طرف چلتا اور ساری عمر چلتے چلتے مرجاتا مگر صحن کے اس سرے سے اس سرے تک پہنچ نہ پاتا"۔

یہ سنتے ہی اس کے ساتھی نے کہا "تم جھوٹ اور بالکل جھوٹ کہتے ہو۔ پھر بھی یہ کوئی زیادہ تعجب کی بات نہیں ،البتہ ہم نے اپنے خاندان کی ایک روایت سنی ہے کہ ہمارے لکڑ دادا نے "بانس" کے سارے جنگلات کو کٹوا کر ایک بانس کو دوسرے میں ،دوسرے کو تیسرے میں تیسرے کو چوتھے میں غرضیکہ ایسے ہی سارے بانس کو جڑواتے چلے گئے بالآخر وہ اتنا لمبا ہوگیا کہ جب کبھی قحط پڑتا ، بارش نہ ہوتی تو ہمارے لکڑ دادا کسی بدلی کو اسی بانس سے کھود دیتے اور جھما جھم بارش ہوجاتی تو اس کے ساتھی نے کہا تم تو بالکل ہی جھوٹ کہتے ہو، کہیں اتنا بڑا بانس تیار کیا جاسکتا ہے۔ آخر ش اس کو رکھتے کہاں تھے۔ تو جھٹ اس کے ساتھی نے کہا اسی مکان کے صحن میں جس کو تمہارے لکڑ دادا نے بنوایا تھا۔ تو فوراً اس نے کہا۔ تب تو بالکل صحیح ہے۔

شعر

کرے گا ہمسری کیا عشق میں کوئی بھلا میری
کہ چلیں رات دن بھرتا تھا مجنوں کا چچا میری

دیکھا آپ نے یہ الجھا ہوا مسئلہ کس قدر آسانی سے حل ہوگیا۔ جب ایک نے اتنے بڑے صحن کو مان لیا تو دوسرے نے بارش برسانے والا بانس بھی تسلیم کرلیا۔ بحث واقعہ کی نہیں تھی بلکہ شخص وافراد کی تھی۔ بالکل یہی حال علماء دیوبند کا ہے۔ اگر کسی کرامت کی نسبت غوث پاک غریب نواز کی طرف کیجئے تو جھٹ سے انکار کے لئے ڈھائی تولہ کا سر گردش میں آجائے گا اور ڈھائی گز کی زبان باہر نکل آئے گی لیکن اگر اسی کرامت کی نسبت مولانا تھانوی کے والد اور مولانا ٹانڈوی کے دادا کی طرف کردیجئے تو اپنی جگہ چھوڑ کر آپ سے قریب آجائیں گے اور آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کر بڑے معصوم و بھولے بن کر ارشاد فرمائیں گے۔ ارے صاحب ان بزرگوں کا کیا کہنا وہ اللہ والے تھے، ان کا مرتبہ تو اس سے بھی زیادہ بلند تھا جتنا کہ ہم اور آپ سمجھ رہے ہیں۔ مولانا گنگوہی قطب عالم و مربی خلائق تھے، مولانا نانوتوی انسانی روپ میں فرشتہ تھے، فرشتہ اور کیا کہنا ہمارے حکیم الامت کا وہ تو اپنے دور کے پیغمبر و رسول تھے اور کچھ نہ پوچھئے مولانا ٹانڈوی کے متعلق اللہ تعالی اپنی کبریائی پر پردہ ڈال کر اتر آیا تھا۔ حالانکہ حال یہ ہے۔

شعر

رات شیطاں کو خواب میں دیکھا

ساری صورت جناب کی سی تھی

دوستو! یہ دنیا کا اصول ہے کہ انسان اپنے بزرگوں کی بڑائی بیان کرنے میں لطف و لذت محسوس کرتا ہے۔ یہ ایک فطری تقاضا ہے جس پر نہ کوئی پہرہ بٹھایا جاسکتا ہے اور نہ ہی کوئی بند باندھا جاسکتا ہے۔ سوچو تو سہی یہ اللہ کا کیسا فضل عظیم ہے کہ علمائے دیوبند اپنے خانہ ساز پیروں کی تعریف میں زبان و قلم گھس رہے ہیں اور علماء اہلسنت اس کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں جو خلاصہ کائنات اور محبوب خدا ہیں۔ اب اسی ضمن میں اپنے بزرگوں کی بارگاہ میں علماء دیوبند کی عقیدت کیشی کے چند ایسے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیے جس سے آپ کو ان کی ذہنیت اور بد عقیدگی کا صحیح اندازہ ہوسکے۔

اشرف السوانح حصہ اول۔ مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ ص ۲۶

"ایک خواب کا تذکرہ کرتے ہوئے۔ حضرت والا نے خواب دیکھا کہ حضرت والا کو ایک بزرگ نے اور ایک دنیاوی حاکم نے دو متفرق تحریریں لکھ کر دیں اور دونوں میں یہ لکھا تھا کہ ہم نے تم کو عزت دی۔ ایک پر تو چاروں طرف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی مہر لگی ہوئی تھی اور وہ صاف پڑھی جاتی تھی اور دوسری مہر کے حروف پڑھے نہ جاتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ تعبیر دیکھی کہ تمہیں انشاء اللہ تعالی دین اور دنیا دونوں کی عزت ملے گی۔"

نوٹ ۔۔ میں خون کے آنسو جلد اول میں اس کی طرف اشارہ کرچکا ہوں کہ یہ بھی ایک عجیب حادثہ ہے کہ علماء دیوبند اپنے اکابر کے جس قدر بھی بزرگی و کرامات کا تذکرہ کرتے ہیں وہ سب براہ خواب ہی نمودار ہوتی ہیں۔

اشرف السوانح کی دو ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیے جس سے ان کی غلو، محبت کا اندازہ ہوسکے گا۔

اشرف السوانح حصہ اول صف ۱۲۴ و ۱۲۵

"حضرت حافظ احمد حسین شاہجہانپوری جو باوجود شاہجہانپور کے بڑے رئیس ہونے کے صاحب سلسلہ بزرگ تھے حضرت والا سے بہت محبت فرماتے تھے۔ ایک بار کسی کے لئے بد دعا کی تو وہ شخص دفعتہً مرگیا۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنی کرامات سے خوش ہوتے ڈرے اور بذریعہ تحریر حضرت والا سے مسئلہ پوچھا کہ مجھے قتل کا گناہ تو نہیں ہوا۔ حضرت والا نے مفصل جواب دیدیا۔ جس سے ان کی پوری تشفی ہو گئی۔ خلاصہ جواب کا یہ تھا کہ اگر آپ میں قوت تصرف ہے اور بد دعا کرنے کے وقت اپنے اس قوت سے کام لیا تھا کہ یہ شخص مرجائے تب تو قتل کا گناہ ہوا اور چونکہ نذر شبہ عامد ہے اس لئے دیت اور کفارہ واجب ہو گا۔"

ع ۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

نوٹ ۔ پہلے خواب کا مقصد یہ تھا کہ اپنے شیخ کے لئے دین و دنیا کی عزت ثابت کی جائے اور دوسری روایت سے یہ ثابت کرنا ہے کہ جب حکیم الامت کے خدام ایسے صاحب تصرف تھے کہ اگر کسی کو بد دعا دیں تو وہ دفعتہً مرجائے۔ پھر حکیم الامت کی قوت تصرف کا کیا عالم ہو گا۔ اب اشرف السوانح کی تیسری روایت ملاحظہ فرماکر علمائے دیوبند کی چوکھی پالیسی کا جائزہ لیجیے۔

شعر
حدود کوچہ محبوب ہیں وہیں سے شروع
جہاں سے پڑنے لگے پاؤں ڈگمگائے ہوئے

اشرف السوانح حصہ اول ص ۱۲

"تھانوی صاحب کے پرداد کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے!

"پردادا صاحب تو کیرانہ اور شاملی کے درمیان جہاں پختہ سڑک ہے شہید ہوئے اور وہیں پر سماء الدین صاحب کے مزار کے پاس دفن کئے گئے اور شروع میں بہت عرصے تک ان کا عرس بھی ہوتا رہا۔

چند سطر بعد۔ شہادت کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔ شب کے وقت اپنے گھر مثل زندہ کے تشریف لائے اور اپنے گھر والوں کو مٹھائی لاکر دی اور فرمایا کہ اگر تم کسی سے ظاہر کردگی تو اسی طرح روزانہ آیا کریں گے۔ لیکن ان کے گھر والوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ ر

والے جب بچوں کو مٹھائی کھاتے دیکھیں گے تو معلوم نہیں کیا شبہ کریں اس لئے ظاہر کر دیا اور پھر آپ تشریف نہیں لائے۔ یہ واقعہ خاندان میں مشہور ہے"۔

شعر
جادو ہے یا طلسم تمہاری زبان میں
تم جھوٹ کہہ رہے ہو مجھے اعتبار ہے

نوٹ اس کو تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ مٹھائی کون لاتا تھا اور کس ساز باز کے تحت لاتا تھا جس کو کرامت و بزرگی کا رنگ دیا جا رہا ہے۔ یہ بھی بدنامی سے بچانے کا ایک نیا راستہ ہے! لیکن اب ان مٹھائی کھانے والوں سے کوئی دریافت کرے کہ تمہارے گھر کا کوئی فرد شہید ہو جائے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے، چلتا پھرتا ہے بلکہ وہ بچوں کے لئے مٹھائی بھی لاتا ہے مگر کیا نقص رہ گیا تھا سید سالار مسعود غازی رحمتہ اللہ علیہ کی شہادت میں کہ آج ان کی قبر کو مٹی کا ڈھیر کہا جاتا ہے اور آستانہ بہرائچ پر جانے والوں کو مشرک و بدعتی؟

شعر
مرے دل کو توڑو پر اتنا سمجھ لو
کہ برباد ہو گا یہ کاشانہ کس کا

اگر سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمتہ والرضوان کی حیات و زندگی سے آپ کو انکار ہو گا تو پھر تھانہ بھون کے شہیدوں کا آپ کس طرح گن گا سکیں گے؟

یا للعجب واحسرتاہ!

شعر
ایک ہنگامہ محشر ہو تو اس کو بھولوں
سیکڑوں باتوں کا رہ رہ کے خیال آتا ہے

داد دیجئے انگریز بہادر کو کہ وہ نہ جانے علمائے دیوبند کو افیون کی کون سی گولی کھلایا گیا کہ آج تک اس کا نشہ اتر ہی نہ سکا۔ دو چار کتابیں، دس پانچ عبارتیں ہوتیں تو امتداد زمانہ انہیں خود ہی مٹا دیتا اور اختلافات کی نہریں دھیرے دھیرے خود ہی پٹ جاتیں۔ مگر یہاں تو قوم مسلم کی تباہی و دل آزاری کے لئے قدم قدم پر خیمے نصب ہیں۔ ایک حفظ الایمان و تقویۃ الایمان ہی کا رونا نہیں ہے بلکہ اس گروہ نے جب بھی قلم اٹھایا تو قوم مسلم ہی کو تختۂ مشق بنایا۔ کبھی رسول کریم کو گالیاں دے کر ہمیں رلایا تو کبھی حرمت اولیاء و عظمت اسلاف کو گھٹایا کر ہمیں ستایا اور جب اس سے بھی تسکین نہ ہوئی تو قوم و پیشہ کی بحث چھیڑ کر پوری ملت اسلامیہ کی دل آزاری کی۔ چنانچہ ہند و پاک میں لاکھوں نہیں کروڑوں کی تعداد میں انصاری برادری کے ایسے دیندار مخیر، اہل علم، اہل

ثروت ملیں گے جن کی بدولت ہزار با مدراس عربیہ و فارسیہ پھل پھول رہے ہیں اور مذہبی امور میں یہ برادری کتنے ذوق و شوق سے پیش پیش ہو کر حصہ لے رہی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ آج اسی برادری میں اتنی کثرت سے حافظ قاری مولوی، عالم، فاضل ملیں گے کہ دوسری برادری میں ملنا مشکل ہے۔

لیکن ایسی دیندار و اہل خیر برادری کے لئے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا نظریہ ملاحظہ کیجئے جس کو نقل کرتے ہوئے میرا قلم کانپ رہا ہے۔

" الرفیق فی سواء الطریق (ملقب بہ) کیل یوسفی "

مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی در مطبع امداد المطابع تھانہ بھون، ذی الحجہ ١٣٦٦ صفحہ ٢٥۔

" الحائک اذا صلی یومین انتظر الوحی "

ترجمہ۔ " جولاہا دو دن نماز پڑھ کر (اپنی کم عقلی کی وجہ سے) وحی کا انتظار کرتا ہے "

اب میں اس مقام پر ناظرین کا انصاف چاہتا ہوں کہ وہ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ یہ اسلام کا کون سا ایسا اہم مسئلہ تھا جس کے بیان کئے بغیر مولانا تھانوی کا تبلیغی مشن ناتمام رہ جاتا؟ اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ آپس میں مسلمانوں کو لڑا کر انگریز بہادر کی خوشنودی اور وفاداری کا حق ادا کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ اب سے بہت دنوں پہلے دیوبند کی چہار دیواری سے اسی قسم کا ایک ناروا حملہ کیا گیا تھا جس پر ہندوستان کی پوری انصاری برادری تڑپ تڑپ اٹھی اور جمعیۃ الانصار قصبہ مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ کے اراکین نے بطور احتجاج ایک کتابچہ شائع کیا تھا جس کے ٹائیٹل پیج کی سرخی یہ ہے

" ڈوب مرنے کی جگہ ہے دوستو

مفتی صاحب دیوبند اور غریب پیشہ ور اقوام

مفتی صاحب دیوبند اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے علمی تہذیب کا نمونہ۔ اور کروڑوں پیشہ ور مسلمان بھائیوں کی توہین و تذلیل۔ "

اب اسی کتابچہ کی چند عبارتیں ملاحظہ فرمائیے جس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ افتراق بین المسلمین میں علماء دیوبند کا کتنا زبردست ہاتھ ہے۔

صفحہ کی عبارت سنئے

" جب قیامت کا دن ہو گا ایک منادی آواز دے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنھوں

نے زمین پر رہتے ہوئے اللہ کے ساتھ خیانت کی ہے۔ اس پر ٹھٹھیرے اور صراف حاضر کئے جائیں گے۔"

صفحہ ۷ کی دوسری عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

"میری امت کے بد ترین لوگ دستکاری کرنے والے اور سنار ہیں"۔

تیسری عبارت ملاحظہ فرمائیے

"جلاہوں سے مشورہ نہ لو اس لئے کہ اللہ تعالی نے ان کی عقلیں سلب کرلی ہیں اور ان کی کمائی سے برکت دور کردی۔ اس لئے کہ حضرت مریم علیہا السلام جلاہوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزریں تو ان سے راستہ پوچھا۔ انہوں نے غلط راستہ بتادیا تو مریم علیہا السلام نے بددعا کی کہ خدائے تعالی تمہاری کمائی سے برکت سلب کرلے۔"

نوٹ۔ اب مفتی صاحب دیوبند اور پیشہ ور اقوام کے صفحہ ۸ و ۹ کی عبارت ملاحظہ کرکے اندازہ کیجئے کہ علمائے دیوبند کے جارحانہ حملے سے بھارت کے مسلمانوں میں کیسا شدید ہیجان تھا۔ صفحہ ۸ و صفحہ ۹

"محترمان قوم! حکام بالادست دیوبند کی منطق کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔ یہی تو ان کا زبردست ہتھکنڈہ ہے جس سے تمام دنیا چکر میں ہے۔ کہاں تو مفتی دیوبند پیشہ وروں کی تذلیل و توہین کرنے کے متعلق یہ کوشش اور وہ گرما گرمی و شوری شوری کہ ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ خود سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ پیشہ وروں کے متعلق فرمایا ہے وہی پیش کررہے ہیں اور صرف ایک ہی جھٹکے میں مفتی صاحب اور شرفاء اراکین و مدرسین دارالعلوم دیوبند کی یہ بے نمکی اور پھیکاپن کہ ہر کلمہ گو مسلمان کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ ہم شرفاء اراکین دارالعلوم دیوبند سے کہے دیتے ہیں کہ اب وہ زمانہ گیا کہ آپ مدرسہ کی چہار دیواری کے اندر بیٹھ کر جو کچھ رطب و یابس فرمایا دیا کرتے تھے دنیا اس پر ایمان لانے کے لئے تیار تھی اور رات دن ان لوگوں کے گورکھ دھندوں اور منطقی ایچ پیچ میں پڑی رہتی تھی۔"

شعر

ہوا حاصل یہ ہم کو دوستوں کی بیوفائی سے
کہ ہم نے عمر بھر کو توبہ کرلی آشنائی سے

نوٹ۔ مندرجہ بالا عبارت کے حسب ذیل جملے قابل توجہ ہیں۔

(۱) یہی تو ان (علماء دیوبند) کا زبردست ہتھکنڈہ ہے۔

(۲) مدرسہ کی چہار دیواری کے اندر بیٹھ کر جو کچھ رطب دیا بس فرمادیا کرتے تھے۔

(۳) ان لوگوں کے گورکھ پور دھندوں اور منطقی اینچ پیچ۔

اس ضمن میں ارواح ثلثہ کی ایک عبارت ملاحظہ کیجئے۔

ارواح ثلثہ صف ۲۷۴

حکایت (۲۹۱)۔ "مولوی فاروق صاحب نے فرمایا کہ مولانا احمد حسن صاحب نے ارشاد فرمایا کہ جب میں اول اول مولانا قاسم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو مولانا محمد قاسم صاحب کی خدمت میں ایک جولاہا آیا اور دعوت کے لئے عرض کیا۔ مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ علیہ نے منظور فرمالیا۔ یہ امر مجھ کو بہت ناگوار ہوا اتنا کہ جیسے کسی نے گولی ماردی کہ بھلا جولاہے کی دعوت بھی منظور کرلی الخ۔"

شعر

تواضع کا طریقہ صاحبو سیکھو صراحی سے
کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

نوٹ۔ یہ ہیں علماء دیوبند اور ان کے حاشیہ نشین کہ ان کے قبول کرلینے پر انہیں اتنی ناگواری گزری کہ گویا کسی نے انہیں گولی ماردی۔

یہ اور بات ہے کہ جمیعۃ الانصار مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ کے احتجاج پر ان کی پالیسی نرم ہوگئی تھی لیکن علمائے دیوبند نے اب سے پہلے جو کچھ لکھدیا تھا آج تک اس کی اشاعت ہو رہی ہے مجھ پر تو محض نقل روایت کی ذمہ داری ہے اور وہ بھی بادل ناخواستہ!

خدائے قدیر کی بارگاہ میں یہی دعا ہے کہ وہ ان کی اصلاح فرمائے تاکہ یہ گروہ مقام نبوت کی عظمت و برتری، حرمت اولیاء اور وقار مسلم کا پاس و لحاظ رکھ سکے۔

کس قدر دکھ اور صدمے کا مقام ہے کہ یہ وہی حضرات ہیں جو اپنے خانہ ساز پیروں کی منقبت میں ایسی چھلانگیں مارتے ہیں جو صرف انہیں کو زیب دیتا ہے نہ تو حدود شرعی کی کوئی رعایت اور نہ ہی روایت و درایت کا کوئی لحاظ اس موقع پر مولانا ٹانڈوی کی تعریف کا ایک شعر سن لیجئے اور دیوبندی ذہن و فکر کو داد دیجئے۔

شیخ الاسلام نمبر صف ۴۹

"ہجوم خلائق ہے بہر زیارت
نہیں اس کو جنت میں بھی آج فرصت"

نوٹ۔ گویا جنت بھی آسام و سلہٹ کی کوئی نشستگاہ ہے۔ جہاں لوگ سیاسی مسائل کا حل دریافت کرنے یا دعا تعویز کے لئے جوق در جوق چلے آرہے ہیں یا وہاں بھی تقسیم و بٹوارہ کی نوبت آگئی ہے کہ حضرت شیخ سے "قومی نظریہ" پر ان کی رائے حاصل کی جائے۔

جب بات آہی گئی ہے تو حضرت شیخ سے متعلق "شیخ الاسلام نمبر" کا ایک شعر اور سن لیجیے۔

شیخ الاسلام نمبر صف ۱۰۰

"ملتا نہیں ہے رابطہ دور معرفت
گھبرا رہی ہے رحمت یزداں ترے لئے"

اس ضمن میں روز نامہ "نئی دنیا" دہلی کے عظیم مدنی نمبر سے بھی ایک شعر ملاحظہ فرمائے

عظیم مدنی نمبر صف ۱۸۶

"اپنی کہاں بساط کہ اس تک پہنچ سکیں
ہم ذرہ ہائے خاک ہیں وہ آفتاب تھا"

یہ بہت ہی سادہ اور واضح اشعار ہیں جن پر مجھے کوئی تبصرہ کرنا نہیں ہے۔ ان کو پیش کر کے دیوبندی مکتبہ فکر کی ایک جھلک دکھلانی ہے کہ یہ اپنوں کی تعریف میں کیا سے کیا ہانک جاتے ہیں اور یہ حال مریدوں و عقیدت کیشوں ہی کا نہیں ہے بلکہ خود آں بدولت جب تعلی اور ڈینگ پر اتر آتے ہیں تو مقام نبوت سے نیچے کی بات ہی نہیں کرتے۔ ارواح ثلثہ کی ایک عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

ارواح ثلثہ صف ۲۹،

حکایت نمبر ۳۱۴۔ "فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ مولانا گنگوہی کا تو قدم قدم پر انتظام اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ لاابالی ص کہیں کی چیز کہیں پڑی ہے کچھ پرواہ ہی

ص اسی لاابالی پن کے نتیجے میں تحذیر الناس جیسی کتاب لکھی گئی۔ اس کتاب پر سیر حاصل گفتگو خون کے آنسو جلد سوم میں کی جائے گی۔

نہیں، اس وقت ایک گروہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا کہ ہم بھی آپ کے ہمراہ حج کو چلیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ زادراہ بھی ہے، انہوں نے کہا کہ ایسے ہی توکل پر چلیں گے۔ مولانا نے فرمایا۔ جب ہم جہاز کا ٹکٹ لیں گے تو تم منیجر کے سامنے توکل کی پوٹلی رکھدینا بڑے آئے توکل کرنے جاؤ اپنا کام کرو۔ پھر ان لوگوں نے حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا تو آپ نے اجازت دیدی۔ ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست راستہ میں جو کچھ بھی ملتا وہ سب لوگوں کو دیدیتے اور ساتھیوں نے کہا کہ حضرت آپ تو سب ہی دیدیتے ہیں کچھ تو اپنے پاس رکھئے تو فرمایا۔

"انما انا قاسم و اللہ یعطی" الخ ——— "

نوٹ۔ یہ وہی حدیث ہے جس کو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بابت ارشاد فرمایا مگر دیوبندیوں کے مقتدا و پیشوا اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ عطا فرماتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔ سچ جانئے اسی حدیث پاک کو جب علمائے اہلسنت فضائل مصطفی علیہ التحیہ والثناء کے لئے عنوان گفتگو بناتے ہیں تو حضرات دیوبند کے چہرے پر ایک رنگ آتا ہے اور ایک جاتا ہے مگر جب اپنی باری آئی تو جھٹ سے بلاتکلف کہدیا کہ اللہ عطا فرماتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں، ان کا حال تو یہ ہے کہ اگر آقائے دو جہاں کی تعریف و توصیف میں کوئی حدیث پیش کیجائے تو اس کو فوراً حدیث ضعیف کہ کر منہ بنالیں گے گویا یہ حدیث قابل اسناد ہی نہیں ہے لیکن اپنے لئے حدیث ضعیف بھی قبول کرلیں گے کہ حدیث تو ہے اگرچہ ضعیف سہی۔ حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

شعر

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

ارواح ثلثہ صف ۲۰۲

"ایک مرتبہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ مولانا محمد قاسم کو گلاب سے زیادہ محبت تھی، جانتے بھی ہو کیوں تھی۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حدیث ضعیف میں آیا ہے کہ گلاب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عرق مبارک سے بنا ہوا ہے۔ فرمایا ہاں اگرچہ حدیث ضعیف ہے مگر ہے تو حدیث"

نوٹ۔ اگر آج ہم اسی حدیث پاک سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ثابت کرنا چاہیں تو ان کا ہر چھوٹا بڑا شور مچائے گا کہ یہ تو حدیث ضعیف ہے لیکن جب گنگوہی صاحب کے جیتے کی باری آئی جس کو بھری محفل میں چار پائی پر لے کر لیٹے تھے تو صاف صاف کہدیا کہ اگرچہ حدیث ضعیف ہے مگر ہے تو حدیث یہ دیوبندی گروہ کے کسی چھوٹے موٹے کی بات نہیں ہے بلکہ مربی خلائق قطب عالم پیر مغاں حضرت گنگوہی صاحب کا ارشاد ہمایوں ہے۔ جن کی حدیث دانی پر پوری دنیائے دیوبندیت کو اتفاق ہے۔

جب بات ان کے لاف و گزاف اور تعلی اور ڈینگ مارنے کی آگئی ہے تو اس کو مکمل ہی کر دیا جائے۔ پچھلے صفحات پر یہ بات گزر چکی ہے کہ مولانا گنگوہی نے فرمایا۔

"حاجی صاحب مفتی نہیں ہیں۔ یہ مسائل حضرت حاجی صاحب کو ہم سے پوچھنے چاہئیں۔"

اب ارواح ثلثہ کی ایک حکایت ملاحظہ کیجیے۔ جو جناب تھانوی صاحب سے متعلق ہے۔

ارواح ثلثہ صف ۳۸۷

حکایت ۴۲۳۔ "فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حضرت حاجی صاحب کے ملفوظات و حالات بیان کر رہا تھا۔ اس جلسہ میں ایک وکیل صاحب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد بیٹھے ہوئے تھے جو بہت مزے لے رہے تھے اور ایک حالت طاری تھی انہوں نے اسی حالت میں مجھے مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا

تو منور از جمال کیستی　　　تو مکمل از کمال کیستی

میں نے فی البدیہی یہ جواب دیا"

من منور از جمال حاجیم　　　من مکمل از کمال حاجیم

نوٹ۔ یہ بھی خوب رہی۔ جب حاجی صاحب کا فتوی آپ حضرات کے خلاف تھا تو بڑی صفائی سے کہدیا کہ حاجی صاحب مفتی نہیں ہیں انہیں ہم سے فتوی دریافت کرنا چاہئے اور جب اپنے اظہار کمال کی باری آئی تو جھوم جھوم کر یہ پڑھنے لگے۔

من مکمل از کمال حاجیم

جب آپ لوگوں کی نظر میں خود حاجی امداد اللہ صاحب مکمل نہیں تھے (مفتی نہیں تھے) تو یہ کمال آپ میں کہاں سے آگیا؟

اب حضرت گنگوہی کی ایک اور روایت سنئے ارواح ثلثہ صف ۲۹۰

حکایت نمبر ۳۰۰۔ "خاں صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جوش میں تھے اور تصور شیخ کا مسئلہ در پیش تھا فرمایا، کہدوں۔ عرض کیا گیا کہ فرمائیے پھر فرمایا کہدوں، عرض کیا گیا کہ فرمائیے پھر فرمایا کہدوں، عرض کیا گیا کہ فرمائیے تو فرمایا کہ تین سال کامل حضرت امداد[۱] کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔"

نوٹ۔ یہ وہی حاجی صاحب ہیں جنہیں مولانا گنگوہی سے فتوی دریافت کرنا چاہیے تھا۔ اب کوئی دریافت کرے کہ سرکار دو عالم کے خیال لانے سے تو نماز جاتی رہتی ہے جب مسلسل تین سال حاجی صاحب آپ کے قلب میں رہے تو آپ کی نماز کا کیا حشر ہوا؟ اگر ان کے لٹریچر سے اس قسم کی متضاد عبارتیں اکٹھا کی جائیں تو وہ خود ایک مستقل، کتاب ہو جائے گی، یہ صرف چند اشارے ہیں۔

اب اسی ضمن میں مولانا قاسم نانوتوی کی ایک روایت ملاحظہ کیجیے جس میں انہوں نے اپنے جھوٹ بولنے کا اقرار کیا ہے۔

شعر

اللہ رے بتوں کی تلون مزاجیاں
ہاں ہاں گھڑی میں ہے تو گھڑی میں نہیں نہیں

ارواح ثلثہ صف ۳۶۸

حکایت نمبر ۳۹۱۔ "میری اس بات کو کسی نے نواب قطب الدین خان صاحب تک بھی پہنچا دیا اور مولوی نذیر حسین صاحب تک بھی اور مولوی صاحب تو سن کر ناراض ہوئے مگر نواب صاحب پر یہ اثر ہوا کہ جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاؤں پر عمامہ ڈال دیا اور پاؤں پکڑ لیے اور رونے لگے اور فرمایا بھائی جس قدر بھی میری زیادتی ہو خدا کے واسطے مجھے بتلا دو۔ میں سخت نادم ہوا اور مجھ سے بجز اس کے کچھ بن پڑا کہ میں جھوٹ بولوں۔ لہذا میں نے جھوٹ بولا (اور صریح جھوٹ میں نے اسی روز بولا تھا) اور کہا کہ حضرت آپ میرے بزرگ ہیں میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی گستاخی کرتا"۔

۱ص حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

نوٹ۔ ناظرین نے اس حکایت سے اندازہ کرلیا ہوگا کہ دنیا کہ ایک نواب سے سابقہ پڑگیا تو بانی دارالعلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی صریح جھوٹ بول گئے اور تھے بھی کچھ ایسے ہی لاابالی کہیں سچ، کہیں جھوٹ، کہیں گول مول۔ اب گول مولی والی روایت سنئے۔

شعر
نو عمر ہیں ابھی ہے تلون مزاج میں
غصے کا اعتبار ہے ان کے نہ پیار کا

ارواح ثلثہ ص ۲۶۸

حکایت نمبر ۲۷۶ "فرمایا سیوبارہ میں ایک جماعت نے جن میں مسئلہ مولد میں نزاع ہو رہا تھا۔ مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت وہاں تشریف رکھتے تھے۔ مولود کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ بھائی نہ تو اتنا برا ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں نہ اتنا اچھا ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں۔ یہ حکایت مولوی محمد یحیی سیوہاروی سے سنی ہے۔"

نوٹ۔ یہ بالکل وہی مضمون ہے ع باغباں بھی خوش ہے راضی رہے صیاد بھی۔

اور یہ کچھ مولوی قاسم نانوتوی ہی کے ساتھ منحصر نہیں بلکہ تمام ہی اکابر دیوبند کا یہی عالم کہ جہاں جیسا موقع دیکھا وہاں ویسی بات کہدی۔

چنانچہ پچھلے صفحات میں مولوی حسین احمد صاحب کے تذکرے میں ایسے واقعات گزر چکے ہیں مثلاً سیوہارہ میں لوگوں نے پاؤں دبانا چاہا تو آں بدولت نے فرمایا کہ اس کا سنت سے ثبوت نہیں ملتا اور خود حضرت شیخ مولوی ابوالوفا وغیرہ کا پاؤں دبایا کرتے اس سلسلہ کی ایک اور روایت مل گئی ہے جو ایک خاص مقصد کے تحت درج کیجاتی ہے۔

شیخ الاسلام نمبر صف ۱۳۹

"حضرت مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حسن پور کے ایک مشہور بزرگ تھے جن کے صاحبزادے مولانا سید محمود احمد صاحب حضرت شیخ الاسلام کے خلفاء میں ہیں۔ مولانا احمد شاہ حضرت کے یہاں مہمان تھے، گرمیوں کا موسم تھا، دوپہر کا وقت شاہ صاحب آرام فرمارہے تھے۔ حضرت شیخ پہنچے اور پاؤں دبانے شروع کر دیئے۔ مولانا احمد شاہ صاحب نے گھبرا کر اٹھنا چاہا تو حضرت شیخ نے ایک ہاتھ ان کے سینہ

اص اگر کسی نے خون کے آنسو کا جواب لکھا تو اسوقت یہ روایت کام دے گی ۱۲

پر رکھ لیا کہ وہ اٹھ نہ سکیں اور دوسرے ہاتھ سے ان کے پاؤں دباتے رہے۔ دیر تک یہ خدمت انجام دی"۔

نوٹ۔ واقعات پڑھنے سے کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ جناب شیخ کو پاؤں دبانے سے بڑی دلچسپی تھی۔ جب مولانا ٹانڈوی کا ذکر آہی گیا ہے تو ایک اور دلچسپ روایت سن لیجئے کہ مولانا کو پائخانہ صاف کرنے کی بھی مہارت تھی۔

شعر
عادت جو پڑی ہو ہمیشہ کی وہ دور بھلا کب ہوتی ہے
رکھی ہے چنوٹی پاکٹ میں پتلون کے نیچے دھوتی ہے

شیخ الاسلام نمبر صفہ ۱۴۹

"مولانا محمد اسمعیل صاحب سنبھلی جو حضرت کی خلافت سے بھی مشرف ہیں۔ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ٹرین میں حضرت والا فرسٹ کلاس میں سفر کر رہے تھے۔ ایک ہندو صاحب بہادر بھی اسی ڈبہ میں تھے وہ قضائے حاجت کے لئے پاخانہ میں گئے اور فوراً واپس آگئے۔ حضرت شیخ نے بھانپ لیا، تھوڑی دیر بعد خاموشی سے اٹھے، پاخانہ میں گئے وہ نہایت گندہ ہو رہا تھا اس کو صاف کیا پھر واپس تشریف لائے تھوڑی دیر میں صاحب بہادر سے دریافت کیا، آپ پاخانہ سے کیوں واپس آگئے تھے۔ صاحب بہادر نے جواب دیا۔ وہ بہت گندہ ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ نہیں وہ تو صاف ہے جاکر ملاحظہ فرمائیے۔ صاحب بہادر بے حد متاثر ہوئے۔"

نوٹ۔ آج کے ماحول میں یہ کہنا کہ صاحب بہادر بہت متاثر ہوئے۔ یہ محض مولوی اسماعیل صاحب کی خوش فہمی ہے۔ البتہ صاحب بہادر کا اس بات سے متاثر ہونا زیادہ قرین قیاس ہے کہ جب (پائخانہ کی صفائی کرنے والے) لوگ فرسٹ کلاس میں سفر کریں گے تب تو ہم لوگوں کا خدا ہی حافظ!

نہ پوچھئے کہ مولانا ٹانڈوی کے متوسلین نے کیا کیا گل کھلائے ہیں۔ تقسیم ہند سے پہلے کا ایک واقعہ[1] ہے کہ کانگریس کی دعوت پر ٹانڈوی صاحب لاہور گئے اور پنجاب مندر میں آپ کی تقریر ہوئی۔ اس وقت لاہور سے اخبار "ملاپ" نکلتا تھا چنانچہ دوسرے دن اخبار "ملاپ" میں جلی قلم سے یہ سرخی تھی "پنجاب مندر میں مولانا تنگ اسلاف کی ولولہ انگیز تقریر" ایڈیٹر ملاپ کو یہ

۱۔ حس التقسیہ، امرت سر

معلوم تھا کہ مولانا ٹانڈوی اپنے کو "تنگ اسلاف" لکھتے ہیں اور اس کا یہ خیال تھا کہ یہ مولانا کا کوئی بہت بڑا خطاب ہوگا۔ اخبار جیسے ہی بازار میں آیا پوری دنیائے دیوبندیت میں آگ لگ گئی اور ایک کہرام مچ گیا۔ یہاں تک کہ دیوبندیوں کا ایک جتھا دفتر ملاپ تک پہنچ گیا جن کا نعرہ تھا۔ دفتر میں آگ لگا دو۔ پانی سر سے اونچا دیکھ کر ایڈیٹر ملاپ باہر نکل آیا، اس نے مشتعل ہجوم سے دریافت کیا آخرش شور و ہنگامہ کیسا ہے؟ تب لوگوں نے کہا کہ تم نے حضرت شیخ الاسلام کی توہین کی ہے اس لئے ہم دفتر میں آگ لگائیں گے۔

یہ سنکر ایڈیٹر ملاپ نے کہا کہ آخرش میرے جرم کی نشاندہی تو کیجاے کہ میں نے کیا خطا کی ہے، میں تو خود کانگریسی ہونے کے اعتبار سے مولانا کا احترام کرتا ہوں یہ سنتے ہی سب نے بیک آواز کہا "کیا تم نے ہمارے حضرت شیخ کو تنگ اسلاف نہیں لکھا، آخر اب اس سے بڑھ کر اور کیا توہین ہوگی؟ "یہ سنتے ہیں ایڈیٹر ملاپ نے کہ "بھئی یہ بات کچھ میں نے اپنی طرف سے تو لکھی نہیں ،مولانا خود اپنے کو تنگ اسلاف لکھتے ہیں اگر میں نے لکھ دیا تو کیا مضائقہ!

یہ جواب پاکر تمام دیوبندیوں نے کہا۔ "جناب یہ اختیار ہمارے حضرت شیخ کو ہے کہ وہ بربناء عجز و انکسار اپنے کو تنگ اسلاف لکھیں یا کچھ اور! لیکن یہ حق کسی دوسرے کو نہیں پہنچتا کہ اگر بر سبیل تواضع حضرت نے جو کچھ اپنے کو لکھا ہو وہی دوسرا بھی انہیں لکھے۔

شعر۔ اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ

جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں تنگ

یہ قانون مولانا ٹانڈوی کے بارے میں تو یاد رہا کہ مولانا نے عجز و انکسار کے تحت اپنے کو تنگ اسلاف لکھا ہے لہذا یہ ان کا اپنا حق ہے جس کو کوئی دوسرا انہیں استعمال کر سکتا۔ لیکن جب بارگاہ رسالت کی باری آئی تو قانون کے دامن کی دھجیاں اڑا دی گئیں اور آج ہر چھوٹا بڑا دیوبندی رسول کردگار کو اپنا جیسا بشر کہنے کے لئے " **انما انا بشر مثلکم** " کا نعرہ بلند کر رہا ہے۔ آخرش یہاں پہنچ کر کیوں عقل کا دیوالہ نکل گیا۔ جو قانون مولانا ٹانڈوی کے لئے اختیار کیا گیا وہی قانون یہاں کیوں نہیں اختیار کیا جاتا کہ پیغمبر خدا کا حق تھا کہ انہوں نے کفار مکہ کی تالیف قلوب کے لئے تواضعاً یہ بات فرمائی تھی نہ کہ عام مسلمانوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ رسول خدا کے خطابات کو چھوڑ کر اپنا جیسا بشر کہتے پھریں۔ آج اتباع صحابہ و پیروی اسلاف کے بلند بانگ نعرے ہیں۔ کیا کسی میں یہ دم خم ہے جو یہ بتا سکے کہ سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا فاروق اعظم، سیدنا

عثمان غنی، سیدنا علی مرتضی یا کسی اور صحابی نے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنا جیسا بشر کہا ہو۔ اور صرف بشری نہیں بلکہ بڑا بھائی کہکر رشتہ و ناطہ بھی جوڑلیا گیا ہو جس کے لئے "**کل مؤمن اخوۃ**" کو بطور سند پیش کیا جاتا ہے۔ اگر بڑا بھائی کہنے کے لئے اتنی سی بات کافی ہے کہ ہر مومن آپس میں بھائی ہے تو ایک زینہ اور آگے بڑھ جائے جس طرح رسول خدا پر مومن کا اطلاق کیا جاتا ہے تو پروردگار عالم نے بھی اپنے اسماء و صفات سے مومن فرمایا ہے "**المومن المهيمن العزيز الجبار المتكبر**" الخ جب تبارک و تعالی بھی مومن ہے تو اب علمائے دیوبند کو یہ کہنا چاہئے کہ اللہ تبارک و تعالی بڑا بھائی ہے اور رسول خدا منجھلے بھائی اور دیوبندی چھوٹے بھائی **معاذ الله ثم معاذ الله**

ایک ضروری عرضداشت

اختتام گفتگو پر یہ مناسب معلوم ہوا کہ چند ضروری باتیں ناظرین کی خدمت میں پیش کردی جائیں تاکہ کتاب سے متعلق قارئین کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوسکیں۔

(۱) خون کے آنسو کی ترتیب کا مقصد نہ تو کسی کا تعاقب ہے اور نہ ہی چھیڑ چھاڑ بلکہ اس باب میں جتنی بھی کتابیں لکھی گئیں ان کے متعلق علمائے دیوبند اور ان کے متبعین کا یہ کہنا تھا کہ اس میں تو گالی گلوج ہے اور ایک فرقہ کی جنبہ داری کے ساتھ دوسرے گروہ سے دھینگا مشتی کا کھلا ہوا مظاہرہ، چنانچہ وہ اس پروپیگنڈہ میں اتنے کامیاب ہوئے کہ علمائے اہل سنت کی تقریر و تحریر سے متعلق ملک کے گوشہ گوشہ سے یہ آواز اٹھنے لگی کہ ارے صاحب یہ لوگ تو فسادی اور جھگڑالو ہیں اور جہاں کہیں بھی انہوں نے یہ سمجھا کہ فلاں کی تقریر موثر ہوگی یا فلاں کتاب ذہن وفکر پر اثر انداز ہوگی تو فوراً کانا پھوسی شروع کردی کہ ان کی تقریر میں نہیں جانا چاہئے وہ تو حفظ الایمان اور تقویۃ الایمان کی عبارت پڑھ کر سناتے ہیں اور فلاں فلاں کتابیں نہیں دیکھنی چاہئیں۔ چونکہ ان کتابوں میں علماء دیوبند کی عبارات پر تنقید و تبصرہ ہے اور ساتھ ہی ان کو برا بھلا کہا گیا ہے۔ آج کی مسموم و زہریلی فضا نے ہمارے خلاف جو ایک طوفان اٹھا رکھا ہے۔ اب آپ کو حسب ذیل سطروں میں اسی کا جواب تلاش کرنا ہے۔

(۲) آج علماء اہلسنت کی تقاریر کے خلاف یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ تو علمائے دیوبند کی عبارات پڑھکر سناتے ہیں۔ یہ وہ آواز ہے جس سے خود ان کے بطلان کا پتہ چلتا ہے۔ آج ہم پوری دنیائے دیوبندیت کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کالی کوٹھری ہو یا کھلا ہوا میدان ہماری کتابوں کی ایک ایک سطر پڑھ کر اپنوں وغیروں سبھی کو سنائیں اس لئے کہ ہمیں اپنے مشن پر کلیۃً اعتماد و بھروسہ ہے کہ جو کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ قرآن وسنت ہی کی روشنی میں لکھا گیا یا اسلاف کے ان اقوال و افعال کی تائید جس کی سند قرآن و حدیث تک پہنچتی ہے۔ اس لئے بلا جھجھک اور بغیر روک ٹوک کے انہیں کھل کر اجازت ہے کہ ہمارے مسلم رہنماؤں میں سے جس کی کتاب بھی اپنے اجلاس میں پڑھ کر سنانا چاہیں وہ جی کھول کر سنائیں۔ اگر بات ہم نے حق کہی

ہے اور وہ اس کی غلط تاویل کر رہے ہیں یا ان الفاظ کو غلط معنی پہنا رہے ہیں تو دنیا اتنی اندھی نہیں کہ حق کو یکسر چھوڑ کر ان کی غلط تاویلات میں الجھ جائے گی ہم کو اپنی عبارات کی حقانیت و صداقت اور ان کے واضح و روشن ہونے پر اتنا ہی یقین حاصل ہے جتنا کہ کل کی صبح آفتاب کے طلوع ہونے پر۔

بلکہ ہم اس بارے میں مسرت و شادمانی محسوس کرتے ہیں کہ پنڈال کسی اور کا ہو اور بات ہماری کہی جائے اخراجات کسی اور کے ہوں اور مشن ہمارا پیش کیا جائے۔ لہذا یہی توقع ہم علمائے دیوبند سے بھی رکھتے ہیں کہ اگر اجلاس میں حفظ الایمان اور تقویۃ الایمان وغیرہ کی عبارت پیش کی جائے یا ہماری کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا جائے تو انہیں چیں بہ جبیں ہونے کے بجائے خوش ہونا چاہیے کہ اخراجات کسی اور کے ہیں اور پیغام ہمارا پہنچایا جارہا ہے لیکن جب اس کے خلاف آواز اٹھائی جاتی ہے تو اسی سے علماء دیوبند کا بطلان از خود روشن ہوجاتا ہے کہ وہ اس حقیقت کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہماری عبارتیں کالی کوٹھری میں پڑھی جاسکتی ہیں مگر کھلے میدان میں نہیں پیش کی جاسکتیں۔

(۳) علمائے دیوبند نے ہمارے خلاف جہاں یہ پروپیگنڈہ کیا ہے کہ ہم ان کی عبارات پر تنقید و تبصرہ کرتے ہیں اس کے علاوہ ان کا ایک حربہ یہ بھی ہے کہ قوم کو چند فروعی مسائل میں الجھا کر اپنی کفریات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ جہاں موقع ملا میلاد و قیام پر چوٹ کس دی۔ عرس و نیاز پر شرک و بدعت کا فتویٰ صادر کردیا تاکہ قوم ان کی کفریات پر مطلع نہ ہوسکے اور وہ یہ سمجھے کہ علمائے دیوبند اور علمائے اہل سنت کا اختلاف میلاد و قیام جیسے مسائل پر ہے۔ لہذا آج کی سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ بلا خوف لومۃ لائم ان کی کفریات کو بے نقاب کیا جائے۔ اپنی تقریر و تحریر میں جہاں فروعی مسائل کو کتاب و سنت سے ثابت کیا جائے وہیں اس امر کی وضاحت بھی کردی جائے کہ ہمارا اختلاف محض میلاد و قیام کی حد تک نہیں ہے بلکہ علمائے دیوبند اہانت رسول جیسے غارت گر ایمان جرائم کے مجرم ہیں۔ واضح رہے اگر ہمارے فعال علماء نے اس کی طرف سے غفلت برتی تو ایک دن ایسا آئے گا کہ قوم عرس و نیاز کے مسائل پر تو دلیل طلب کرے گی مگر علمائے دیوبند کی وہ گندہ و کفری عبارات جو اختلافات کی سنگ بنیاد ہیں ان کے بارے میں یہ کہہ کر دامن کھینچ لے گی کہ ان عبارات سے متعلق تو ہمارا کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔

خدانہ کردہ میری اس تحریر کا مقصد یہ نہیں کہ ان اختلافات کو میں اور وسیع کرنا چاہتا ہوں بلکہ اس اظہار حقیقت کا پس منظر یہ ہے کہ علمائے دیوبند اپنی کفری عبارات سے توبہ کر کے اس کی اشاعت بند کر دیں تو ہم بھی اپنا طرز سخن اور انداز تحریر بدل دیں۔

(۴) اس سلسلہ میں آج بعض اپنے ہی اداروں کی طرف سے یہ آواز اٹھائی جاتی ہے کہ یہ باتیں بہت پرانی ہو گئیں۔ سانپ گزر گیا اب اس کی لکیر پر لاٹھی مارنے سے کیا فائدہ؟ مجھے کہنے دیجئے اور میری اس جسارت کو نظر انداز کیجئے کہ ایسے ادارے یا ایسے افراد وہ خود فریب خوردہ ہیں یا دیدہ و دانستہ دوسروں کو فریب میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ میں اس مقام پر قارئین کی ہلکی سی توجہ چاہتا ہوں کہ اگر بر سبیل تنزل یہ بات تسلیم ہی کر لی جائے کہ بات بہت پرانی ہو چکی ہے لہٰذا اب اس کی طرف سے زبان و قلم کا رخ موڑ دیا جائے تو اگر پرانے پن کی دلیل اتنی ہی بھاری بھرکم ہے تو ایسی رنگین و جدت پسند طبیعتوں کا اس کے سوا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں کہ ان سے یہ دست بستہ عرض کیا جائے کہ بندہ پرور یہ ماحول اگر آپ کے حق میں سازگار نہیں تو کوئی اور راہ لیجئے جہاں آئے دن نت نئے مسائل سر اٹھاتے ہوں جس سے آپ کی رنگین مزاجی کو قرار مل سکے ورنہ اندیشہ ہے کہیں کل آپ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآن کی تفسیر پرانی ہو چکی ہے اور احادیث کے شروح و حواشی پر صدیاں بیت گئی ہیں لہٰذا آج کے مذاق کے مطابق نئی تفسیر ہونی چاہئے اور کتب احادیث پر نئے انداز و نئی ڈیزائن کے شروح و حواشی ہوں تب تو اسلام بازیچہ اطفال بن کر رہ جائے گا اور مسلمات سے امان اٹھ جائیگا۔ علاوہ ازیں یہ کہنا ہی غلط ہے کہ باتیں پرانی ہو گئیں، لہٰذا اب ان کا ذکر نہ کیا جائے۔ بندہ پرور اگر آپ کی عمر چالیس برس کی ہو چکی ہے اور پندرہ برس کی عمر سے آج تک آپ ان اختلافات کو سنتے چلے آئے ہیں تو یہ باتیں آپ کے حق میں پرانی ہو گئی ہیں لیکن آنے والی نسل جو اب ہوش گوش کے میدان میں آرہی ہے جس سے ابھی تک اس کے کان آشنا نہیں اس کے حق میں تو یہ باتیں پرانی نہیں ہیں۔

ہاں اگر حفظ الایمان، تقویۃ الایمان، تحذیر الناس، براہین قاطعہ کے مصنفین اپنے پیچھے کوئی لشکر نہ چھوڑ گئے ہوتے اور یہ کتابیں انہیں کی قبر میں دفن ہو گئی ہوتیں اور یہ لوگ اپنا عقیدہ اپنے ساتھ لے کر چلے گئے ہوتے تو یہ بات گوارا کر لی جاتی۔ جب ان کے عقائد کے پرچار کرنے والے ہی نہیں تو ایسے عقائد کے بال کی کھال نکالنے سے کیا فائدہ! لیکن جب ہم یہ

دیکھ رہے ہیں کہ ان کے اذناب و متبعین کا ایک گروہ ہے جو قدم قدم پر شرک و بدعت کا خیمہ نصب کئے بیٹھا ہے اور پریس کی پوری طاقت ان کتابوں کے اشاعت میں خرچ ہو رہی ہے پھر ایسے حالات میں ہم یہ کیسے تسلیم کرلیں کہ باتیں پرانی ہوگئیں۔ لہذا اب ان سے صرف نظر کیا جائے۔ ہم کسی عصبیت یا تنگ نظری کے تحت ایسی بات نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ اس حقیقت پر ہمارے متقدمین و متاخرین کا طرز عمل شاہد عدل ہے۔ چنانچہ تاریخ اسلام کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اسلام ہی کے نام پر نہ جانے کتنے گمراہ اور باطل فرقوں نے سر اٹھایا اور ان کی جتنی عمر رہی اسی اعتبار سے ان کا رد و ابطال کیا گیا مثلاً جبریہ، قدریہ معتزلی وغیرہ یہ اپنے اپنے وقت کے گمراہ فرقے ہیں۔ جب یہ گمراہ فرقے اسلامی معتقدات کے خلاف برسر پیکار نظر آئے تو علمائے اسلام کی ساری طاقت ان کی طرف مبذول ہوگئی، یہاں تک کہ اب ان فرقوں کے اقوال بطور نقل چلے آرہے ہیں کہ کسی دور میں ایسے فرقوں نے جنم لیا تھا جن کے اقوال ایسے اور ایسے تھے اور اسی ذیل میں ان کے جوابات درج کئے جاتے ہیں تاکہ درس نظامی کا فارغ التحصیل تعارفی حیثیت سے ان سے آشنا رہے لیکن اب ان فرقوں کے خلاف کوئی محاذ جنگ نہیں ہے چونکہ اب ان فرقوں کا کوئی نشریاتی پروگرام نہیں، نہ ان کا کوئی ہیڈ کوارٹر ہے اور نہ ہی برانچ، یہ اپنے وقت کی پیداوار تھے اور کچھ دنوں بعد خود ہی اپنی موت کے گھاٹ اتر گئے، اس لئے آپ دیکھئے کہ آج علماء کی تقریر اور تحریر کے نشانے پر یہ فرقے رہ ہی نہیں گئے۔ لیکن فتنہ وہابیہ ایسا نہیں ہے۔ یہ روز بروز اپنی جڑیں مضبوط کرتا جارہا ہے اور ہمارے خلاف اس کے نئے نئے اڈے بنتے جارہے ہیں۔

لہذا یہ کہہ کر ان مسائل سے دامن چھڑانا کہ بات پرانی ہوچکی ہے عقل و قیاس سے بعید ہے۔ اس فریب خوردگی اور خوش فہمی پر اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ کچھ اپنے ہی ہماری راہ میں کنواں کھود رہے ہیں۔ دشمن اپنی پوری ہوشمندی و دانائی سے اپنی راہ ہموار کرتا جارہا ہے اور بعض اپنے اس تماشہ گاہ عالم میں اپنوں ہی کا گریبان تھامے تماشائیوں کو دعوت نظارہ دے رہے ہیں۔

(۵) واضح رہے جس طرح ہمیں کھلے ہوئے دشمن کے چہرے سے نقاب الٹنا ہے اور ان کی گھنونی اور مکروہ صورت سے لوگوں کے دل میں گھن پیدا کرنا ہے۔ بالکل ایسے ہی دوست نما دشمنوں کی بھی نقاب کشائی کرنی ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ ہمیں اس راہ میں تیر

ملامت کا نشانہ بننا پڑے گا اور اپنوں ہی کے ہاتھ تلخ گھونٹ پینا ہو گا۔ اللہ کا شکر ہے کہ قلم اٹھانے سے پہلے ہم اس کے لئے تیار ہو چکے ہیں۔ ہمیں دقیانوس کہا جائے یا لکیر کا فقیر، ہم پر ان جملوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہمیں اپنے بزرگوں سے یہی دولت ملی ہے جس کے ہم امین اور وارث ہیں۔ سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی امام المنطق و الفلسفہ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی، سید العارفین حضرت مولانا فضل رسول بدایونی، حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی، صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی صاحب مصنف بہار شریعت، صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب مفسر قرآن، رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی تاریخ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے اور ان کے تصلب فی الدین کو ہم ان کی زندگی کا طغرائے امتیاز سمجھتے ہیں۔ اس راہ میں انہیں گھر سے بے گھر ہونا پڑا۔ اپنے بیگانے ہوئے، اپنوں اور غیروں کی طعن و تشنیع سنی مگر جادہ استقامت سے ان کا قدم ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹ سکا۔ بفضلہ تعالے آج بھی ان کے متبعین کی ایک اچھی خاصی جماعت موجود ہے۔ آقائے نعمت حضور مفتی اعظم ہند، استاذ محترم و مرشد برحق مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمان صاحب، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی، استاذ العلماء حضرت مولانا حافظ عبد العزیز صاحب، سلطان المناظرین حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب، برہان ملت حضرت مولانا سید برہان الحق صاحب، صدر العلماء حضرت مولانا سید مصباح الحسن صاحب پھپھوند شریف، سید العلماء حضرت مولانا سید آل مصطفے صاحب، ناشر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد الرشید خاں صاحب ادام اللہ فیوضہم و برکاتہم العالیہ جیسے اپنے اکابر و مشائخ ہیں جو اپنے بزرگوں کی زندگی کے آئینہ دار ہیں۔ رب کریم ان کے ظل عاطفت کو ہم پر دراز فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

بات بہت بڑھ گئی، مقصود نگارش یہ ہے کہ ہمیں حالات کا صحیح جائزہ لینا چاہئے کہ ہمارے مشن کو کمزور بناتے ہیں کیسے کیسے لوگوں کا ہاتھ ہے۔

(۶) آج فروعی مسائل سے متعلق علمائے دیوبند کا یہ بھی غلط انداز ہے کہ ہر بات میں ہم سے قرآن و سنت کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ قرآن و سنت کے اساس و بنیاد ہونے سے کسی کو انکار نہیں، اس کی عظمت سر و آنکھوں پر، یہ دونوں ہماری زندگی کے وہ متاع عزیز ہیں جس پر ہمیں بجا طور پر فخر حاصل ہے مگر پیارے کہنا یہ ہے کہ جو بات بھی کھو قرینے اور سلیقے

سے کہو، اگر فاتحہ دلائی جائے تو یہ کہتے ہو کہ اس کے ثبوت میں قرآن کی آیت پڑھو، اگر ہم بزرگوں کی قبر پر ایصال ثواب کی غرض سے چلے جائیں تو بڑے ہی بھولے بن کر یہ کہتے ہو کہ اگر قرآن کی آیت نہیں تو پھر بخاری شریف ہی کی حدیث میں دکھلادو۔ آپ کے مطالبے پر سر تسلیم خم ہے مگر کچھ ہماری بھی سن لیجئے۔ آپ کے حضرت شیخ "مولانا نانڈوی" کی لاٹھی کو لوگ بطور تبرک رکھتے تھے۔ آپ کے مولانا تھانوی کے پاؤں کو دھو کر پانی پینے کو لوگ ذریعہ نجات سمجھتے تھے وغیرہ وغیرہ تو اگر آپ قرآن کی آیت اور بخاری کی حدیث سے اس کا ثبوت نہ دے سکیں تو کم از کم مشکوۃ شریف جو درس نظامی میں حدیث کی پہلی کتاب سمجھی جاتی ہے اسی سے اس کا ثبوت دیدیجئے۔

آخر ش کیا قرآن و حدیث محض میلاد قیام ہی کے ثبوت کے لئے ہیں پھر یہ کیا طرفہ تماشہ کہ آپ حضرات اپنی درسگاہوں میں تو اپنے طلبہ کو یہ درس دیتے ہیں کہ اصول شریعت چار ہیں۔ ادلہ اربعہ قرآن، سنت اجماع، قیاس سے کام لیا جائے گا۔ طلاق و نکاح، بیع و شرا، روزہ و نماز حج و زکوۃ وغیرہ وغیرہ جیسے مسائل میں قرآن و سنت کے علاوہ اجماع و قیاس سے بھی دلیل قائم کی جاتی ہے مگر عرس و نیاز، میلاد و قیام کے لئے صرف قرآن و حدیث سے دلیل چاہیے۔

اور اس پر کٹ حجتی اور ہٹ دھرمی کا یہ عالم کہ اگر آپ کے کسی بزرگ و پیشوا نے میلاد و قیام کیا ہو تو آپ اس کی نت نئی تادیل کرتے ہیں کہ کہیں ہمارے بزرگ پر شرک و بدعت کی چھاپ نہ پڑجائے، جیسا کہ پچھلے صفحات میں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کا تذکرہ کیا ہے کہ موصوف محفل میلاد شریف منعقد کرتے اور کھڑے ہوکر سلام پڑھنے میں لذت محسوس کرتے۔

لیکن اب جناب حاجی صاحب قبلہ کے میلاد و قیام پر عامر عثمانی کی تادیلات ملاحظہ کیجئے۔

تجلی دیوبند، اگست ۶۲، صفحہ ۴۰

"تیسری وجہ یہ تھی کہ حضرت حاجی صاحب کے تمام عقائد و تصورات سب کے سامنے تھے ان میں ان کے اہل علم ارادت مندوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مشرکانہ اور غالی و واہی عناصر کی شمولیت نہیں پائی

بلکہ یہی دیکھا کہ توحید ان کے دل و دماغ میں رچی بسی ہے لہذا یہ قیاس کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہوئی کہ سال بہ سال میلاد منعقد کرنے کے پیچھے حب رسول کا سیدھا سادہ ذہن کار فرما ہے اور قیام کی تہہ میں ایک معصوم سے تصور تعظیم کے سوا کوئی غلو آمیز عقیدہ موجود نہیں ہے۔"

نوٹ۔ ناظرین سے گزارش ہے کہ وہ مندرجہ بالا تحریر کو بار بار پڑھیں اور یہ اندازہ کریں کہ اپنے کو بچانے کے لئے کیسے کیسے تراشیدہ اور خراشیدہ الفاظ ڈھونڈے گئے ہیں۔ حاجی صاحب اگر میلاد و قیام فرمائیں تو اس میں "حب رسول کا سیدھا سادہ ذہن کار فرما ہے اور قیام کی تہہ میں ایک معصوم سا تصور تعظیم" ہے۔ حالانکہ یہ وہی حاجی صاحب ہیں جو خود عامر صاحب کی نظر میں عالم نہیں ہیں۔ ایک غیر عالم اگر میلاد و قیام کرتا ہے تو اس کی تاویل کی جاتی ہے کہ "توحید ان کے دل و دماغ میں رچی بسی ہے" اور اکابر علماء اہلسنت جن کے علم و فضل کو اپنے و غیر سبھی تسلیم کرتے ہوں اگر وہ میلاد اور قیام کرلیں تو کھلے گمراہ، کٹر بدعتی، پکے مشرک، نہ جانے وہ کونسا آلہ ہے عامر صاحب کے پاس جس سے وہ لوگوں کے دلوں کا بھید جان لیتے ہیں کہ کس کے قلب و جگر میں توحید رچی بسی ہے اور کس کا سینہ اس سے خالی ہے۔

تجلی کے اسی شمارے میں آگے چل کر عامر صاحب رقمطراز ہیں اس کو پڑھئے اور جناب کے طرز استدلال کی داد دیجئے صفحہ ۴۲

"اسی طرح آپ متعدد مثالیں سوچ سکتے ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ اسمائے صفت میں غالب احوال کے اعتبار سے بنتے ہیں غالب بھی نہ صحیح تو کم از کم یہ تو طے شدہ ہے کہ کسی بھی اسم صفت کا اطلاق اسی وقت ہوتا ہے جب اس صفت کا ظہور نمایاں طور پر ہو۔ اگر کسی انسان کو فاسق یا عاصی و خاطی کہنے کے لئے صرف اتنی ہی بات کافی ہوتی کہ کبھی نہ کبھی اس سے فسق یا خطایا معصیت کا صدور ہو گیا ہے تو دنیا میں کوئی شخص بھی انبیاء کے سوا ان مکروہ اسماء صفت سے نہیں بچ سکتا کیونکہ انبیاء کے سوا کوئی بھی معصوم نہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ محض میلاد و قیام کی بدعت کو سادگی کے ساتھ اختیار کرنے کی وجہ سے حضرت حاجی صاحب کو "بدعتی" نہیں کہا جاسکتا"۔

نوٹ۔ قربان جایئے آپ کے طرز استدلال پر، حاجی صاحب "فیصلہ ہفت مسئلہ" میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ میں ہر سال محفل مولود شریف منعقد کرتا ہوں اور کھڑے ہو کر سلام پڑھنے میں لذت محسوس کرتا ہوں۔ لیکن عامر صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کسی سے کبھی کبھار کوئی فعل صادر ہو جائے تو اس کی بنا پر حکم نہیں لگایا جاتا بلکہ غالب احوال کی بنا پر" جیسے کسی کو فاسق کہنے کے لئے اتنی سی بات کافی نہیں ہے کہ کبھی اس سے فسق کا صدور ہو گیا یعنی تا وقتیکہ اس فسق پر اصرار نہ ہو اس وقت تک اسے فاسق نہیں کہا جائے گا۔

عامر صاحب بالفرض اگر نفاذ احکام سے متعلق یہی دستور و قانون ہے جیسا کہ بہ گمان خویش آپ نے سپرد قلم کیا ہے تو اسی قانون کے آئینے میں حاجی صاحب کی بھی تصویر ملاحظہ کیجئے۔ یعنی تا وقتیکہ فعل پر اصرار نہ ہو اس پر حکم نہ لگایا جائے گا تو حاجی صاحب قبلہ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ عمر کے کسی حصہ میں بھول کر سہواً میں نے میلاد شریف کی محفل منعقد کر لی تھی اور سلام بھی کھڑے ہو کر پڑھ لیا تھا بلکہ وہ اپنے فعل کے اصرار و التزام کی صراحت فرماتے ہیں نہ تو کبھی کبھار ہے اور نہ بھول چوک ہے بلکہ دیدہ و دانستہ باعث خیر و برکت سمجھ کر ہر سال۔ پھر پڑھ لیجئے ہر سال جانے ان کے اس فعل کی ابتدا اور عمر کے اعتبار سے یہ محفل ان کے گھر میں پچاس مرتبہ منعقد ہوئی ہوگی یا اس سے کچھ کم و بیش۔ اب آپ ہی فرمائے اگر انہوں نے اپنی عمر میں پچاس مرتبہ محفل مولود شریف منعقد کی تو اس کو اتفاقیہ۔ کبھی کبھار۔ بائی چانس کہا جائے گا یا اس فعل کا اصرار و التزام اور کوئی روزانہ تو محفل میلاد شریف منعقد کرتا نہیں بلکہ عام دستور یہی ہے کہ خیر و برکت کے حصول کے لئے سال میں ایک ہی دو مرتبہ لوگ حسب توفیق اپنے اپنے گھروں میں محفل میلاد شریف منعقد کرتے ہیں اور یہی لوگ آپ کی اصطلاح میں مولودی اور بدعتی کہے جاتے ہیں۔

اب کہئے حاجی صاحب کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ یہ کیسے آپنے لکھدیا کہ ہم ان کو بدعتی نہیں کہیں گے۔ آخر ش یہ دین میں ٹھیکیداری نہیں تو اور کیا ہے؟ جسکو آپ اپنا سمجھیں ارتکاب بدعت کے باوجود اس کو بدعتی نہ کہیں اور جن بزرگوں کے خلاف آپ نے محاذ جنگ قائم کر رکھا ہے انکے ہر فعل پر شرک و بدعت کی چھاپ لگانے میں کوئی تامل نہیں

علاوہ ازیں حاجی صاحب محض میلاد و قیام کے پابند نہ تھے بلکہ۔ نیاز۔ فاتحہ۔ عرس۔ سوئم۔ چالیسواں۔ برسی جیسے تمام ہی مراسم کے نہ صرف قائل بلکہ عملاً پابند تھے۔ فیصلہ ہفت مسئلہ تو

آپ نے پڑھی ہوگی، اس کا نام ہی فیصلہ ہفت مسئلہ ہے۔ اب یہ نہ کہئے گا کہ حاجی صاحب محض میلاد و قیام کی بدعت کا ارتکاب فرماتے تھے بلکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مراسم ہیں جو آپ کی نظر میں بدعت اور معصیت ہیں وہ سب ان کے معمولات میں داخل ہیں۔

لہٰذا آپ یہ باور کرانے کی کوشش تو کیجیے ہی نہیں کہ آپ کو دیوبند یا جماعت اسلامی کے خزانے سے کوئی ایسا آلہ مل گیا ہے جس کے ذریعہ سے آپ لوگوں کی نیت اور ارادے کا پتہ لگا لیتے ہیں کہ کون سادہ لوح ہو کر میلاد و قیام کر رہا ہے اور کون غیر سادہ لوح ہو کر۔

ممکن ہے مولانا امام الدین رام نگری جن سے آپ اس وقت مخاطب ہیں وہ آپ کی اس دھونس میں آکر مرعوب ہو جائیں، حالانکہ وہ آپ سے زیادہ تجربہ کار ہیں ان پر آپ کا جادو چل جائے قرین قیاس نہیں لیکن آپ نے اپنے دلائل کے تانے بانے میں یہی کوشش کی ہے کہ انہیں الجھالیا جائے۔

اس کو تو آپ دونوں سمجھیں مگر ملک کا وہ طبقہ جس کو آپ بدعتی کہتے ہیں وہ آپ کے حاجی صاحب کی طرح اتنا سادہ لوح نہیں ہے کہ میلاد و قیام محض اپنی سادگی کے تحت کر لیتا ہے بلکہ یہ ایک پڑھا لکھا طبقہ ہے جو اپنے عقائد پر برہان و بینہ کی ایسی شمع روشن کئے ہے کہ لاکھ بار طوفان اٹھے مگر وہ شمع نہ بجھ سکی اور انشاء اللہ تعالیٰ صبح قیامت تک یہ روشن رہے گی اس لئے یہ خیال تو آپ اپنے دل سے نکال لیجیے کہ وہ آپ کی اس قسم کی لایعنی باتوں سے مرعوب ہوجائے گا اور اس کا یقین کر لے گا کہ صحیح معنوں میں آپ کو کوئی ایسا آلہ مل گیا ہے جس سے آپ دلوں کا بھید معلوم کر لیتے ہیں اور اگر استدلال کا یہی طریقہ اختیار کیا جائے۔ جو آپ کا وطیرہ ہے تو پھر دوسروں کو بھی کہنے دیجئے کہ ماہنامہ "تجلی" کی اشاعت میں قوم کی اصلاح و فلاح کا کوئی جذبہ کارفرما نہیں ہے بلکہ اپنی نمائش اور تجارتی فروغ کی ایک لگن ہے جو آپ کے دل و دماغ پر مسلط ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ اپنے ادارہ کے لئے جنگ و جدال کا نیا نیا عنوان تلاش کرتے رہتے ہیں۔ آپ اپنی انگلیوں پر خود ہی گن لیجیے کہ اس تھوڑے سے وقفہ میں آپ نے کتنوں سے پنجہ آزمائی کی ہے۔

ایک دور آپ کا وہ گزرا ہے جب کہ آپ اپنے ہی استاذ مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی کے مقابل لنگوٹ باندھے کھڑے تھے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ دیوبند کی بڑی شخصیت ہے اگر ان سے مٹھ بھیڑ ہو گئی تب تو کام ہی چل جائے گا۔ پھر جب آپ نے ان کا پیچھا چھوڑا

تو آپ نے مولوی منظور نعمانی کو دعوت جنگ دی۔ جب انہوں نے منہ نہ لگایا تو مدیر فاران ماہر القادری کو ھل من مبارز کہکر پکارا، کچھ دنوں ان سے نوک جھونک چلتی رہی تو آپ نے اپنے رفیق قلم مولوی امام الدین رام نگری کو جھنجھوڑا جن سے آج تک سلسلہ جنگ جاری ہے۔

ابھی آپ اسی محاذ پر تھے کہ اس سے زیادہ عمدہ محاذ جنگ مل گیا یعنی مدیر برہان مولانا سعید احمد اکبر آبادی سے آپ لپٹ گئے اور اداریہ کے اختتام پر بڑی نیاز مندی سے آپ یہ کہہ گزرے کہ

"ہم خود کو مجبور پاتے ہیں کہ ان کے تیسرے اداریے پر بھی اگلے ماہ زبان نقد دراز کریں"۔

یہ جملہ آپ نے صرف اس لئے لکھدیا کہ لوگوں کو آپ کے اگلے اداریئے کا انتظار رہے ۔اسی کا نام ہے جذبہ نمائش اور تجارتی کاروبار کے فروغ دینے کا وہ طریقہ جس کو آپ دین و ملت کا مفاد قرار دیتے ہیں۔ اب آپ ہی فرمائے وہ کون ہے جو آپ کی زبان درازی سے بچ کر نکل گیا ہو آپ تو اسی تاک گھات میں رہتے ہیں کہ ہر ماہ نقشہ جنگ بدلتا رہے تاکہ ناظرین تجلی جن کا ذہن وفکر مسائل پر اعتدال پسندی سے غور کرنے کے بجائے اکھاڑ پچھاڑ کا عادی بن چکا ہے جو یہ مارا وہ مارا کا نعرہ بلند کر کے کسی بھی مضمون پڑھنے کے خوگر ہیں۔ان کے دستر خوان پر آپ ایسے ہی تیز نمک مرچ کا سالن رکھتے ہیں۔ اور ساتھ ہی قوم کے ساتھ یہ دھیل بازی کہ ہمارا جذبہ دینی ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم کسی برائی کو دیکھیں اور خاموش نہ رہ جائیں۔ اگر واقعہ یہی ہے تو رسالہ کی اشاعت سے پہلے آپ کا جذبہ کہاں سویا تھا۔ جس جس گلی میں آپ کو خیمہ ہائے باطل نظر آتے ہیں وہاں وہاں کی خاک آپ چھانتے نظر آتے۔ مگر یہ کیا ہوا کہ قلم پکڑتے ہی آپ چن چن کر ایک ایک کا گریبان پکڑ کے الجھ گئے۔

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

لہذا اپنی لچر دلیلوں کی داد آپ اسی طبقہ سے چاہئے جو دعویٰ اور دلیل کی اساسی و کلیدی حیثیت نہیں جانتا۔ آپ اس حلقے میں دھول کی رسی بٹنے کی کوشش نہ کیجئے جو بعونہ تعالی آپ جیسوں کو دیکھتے ہی یہ سنادیتا ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

ورنہ کیا تماشہ ہے کہ ہم میلاد و قیام کریں تو معصیت کیش اور بدعتی ہو جائیں اور آپ کے روحانی لکڑ داداحاجی امداد اللہ اسی بدعت کا ارتکاب فرمائیں تو کٹر موحد ہو جائیں۔ جناب عامر صاحب اس قسم کا تضاد کچھ آپ ہی کی تحریر میں نہیں ہے بلکہ یہ آپ کو بطور وراثت ملی ہے۔

لیجئے لگے ہاتھ ایک پرانی کہانی سن لیجئے اور بات ختم کردی جائے یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ آپ اور مولوی امام الدین رام نگری ایک ہی پلیٹ فارم پر تھے اور دوسرے پلیٹ فارم پر آپ کے استاد مولوی حسین احمد صاحب، چنانچہ آپ کے استاد مولانا ٹانڈوی نے آپ حضرات سے ایک مطالبہ کیا تھا۔

تجلی فروری مارچ، ۵، صفحہ ۴،

"رام نگری صاحب اور مودودی صاحب اور ان کے متبعین کا فرض ہے کہ اگر ان کا عقیدہ خوارج و معتزلہ کا نہیں ہے اور وہ واقع میں اہل سنت و جماعت کے عقیدے پر ہیں تو علانیہ طور پر بغیر کسی قسم کی جھجک کے اعلان فرمائیں اور ان عبارات کو خطبات سے نکال کر مناسب عبارات درج فرمائیں جیسا کہ اہل حق کا فریضہ ہے اور ہمیشہ بڑے بڑے ائمہ حق اس پر عمل پیرا رہے ہیں، ان کو اپنی غلطیوں سے رجوع کرنے میں کبھی نفسانیت اور انانیت مانع نہیں ہوئی اور یہ اسلاف کرام کی حق پرستی تھی"۔

(ایمان عمل صفحہ ۸۲)

نوٹ۔ یہ تو وہ مطالبہ ہے جو مولوی حسین احمد صاحب نے جماعت اسلامی اور اسکے متبعین سے کیا تھا اب مولوی امام الدین رام نگری کا وہ مطالبہ پڑھئے جو انہوں نے جماعت اسلامی کی طرف سے مولوی حسین احمد صاحب سے کیا تھا۔ تجلی فروری مارچ ۵،، صفحہ ۴، و ۵،

"رہا حضرت مولانا مدنی کے مطالبے کا دوسرا حصہ تو حضرت محترم نے اس پر غور نہیں فرمایا کہ وہ کتنا ناقص ہے حضرت محترم اور ان کے ہمنوا دوسرے علماء و اکابر دیوبند جماعت اسلامی کے پورے لٹریچر کو دفتر ضلالت و بے دینی قرار دیتے ہیں اس لئے جماعت اسلامی جب تک اپنے ذخیرہ کتب کو دریا برد نہ کردے۔ حضرت مولانا مدنی جماعت اسلامی کو ایمان و اسلام کا سرٹیفکیٹ کیسے دے سکتے ہیں، لہٰذا حضرت محترم کے مطالبے کا یہ حصہ تو خود انہیں کے

عقیدے و مسلک کے اعتبار سے غلط ہے اس لئے اس کے پورا کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا البتہ اس موقع پر ہمیں خود حضرت مولانا مدنی سے ایک سوال کرنا ہے۔ (بریلوی مسلک کے علماء و اکابر نے تمام اکابر دیوبند کی تصانیف کو ضلالت و بد دینی اور کفریات کا مجموعہ قرار دیا ہے۔

چند سطر بعد۔ حضرت مولانا مدنی ارشاد فرمائیں کہ انھوں نے بڑے بڑے ائمہ حق کی پیروی میں کہاں تک اہل حق کا فریضہ انجام دیا ہے؟ اور اکابر دیوبند کی غلطیوں سے رجوع کرنے میں کہاں تک خلوص وللہیت سے کام لیا ہے۔"

نوٹ۔ جادو وہ ہے کہ جو سر چڑھ کے بولے۔ ابھی ٹاٹا نگر کے سفر میں مولانا الحاج قاری محمد عثمان صاحب اعظمی سے یہ معلوم ہوا کہ بنگلور کے غیر مقلدین نے کوئی کتاب شائع کی ہے جس میں علمائے احناف کی خبر لیتے ہوئے حفظ الایمان کی عبارت پر کفر کا فتوی دیا ہے۔ معاملہ سنی اور وہابی کا نہیں تھا بلکہ غیر مقلد اور حنفی کا تھا لہذا اس نشانے کی زد میں حفظ الایمان کی عبارت بھی آگئی اگر یہ کتاب دستیاب ہو گئی تو خون کے آنسو جلد سوم میں اس کا حوالہ بدئیہ ناظرین کیا جائے گا۔

میرا اپنا ارادہ یہی تھا کہ "خون کے آنسو دو" حصوں پر ختم کردی جائے لیکن گجرات کے دورہ میں حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے تین حصے ہوں اور آخری حصے میں علمائے دیوبند کی پرانی کتابوں پر تبصرہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت علیہ الرحمہ کے ارشاد کے مطابق جو بعض کتابیں میرے پاس نہ تھیں ان سب کو حاصل کرلیا ہے اور جلد سوم کا بھی کام کسی حد تک ہوچکا ہے۔ انشاء اللہ تعالی حفظ الایمان تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، تحذیر الناس، براہین قاطعہ، الامداد، اشد العذاب سیف یمانی، الشہاب الثاقب، المہند، وغیرہ جیسی کتابوں پر نئے انداز کا تبصرہ کیا جائے گا اور ان کی تمام تاویلات پر ایسی حجت و دلیل قائم کی جائے گی جس سے ان کا ناقابل قبول ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہوجائے گا۔ اب جس کے پاس "خون کے آنسو" کے مکمل ہر سہ حصے ہوں گے وہ علمائے دیوبند کی کتابوں سے بے نیاز ہوجائے گا۔ انہیں تینوں حصہ میں ان کے تمام عقائد سمیٹ دیئے جائیں گے۔

جلد سوم کے آخری حصے میں علمائے دیوبند کے عقائد کی ایک بہت لمبی لسٹ ہوگی جس میں ان کے تمام اقوال کو مع حوالہ کے درج کردیا جائے گا تاکہ کسی بھی عجلت کے موقع پر

اس سے کام لیا جاسکے۔

اب اخیر میں گزارش ہے کہ پروردگار عالم ہم سب کو اپنے پیارے رسول کا وفادار بنائے اور ان کی عزت وحرمت پر مرمٹنے کی توفیق دے۔

اے رب جس طرح ہم اپنے معاملات میں دوست اور دشمن کی شناخت رکھتے ہیں ایسے ہی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست اور دشمن کے پرکھنے اور پہچانے کی صلاحیت عطا فرما۔

اے رب ہم ان میں سے نہیں ہیں جو تیری الوہیت کا گن بھی گاتے ہیں اور معاذ اللہ تجھی کو جھوٹا بھی کہتے ہیں۔

اے رب ہم اس گروہ سے اظہار بیزاری کرتے ہیں۔ جو تیرے رسول کو پیغمبر بھی کہتے ہیں اور معاذ اللہ گاؤں کا چودھری اور چمار سے زیادہ ذلیل و ذرہ ناچیز سے کمتر بھی۔

اے رب ہمارا ایمان ہے کہ جس طرح تو اپنی شان الوہیت میں بے مثل و بے نظیر ہے ایسے ہی جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف انسانوں بلکہ پیغمبروں اور رسولوں میں سب سے ممتاز و یگانہ ہیں۔

اے رب ہمیں اسی نکھرے ہوئے عقیدے پر چلا اور اسی پر موت بھی عطا فرما آمین ثم آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد دوم ختم شد

خوشی کے آنسو

جسمیں

خون کے آنسو جلد اول پر ملک و ملت کے اکابر کی گرانقدر رائے اور تنقید و تبصرہ کو اکٹھا کر دیا گیا ہے

حسب الحکم

مقتدائے اہلسنت حضرت مفتی اعظم ہند

ادام ظلہم و فیوضہم

مرتبہ

عبد الرشید ارشد نظامی

پیش لفظ

یہ کتابچہ جواب آپ کے زیر مطالعہ ہے اس کی بابت میرا اپنا ارادہ یہ تھا کہ آنے والی رائیں پاسبان میں شائع کردی جائیں گی۔

مگر مقتدائے اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند کے ارشاد ہمایوں نے کتابی سائز کی اشاعت پر ہمیں پابند کردیا اور یہ نام بھی حضور ہی کا تجویز کردہ ہے۔

اس کتاب سے متعلق جب حضرت مجاہد ملت مولانا محمد حبیب الرحمن صاحب قبلہ سے میں نے رائے طلب کی تو حضرت نے یہ فرمایا کہ میں تمہاری تقریر سن کر یہ کہتا تھا تمہیں خطابت آتی ہے جیسا کہ میں اکثر تمہیں سمجھاتا ہوں کہ خطابت اور برہان میں بڑا فرق آئے لیکن اس کتاب نے میرا خیال بدل دیا اور اسی کو تم میری رائے سمجھو۔

افسوس کہ آج ہم میں حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نہ رہے مگر حضرت کی رائے فائل میں محفوظ تھی تبرکا اسی سے اس کا آغاز کیا جاتا ہے

مشتاق احمد نظامی

خُون کے آنسو

یہ اس مبارک تصنیف کا نام ہے جو حضرت علامہ خطیب الملت پاسبان امت مولانا مشتاق احمد نظامی کے ذمہ دار قلم کا ایک شاندار شاہکار ہے دیوبندیت کیا چیز ہے اس کو قبول کرلینا چاہیئے یا صاف طور سے اس سے بیزاری کا اعلان کردینا چاہیئے کتنے دیوبندی ہیں وہ خود نہیں جانتے کہ ان کے بانیاں فرقہ کے عقائد کیا ہیں اور کتنے سنی ہیں وہ اب تک نہ جان سکے کہ دیوبندیت میں ایسی کیا کیا چیز ہیں جن کی بنا پر اسلامی دنیا اس فرقہ سے بیزار ہے یہ حضرت مولانا کا دیوبندیوں اور سنیوں دونوں پر عظیم احسان ہے کہ نہ صرف سنیوں کو محفوظ رہنے کا موقع دیا بلکہ دیوبندیوں کو بھی لمحہ فکریہ دیا کہ وہ ٹھنڈے دل سے سوچ سکیں کہ ہم کدھر جارہے ہیں اور جدھر جارہے ہیں وہاں خواہ سب کچھ ہوگا مگر نجات بھی ہے یا نہیں۔

مولانا کی یہ تصنیف اپنی شان کی بے مثل تصنیف ہے جس کی ملک و قوم کو بے حد ضرورت تھی اور دیوبندیت و سنیت کی حقیقت پر اب تک جو پردہ ڈالا جاتا تھا وہ چاک کردیا اور سنی علماء دیوبندیوں کو کیا کہتے ہیں اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا اور دیوبندی لوگ اپنی دیوبندیت کو کیا بتارہے ہیں اسی کو دیوبندی قلم سے نکلے ہوئے عقائد و کلمات کو منظر عام پر لاکر غور و فکر کی دیوبندیوں کو دعوت عام دی ہے۔

ابھی تک دیوبندی عوام و خواص میں قدر مشترک یہ تھی کہ ہر دیوبندی کسی مسئلہ میں یہ سنکر کہ یہ ہمارے بڑوں کی بات ہے گو رسول پاک کی عظمت کے خلاف ہے اپنے بڑوں کی تائید میں اتنا بڑھ جاتا تھا جس کو وہ بڑے بھی پسند نہ کریں وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ اپنے علماء بہر حال معصوم قرار پائیں اور حق و ناحق کی تلاش نہیں کرتا تھا یہ بات پہلے سے چل آرہی ہے کہ علماء دیوبند کے اکابر نے ایک عبارت کے قائل پر کفر و گمراہی کا فتویٰ دیا اور جب پتہ چلا کہ یہ تو مولوی اسماعیل کی عبارت ہے تو سر پیٹنے لگے ابھی گویا کل کی بات ہے کہ قاسم نانوتوی کی عبارت پر ان کے پوتے مولوی طیب مہتمم مدرسہ دیوبند نے کفر کا فتویٰ دیدیا مگر جب ان کے علم میں آیا کہ یہ تو دادا جان کا کفر تھا تو سائل کو آنکھ دکھانے لگے کہ پہلے کیوں نہ بتادیا اگر

بتادیتا تو میں اپنے دادا کو بہر حال معصوم قرار دے کر عبارت کفریہ کو عین اسلام کہہ دیتا خود میرا واقعہ ہے کہ مولوی حنیف خیر آبادی نے مجھ کو لکھ کر دیدیا کہ ہمارے علماء دیوبند توہین رسول کو کفر نہیں جانتے مگر ان کے مناظرین کو معلوم کرایا تو وہ کانوں پر ہاتھ رکھنے لگے۔ بات یہ ہے کہ یہ صدر دیوبندیت کی پیدائش کی صدی ہے اور ہر تحریک اپنے جنم دنوں میں باہمی تخالف و تہافت میں پڑجاتی ہے مولانا کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ پوری دیوبندیت کی برہنہ تصویر ایک جگہ رکھدی ہے فجزاہ اللہ تعالی عنا وعن سائر اہل سنتہ والجماعہ احسن الجزاء۔

اس تصنیف کو پڑھ کر جی چاہتا ہے کہ اس کا نام (دیوبندیت اپنے آئینہ میں) رکھا جائے اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ذوق کے مطابق (تحفۃ دیوبندیہ) نام رکھا جائے اور مولوی الیاس برقی حیدر آبادی کے طرز پر (دیوبندی مذہب) رکھا جائے کہ نام ہی سے ظاہر ہو جائے کہ مصنف کی کاوشوں نے کیا چیز ملک وملت کو دی ہے گو اس میں شبہ نہیں کہ ایک مسلم دیندار کو دیوبندی شوخیوں اور بد کلامیوں کو دیکھ کر خون کے آنسو نکل پڑتے ہیں لیکن یہ لفظ پہلے سے افسانہ نویسوں نے استعمال کرنا شروع کردیا ہے اور اب اظہار حقیقت کے حق میں وہ جاندار لفظ نہیں رہا۔

اب عالم اسلامی کا تقاضا یہ ہے کہ مولانا نے جس سلسلہ کو شروع کردیا ہے اپنے علم وسیع کی بدولت اس کو آخر تک پہونچائیں اباطیل دیوبندیہ میں مزید اضافہ کریں حصہ دوم میں یہ واضح کردیں کہ دیوبندیت در حقیقت وہابیت کا فارورڈ بلاک ہے اور الیاسی تحریک دیوبندیت کے رضا کاروں کی ٹولی ہے اور تیسرے حصہ میں دیوبندیت جن عقائد حقہ اہل سنت سے ٹکر لے رہی ہے اس کو دکھا کر کچھ سینوں پر بھی احسان فرمادیں کہ دیوبندی اپنی دیوبندیت کو دیکھے تو غریب سنی بھی اپنی سنیت کا نظارہ کر کے دل سے دعائیں دے۔ فقط

فقیر ابوالمحامد سید محمد غفرلہ اشرفی جیلانی

۲۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۸۱ھ

بریلی شریف ——————

واعظ بے بدل فاضل نوجوان مولوی مشتاق احمد سلمہ: **سلام علیکم!**

مزاج گرامی۔ آج میں نے آپ کی کتاب (خون کے آنسو) دیکھی بے حد مسرت ہوئی لہذا آپ یاد رکھیں کہ عرس کے موقع پر ایک نسخہ (خون کے آنسو) ضرور ساتھ لیتے آئیں۔ میں

آپ کی انوکھی تحقیقات دیکھ کر بہت مسرور ہوا ہوں میں اسباب زوال کے دوسرے حصہ میں اس سے مدد بھی لوں گا۔ اس سلسلہ میں مجھے اپنے مرحوم مہربان مولانا قاضی غلام سجاد صاحب کی ایک بات یاد آئی انہوں نے جب "اسباب زوال" کا مبیضہ دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور واپس کرتے وقت کہنے لگے کہ میں اس کتاب کو دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ رد متبدعین آپ کے خاندان ہی کا حصہ ہوگیا ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے تمام متبدعین کا رد علمی حیثیت سے کیا اور ایسا کیا کہ قیامت تک کے لئے کافی ہے تم نے اس رد کا دوسرا راستہ اختیار کیا ہے اب مصنفین ادھر آئیں گے۔ یہ کتاب ایک پگڈنڈی ہے جسے اگلے مصنفین شارع عام کردیں گے تو میں آپ کی کتاب کو دیکھ کر سمجھا کہ وہ پگڈنڈی امی اضافہ سے شارع عام ہوگئی۔ خداوند عالم آپ کو شاد و آباد رکھے اور زیادہ سے زیادہ آپ سے ایسی دینی خدمات لے جن سے وہ اس کا پیارا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) راضی ہوں۔ والسلام

دعاگو حسنین رضا ۹/۷/۱۰

اوری۔ ضلع اعظم گڑھ ــــــــــــ

سراپا خلوص علامہ نظامی دام ظلہ العالی

ہدیہ سلام مسنون۔ طالب خیر بخیر **اللھم زد فزد**۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو۔ **جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا** قلعہ نجدیت کو ہچکولے میں لانے والی کتاب "خون کے آنسو" میں آپ کی کاوش فکر، بالغ نظری، کثرت معلومات، طرز نگارش انداز تحریر پر مہینوں سالوں داد دی جائے تو حق ادا نہ ہوگا۔ نئی روشنی اور جدت پسندی کا دور ہے وقت کی پکار کے مطابق آپ کی زبان حق ترجمان سے صدائے لبیک نکلی آپ کے حسن تدبر نے مزاج قوم کو سمجھا اگر نان جویں بھی رغبت کے ساتھ مقبول شکم ہوجائے تو توانائی و تندرستی میں غیر معمولی مددگار معاون بن سکتی ہے اور اگر لطیف اور مقوی غذائیں بجبر شکم میں ٹھونس دی جائیں تو صحت انحطاط پذیر ہی ہوگی۔

قصر دیوبندیت کی جیسی جاسوسی اور سراغ رسانی فرمائی حیرت ہے، خود ان کو بھی اپنے گھر کے تمام گوشوں کا اتنا علم نہ ہوا ہوگا۔ خون کے آنسو میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جن

سے ہر مکتبہ فکر ذوق ولذت محسوس کرے گا۔ ادب لطیف کے دلدادے ہوں یا مذہب وملت کے شیدائی یا نقد وتبصرہ کے فدائی، آپ نے اپنی خداداد قابلیت سے بطلان وعدو ان کی خار زار وادیوں میں بھٹکنے والوں کے سامنے لمحہ فکریہ پیش کر دیا۔ غرض یہ گلدستہ محاسن موجودہ دور میں شاہکار تصنیف ہے، ہاتھ میں کتاب آئی تو ختم کئے بغیر چھوڑنے کو طبیعت نہ چاہی اور اختتام پر ذوق مطالعہ تشنہ ہی رہا۔ میں نے اتنی ضخیم کتاب ۴ گھنٹے میں دیکھ لی دوبارہ دیکھنا چاہتا تھا مگر احباب واعزا کے تقاضوں نے ناک میں دم کر دیا۔ ملت اسلامیہ کے ہر فرد سے صمیم قلب سے اپیل کروں گا کہ اس کی اشاعت میں کسی بھی امکانی جدو جہد سے باز نہیں آئیں تاکہ دوسرا حصہ جلد نظر نواز ہوسکے نیز آپ کے جذبہ کرم سے اصرار پیہم کروں گا کہ دوسرے حصہ میں زیادہ تاخیر نہ ہو۔ والسلام مع الاکرام

مجیب الاسلام نسیم اعظمی۔ مدرس مدرسہ عربیہ الجدید

دھوراجی

"خون کے آنسو" کا برسوں سے انتظار تھا۔ بمبئی کی ملاقات میں بابو مشتاق نے کتاب کا ایک نسخہ دیا۔ خلاف معمول کتاب کی ایک ایک سطر دیکھا طبیعت پھڑک گئی؛ دل باغ باغ ہوگیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پوری کتاب حق وصداقت کی آئینہ دار ہے اور بابو مشتاق کی کاوش ذہنی پر غماز ہے۔ دیوبندی عقائد کے ردو ابطال میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں مگر "خون کے آنسو" پہلی کتاب ہے جس کو سنی مکتبۂ فکر کی شاہکار کہا جاسکتا ہے۔

مصنف نے بڑی دیدہ ریزی اور تحقیق سے کام لیا ہے۔ یہ کتاب اس قدر سلجھے انداز میں لکھی گئی ہے کہ کہیں بھی قلم نے سنجیدگی و متنانت کا ساتھ نہیں چھوڑا مصنف کے حق میں میری پر خلوص دعا ہے اور سنیوں سے التماس ہے کہ وہ "خون کے آنسو" ہر گھر میں پہنچا دیں۔

گدائے خواجہ سید عبدالحق قادری چشتی

۷ محرم الحرام سنہ ۱۳۸۱ ھجری

ضلع سیالکوٹ

مولانا المکرم دامت برکاتہم۔ وعلیکم السلام "خون کے آنسو" مل گئی ہے۔ ایک ہی مجلس

ہیں ساری پڑھ ڈالی ہے۔ بڑا لطف آیا اور معلومات میں بھی اضافہ ہوا۔

شاتمان رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعض ایسے عقائد و اعمال کا بھی آپ نے انکشاف فرمایا ہے۔ جن سے غالباً خود ان کے معتقدین بھی واقف نہ تھے یا واقف تھے مگر ان کے اخفا ہی کو بہتر سمجھتے تھے۔ بہر حال آپ کی یہ تالیف اہل سنت کے لئے ایک گرانقدر علمی و تاریخی تحفہ ہے اور مخالفوں کے مقابلہ میں ایک مضبوط حربہ

خدا تعالیٰ آپ کو اس محنت کا اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

ابو النور محمد بشیر مدیر ماہ طیبہ۔ کوٹلی لوہاراں۔ سیالکوٹ

سہسرام ـــــــــ

"خون کے آنسو" کتنی مرتبہ پڑھی اس کا شمار مشکل ہے۔ وقت گزارنے کے لئے جب کبھی ہاتھ میں لی دوسرے تمام کام بھول کر پڑھتا چلا گیا۔ کئی مرتبہ بے ساختہ زبان سے نکل گیا عجیب جنوں خیز کتاب ہے۔ استاد العلماء حضرت مولانا ضیاء الحسن صاحب قبلہ کا یہ عالم کہ کتاب پوری کرنے کے شوق میں پوری رات آنکھوں آنکھوں میں گزاری۔ موصوف نے آپ کی کوشش کو بہت سراہا۔

حاصل اس خامہ فرسائی کا یہ ہے کہ "خون کے آنسو" اپنے موضوع پر ایسی اچھوتی اور لاجواب کتاب ہے جو ہر مکتبہ خیال کے لوگوں کو دعوت فکر و نظر دے رہی ہے۔

اصل میں ہم سنیوں پر یہ الزام ہے کہ علمائے دیوبند کو خواہ مخواہ برا بھلا کہتے ہیں۔ فاضل مصنف نے کتاب میں اسی کی نقاب کشائی کی ہے کہ اصل حقیقت کیا ہے، علمائے دیوبند کے متعلق ہمارے خیالات محض خانہ زاد ہیں یا ٹھوس حقیقت۔

کیا واقعی علمائے دیوبند ایسے ہیں؟ کیا یہ باتیں سچ ہیں؟ کیا ان کے اختلافات کی کچھ حقیقت ہے؟ کیا بریلوی سچے ہیں؟ اسی قسم کے نہ جانے کتنے سوالات ہیں جو آج کے انسانی دماغ میں پیدا ہوتے ہیں، فاضل مصنف نے کتاب میں انہیں سوالات کے جواب دیئے ہیں پھر سب سے بڑی خوبی یہ کہ مصنف نے اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہا انہیں کے فرمودات کو عوام کی عدالت میں پیش کر کے فیصلہ انہیں پر چھوڑ دیا ہے۔

حقیقت یہ کہ تمامی فکر و نظر کے لوگوں کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ تاکہ نفس واقعہ سے غلط پروپیگنڈے کی دبیز تہیں اٹھ سکیں اور اصل حقیقت واضح ہو سکے۔

کتاب پر مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی اور مکتبہ پاسبان کا نام ہونا ہی اس کا علمی ثقاہت کی گارنٹی ہے۔ کتاب کا مطالعہ یقیناً میرے دعوے کی تصدیق کردے گا۔ مصنف اپنی کوشش میں کامیاب اور قابل مبارکباد ہیں۔ فقط

کامل سہسرامی ۲ اگست ۶۱۔

پٹنہ ——————

"خون کے آنسو" وصول پایا۔ پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی۔ علامہ نظامی نے دنیائے سنیت کے لئے بڑا کام انجام دیا ہے۔ دیوبندیوں، وہابیوں کے لئے دنداں شکن جواب ہے۔

(مولانا) محمد اسلام اختر فردوسی

شولاپور ——————

"خون کے آنسو" لکھ کر آپ نے دیوبندیوں کا پردہ چاک کردیا۔ آپ کی ذات گرامی پر جتنا بھی ہم فخر کریں گے کم ہے۔ آپ نے اہل سنت و جماعت پر بڑا احسان کیا ہے۔

سید عبد اللہ چیف قاضی۔ شولاپور

جانس ——————

الحمد للہ خون کے آنسو کی وی۔ پی وصول ہو گئی جو کمی اب سے بہت پہلے سے محسوس کی جارہی تھی بحمد اللہ آپ کے ہاتھوں پوری ہو گئی۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

عبد الوحید خان جانس

احمد آباد ——————

"خون کے آنسو" شروع سے آخر تک دیکھی عجیب انداز سے لکھی ہے کہ ابتک اس کمال کی کتاب رد میں نہیں گزری جو اپنی حیثیت سے انوکھی ہے، امید کہ اور جلدیں بھی اسی انداز کی ہوں گی۔ اور جن لوگوں نے بھی دیکھا بہت پسند کیا۔ مولیٰ تعالیٰ زور قلم اور زیادہ کرے

(مولانا) نثار احمد مبارکپوری مقیم حال احمد آباد

احمد آباد ——————

"خون کے آنسو" جلد اول میری نگاہ سے گزری اور میں نے بالاستیعاب مطالعہ کیا یہ بات قابل قدر ہے کہ اس کے تمام حوالہ جات علمائے دیوبند ہی کے کتابوں سے دیئے گئے ہیں۔ ان کی کتابوں کا مکمل ریسرچ کرنے کے بعد آپ نے روز روشن کی طرح ظاہر فرمادیا کہ

واقعی دیوبندی ملاؤں نے اللہ اور اس کے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شان ارفع و اعلی میں گستاخیاں کی ہیں۔ اس کتاب نے تو ایوان باطل میں زلزلہ پیدا کر دیا اور عقائد باطلہ کی دھجیاں اڑ گئیں دور حاضر میں امت مسلمہ کو ایسی جامع اور مدلل کتاب کی اشد ضرورت تھی جس کمی کو جناب والا نے پورا فرما دیا۔

سید برھان الدین صدر تبلیغ سیرت احمد آباد

کانپور

"خون کے آنسو" کو اپنی امید سے زیادہ بلند پایا۔ آپ کی کاوش اور ریسرچ پر جس قدر بھی آپ کی تحسین کی جائے کم ہے اس کتاب نے ہر وہابی دیوبندی کا سر نیچا کر دیا۔ دلائل کی پختگی اور انداز تحریر نے چار چاند لگا دیئے ہیں جس قدر سلجھے پیرائے میں خون کے آنسو کی ترتیب دی گئی ہے وہ آپ کا اپنا حق ہے جس نے بھی کتاب کو دیکھا تحسین و آفریں کہے بغیر نہ رہ سکا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں آپ نے ہم سب کا سر اونچا کر دیا۔

(مولانا) ظهیر الدین خادم سنی جمیعۃ العلماء کانپور

مالیگاؤں

مدت ہوئی آپ نے خون کے آنسو کا تذکرہ کیا تھا۔ اب مطالعہ سے گزر گئی اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود پوری کتاب کو دیکھا۔ جتنی دیانت و امانت سے آنعزیز نے حوالہ جات کو اکٹھا کیا ہے اس پر ایک میں ہی نہیں بلکہ ہر انصاف پسند آپ کو مبارکباد دے گا۔ رد میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں ہیں لیکن خون کے آنسو اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس نے ہر دل و دماغ کو بڑا اثر کیا ہے۔ کتاب دیکھ کر دل باغ باغ اور بے ساختہ زبان سے دعائیں نکل آئیں۔ خون کے آنسو دیکھنے کے بعد اشتیاق بڑھ گیا کہ جلد سے جلد آپ کی کتاب "معیار حق" منظر عام پر آجائے جس کا آنعزیز مجھ سے تذکرہ کر چکے ہیں۔ خداوند کریم آنعزیز کو صحت و سلامتی سے رکھے اور دین متین کا آپ سے زیادہ سے کام لے آمین۔

(مولانا) محمد صدیق اعظمی اشرفی۔ خادم دار العلوم اشرفیہ اہلسنت مالیگاؤں

کچھوچھہ شریف

آپ کی گراں قدر قابل فخر کتاب "خون کے آنسو" نظر سے گذری تمثیلات، نظائر و شواہد

سے واقعات و حقائق کی صحیح اور سچی تصویر آپ نے کھینچ کر رکھ دی ہے بلاشبہ معاندین و مکابرین پر روشن حجت اور دلیل قاطع قائم کردی گئی ہے۔ مجھے تو کتاب مذکور کی سطر سطر اور لفظ لفظ سے ایمان و عرفان کی حلاوت محسوس ہوئی۔ امید ہے کہ یہ کتاب ارباب نظر اور اہل بصیرت کے لئے مشعل راہ اور اہل یقین و اذعان کے لئے مزید اطمینان قلب کا باعث ہوگی۔ اہل انصاف سے راہ حق قبول کرنے کی امید ہے۔ اللہ تعالیٰ مذبذبین مرتابین کو اس کے ذریعہ ہدایت نصیب فرمائے۔

(مولانا)سید حمید اشرف کچھوچھوی
مدرس احسن المدارس کانپور

ہمت نگر ــــــــــ

"خون کے آنسو" نظر سے گزری بے حد پسند آئی ایسی مدلل و سنجیدہ کتاب تک نظر سے نہیں گزری تھی۔ آپ کی محنت و کاوش قابل داد ہے۔

(مولانا) عبد الستار ہمت نگر

چھپرا ــــــــــ

"خون کے آنسو" شروع سے لے کر آخر تک پڑھی بے حد خوشی ہوئی خدا کی ذات سے امید ہے کہ مسلمانوں کو اس سے فائدہ پہونچے گا۔ ہماری دعا ہے کہ پروردگار عالم آپ کی اور تمام علمائے اہل سنت کی عمر دراز فرمائے تاکہ دین متین کی خدمت ہوتی رہے۔

(مولانا) ظفیر الحسن دار العلوم نعیمیہ چھپرہ

جالون ــــــــــ

ایک مدت سے "خون کے آنسو" کے لئے طبیعت بے چین تھی۔ آپ نے واقعی اس پر فتن دور میں مذہب اہل سنت کا بہت بڑا کام انجام دیا اور وقت کی بڑی کمی کو پورا کیا۔ حقائق کو سامنے لاکر بے دینیوں ضمیر فروشوں کے پوشیدہ کرتوتوں کو بے نقاب کر کے عوام کو صحیح حالات سے روشناس کرایا

محمد صادق سکریٹری جمیعۃ العلماء، کونچ، ضلع جالون

ہوزہ ــــــــــ

آپ نے یہ معرکۃ آلارا کتاب مسمّٰی بہ خون کے آنسو تصنیف فرماکر سنیوں پر احسان عظیم

فرمایا اور دیوبندیوں کو راہ ہدایت دکھایا۔ کیا اچھا ہوتا کہ دیوبندی حضرات اس کو سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کرتے اور اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچتے۔ اب تک جو سنی علماء کرام ان کے کفری اقوال کی تردید کتاب و سنت کی روشنی میں کرتے رہے۔ اس پر وہ چنیں بہ جبیں ہو کر سنیوں کا شور و شر کہہ کر دامن چھڑاتے رہے اب ان کے ہی گھر کے حوالہ جات سے ان کے اقوال کا کفری ہونا یا قابل نفریں ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ اب دیکھا جائے کہ وہ کون سا پینترہ بدلتے ہیں اور من گڑھت تاویلات سے دامن بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں

خداوند قدوس آپ کی عمر میں برکت فرمائے اور ایسی ہی دوسری تصنیف کی توفیق عطا فرمادے تاکہ حق و باطل آشکارا ہو جائے۔ غرضیکہ خون کے آنسو کی تعریف جتنا بھی کی جائے کم ہے۔ یہ کتاب تعریف کی محتاج نہیں ہے۔ صحیح معنوں میں آپ نے وقت کے تقاضوں کو پورا کیا ہے۔ میری بہت دنوں سے تمنا تھی کہ کوئی ایسی کتاب تصنیف ہو جس میں دیوبندیوں کو اعتراض کرنے کا موقع نہ ملے بے شک یہ کتاب ایسی مدلل ہے کہ کسی کو چوں چرا کرنے کی ہمت نہ ہوگی۔ آپ نے جو کچھ حوالہ دیا ہے انہیں کے بزرگوں کی تصنیف کی ہوئی کتاب سے بے شک یہ کتاب بے مثال اور لاجواب ہے۔

میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کو توفیق دے کہ ایسی ہی نایاب کتاب تصنیف کرتے رہیں۔ خدا اس کا اجر دے گا۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد ہر مسلمان حق و باطل کا فیصلہ کرلے گا فقط و السلام

(حافظ) محمد اسلام ہوڑہ

سلطان پور

ردوہابیہ دیابنہ میں کتابوں کا لکھنا یہ پرانی بات ہے مگر جس انداز سے آپ نے "خون کے آنسو" میں خشک مضامین کو انتہائی دلچسپ و دل آویز بنا دیا ہے۔ یہ ایک بالکل نیا طریقہ ہے، جہاں آپ مضامین کے فراہم کرنے اور اس کی ترتیب دینے میں مستحق داد اور اس سے کہیں زیادہ ایک نئے اسلوب بیان و جدید طرز نگارش پر قابل مبارکباد و لائق تحسین ہیں۔

یہ دیکھ کر جی بہت خوش ہوا کہ کتابت، طباعت اور ٹائیٹل پیج کو دیدہ زیب بنانے میں دفتر پاسبان نے بڑے حوصلہ سے کام لیا ہے۔ ورنہ اس بارے میں عام طور پر لوگوں کا بڑا گرا

ہوا مذاق ہے۔

محمد سلیم۔ مہتمم جامعہ عربیہ

فیض آباد ——————

خطیب ملت حضرت مولانا المحترم زاد فضلکم و عنایتکم

مزاج عالی: السلام علیکم

آپ کی معرکتہ آلارا تصنیف خون کے آنسو کا اول ہی فرصت میں غائر نظر سے مطالعہ کیا۔ کتاب کا افادیتی پہلو روشن و تابناک ہے۔ دیوبندیت کے نام نہاد وجبہ و دستاروں والے مولویوں کے کرتوت منظر عام پر آگئے۔ سنی حضرات جلد از جلد اس کتاب کا مطالعہ کر کے اپنے ایمان کو ترو تازہ کریں اعلاء حق و ابطال باطل کا جو جیتا جاگتا ثبوت آپ نے دیا ہے اس کے ہزار بار آپ لائق مبارکباد ہیں۔ رب کریم کی بارگاہ بے نیاز میں دعا ہے کہ مذکورہ کتاب کو شرف قبولیت سے نواز تے ہوئے آپ کی قوت تحریر و تقریر کو قائم رکھے۔ کاش سنیت آپ کی ذات اقدس سے اجاگر ہو اور پھلے پھولے فقط

آپ کی دعاؤں کا محتاج

مشتاق احمد صدر مدرس اشرف العلوم

براؤن شریف ضلع بستی ——————

"خُون کے آنسو"

میری نظر میں

خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی صاحب صرف تقریر و خطابت ہی کے بادشاہ نہیں بلکہ اسلامی طرز فکر کی حامل تحریر و انشا کے بھی ایک ممتاز منفرد تاجدار ہیں —— آپ نے "**ادع الی سبیل ربک بالحکمه و الموعظه الحسنه**" کی روشنی میں اسلام و سنیت کی قابل قدر خدمت انجام دی اس کی پوری دنیائے اسلام معترف ہے۔

رب العالمین آپ کے وجود مسعود کو حوادث روزگار سے محفوظ رکھے اور صحت و عافیت، سکون و اطمینان کی دولت سے نوازے۔۔۔۔!

حضرت ممدوح کی تازہ ترین گرانمایہ تصنیف "خُون کے آنسو" جو عام کتابی سائز کے دوسو

چھپن صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اہلسنت کے لٹریچر میں قابل صد ستائش اضافہ ہے۔ افادی حیثیت سے اس کی جس قدر بھی تعریف کی جائے کم ہے اس ہوش ربا دو ہمت شکن دور میں جب کہ مارکیٹ میں فحش افسانوں کے مجموعے، مخرب الاخلاق ناولیں اور جنسیات میں ہیجان پیدا کرنے والے رسائل و جرائد بکثرت چھائے ہوئے ہیں، ایسی کتاب جو ازابتدا تا انتہا مذہبی رنگ میں رنگی ہوئی ہو منظر عام پر لانا یقیناً جوئے شیر لانے کے مترادف اور نہایت جرائت و ہمت کی بات ہے

ع "ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند"

"خون کے آنسو" عصر حاضر اور مذاق وقت کے زبان و ادب کی مکمل رعایت کے ساتھ انصاف و دیانت کے تمام تقاضوں کو پورا کر رہی ہے اس کے مضامین اگر ایک طرف خرمن وہابیت و دیوبندیت پر بجلی کی طرح گرتے ہیں تو دوسری طرف پرستاران حق و حامیان اسلام و سنیت کے چمن زار کے لئے حیات افروز و ایمان پرور بہار ثابت ہو رہے ہیں........!

اس کتاب کے تمام افادی پہلو پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک طویل و بسیط مضمون درکار ہے جس کا اس وقت موقع نہیں ہے۔ اس کی خصوصیات میں سب سے عظیم خصوصیت جو اس کو ایک مقام پر فائز کر رہی ہے یہ ہے کہ وہابیت دیوبندیت کی اعتقادیات و عملیات کی جس قدر بھی گندگیاں بے نقاب و طشت از بام کی گئی ہیں ان کے ثبوت میں خود پرستار ان وہابیت و دیوبندیت کی کتابوں سے حوالے پیش کئے گئے ہیں تاکہ اس بدنام و رسوائے زمانہ قوم کا کوئی فرد انکار و تردید کی جرات نہ کرسکے اور کف افسوس ملتا ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی سانس لینے پر مجبور ہو جائے........!

ایمان و اعتقاد کی حفاظت و بقا اور وہابیہ دیابنہ کو دندان شکن جواب دینے کے لئے اس کتاب کا ہر مسلمان کے گھر میں رہنا ضروری ہے۔

میں حضرت مصنف دام ظلہ العالی کی خدمت میں عرض کروں گا کہ وہ اس مفید و پاسبان ایمان و عمل کتاب کا دوسرا حصہ بھی جس قدر جلد ممکن ہو منظر عام پر لانے کی کوشش کریں۔

مخلص ـــ محمد صابر القادری نسیم بستوی

مدرس دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف ضلع بستی (یوپی)

آرہ۔ شاہ آباد ـــــــــ

برادر گرامی حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی سلام مسنونہ بصد خلوص و عقیدت!

"خون کے آنسو" وقت و ماحول کے تقاضا پر آپ کی قابل قدر تصنیف ہے۔ جو بھی پڑھتا ہے ایک صحیح اور محکم فیصلہ کئے بغیر نہیں رہتا۔ انداز بیان کی پاکیزگی اور دلائل و براہین کی جامعیت دیکھ کر دل سے دعا نکلتی ہے ـــــــ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ نے جو اس کتاب کی تصنیف میں راہ و روش اختیار کی ہے بڑی پیاری ہے خداوند کریم نے جسے عقل سلیم و فہم و فراست عطا فرمای ہے وہ اس کتاب کو پڑھ کر دیوبندیت کے خدو خال کو نمایاں دیکھ کر ایک صحیح راہ ضرور مقرر کرلے گا ہاں جسے خدائے تعالی نے عقل ہی نہ دی ہو وہ بیچارہ مجبور محض ہے۔

میرا ابتداہی سے یہ نظریہ ہے کہ موجودہ دور کے فضلائے دیوبند اپنے اکابرین کی ناشائستہ اور توہین آمیز کتابوں پر دل سے نالاں ہیں مگر زبان سے وہ باتیں نہیں کہتے جو قرآن و حدیث کا فیصلہ ہے۔

خون کے آنسو جلد دوم کا انتظار ہے۔ مولی تعالی آپ کے علم و عمل میں کافی سے کافی ترقی دے تاکہ آپ قوم کی رہنمائی کر سکیں۔

طالب دعا۔ شبنم کمالی مظفر پوری

صدر مدرس مدرسہ وحیدیہ۔ آرہ شاہ آباد

بحر العلوم کنبہار ـــــــ

محب مخلص خطیب مشرق فاضل گرامی حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی مد ظلہ العالی سلام مسنون! بخیرم و خواہان خیر نیز آپ کی قابل دید تالیف جدید مسمی بہ "خون کے آنسو" مطالعہ سے گزری۔ اس کے ظاہری اوصاف اور معنوی خوبیوں نے ایسا مسحور کر دیا کہ علالت طبع کے باوجود اتنی ضخیم کتاب کا مطالعہ ایک ہی نشست میں محض چھ گھنٹے میں ختم کیا بے ساختہ زبان سے صدائے تحسین نکلی۔ مضمون دلچسپ اور انداز بیان انوکھا ہے طرز نگارش شائستہ اور ذوق افزا ہے اپنے کیا غیر بھی مطالعہ سے کیف و لذت محسوس کریں گے۔ رد وہابیہ میں جو نئی راہ آپ نے پیدا کی ہے اور نہایت ہی اعتدال پسندی کے ساتھ ان کے خیالات و کردار کی جھلک انہیں کی تحریروں سے پیش کرکے ان کی بیخ کنی کو جو پسندیدہ اور سنجیدہ روش آپ نے اختیار کی ہے آپ ہی کا حصہ ہے کہ اتنی ضخیم کتاب کے اندر بھولے سے بھی سنجیدگی و متانت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹ سکا اور جذباتی ہیجان بھی اعتدال پسندی کی راہ میں حائل نہ ہو سکا۔ ایسی نئی

معلومات آپ نے فراہم کی ہیں جن سے عوام کیا طبقہ خواص بھی نا آشنا تھا بلکہ خود دیوبندیوں کو بھی اپنے اندرون خانہ کی خبر نہ تھی اور اپنے گھر کے تمام گوشوں کا علم نہ تھا۔ اکابر دیوبند نے اپنے عقائد کے مکروہ و نازیبا اور اپنے کردار کے گندے اور گھنونے چہرے کو مکرو فریب کے حسین ڈوپٹے اور دیدہ زیب نقاب سے چھپار کھا تھا۔ اور حقیقت سے بے خبر عوام بناوٹی حسن اور ظاہری زیب و زینت پر فریفتہ ہو رہے ہیں آپ نے بھری محفل میں ان کا ڈوپٹہ کھینچ کر اصلی صورت دنیا کو دکھا دی اور ان کی عیاری و تقیہ بازی کا نقاب سر بازار الٹ کر بیچ چورا ہے پر بے حجاب کر دیا کہ ہر دیکھنے والا ان کے عیوب و نقائص سے آگاہ ہو جائے۔ یقیناً آپ کی نئی دریافت قابل داد اور آپ کی ذہنی کاوش لائق مبارکباد ہے۔ ملت اسلامیہ کے ہر فرد بشر سے میری مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ ضرور اس کتاب کا مطالعہ کریں اور حلقہ احباب کو بھی مطالعہ پر ابھاریں۔ بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ سنی مکتبہ فکر کے تمام مدارس و مکاتب میں اس کا مطالعہ طلباء کے لئے ضروری قرار دیا جائے تاکہ ان کی معلومات میں غیر معمولی اضافہ ہو جائے اور جب کبھی گندم نما جو فروش سے ملاقات و گفتگو ہو تو ان کی صورت انہیں کے آئینہ میں دکھا دی جائے۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

آپ کا اپنا۔ **محمد مشتاق احمد غفر لہ مظفر پوری**

خادم شعبہ تدریس وافتاء، جامعہ لطفیہ بحرالعلوم کٹیہار

اترولہ ـــــــــ

پاسبان قوم زندہ باد!

سلام مسنون " خون کے آنسو " موصول ہوئی انتہائی لذت محسوس کرتے ہوئے مکمل پڑھ ڈالی دیوبندیت کے راز ہائے سربستہ کا انکشاف، اندرون خانہ کی نوک جھونک حسین و دلچسپ انداز میں بیان کرنا آپ ہی کا حصہ ہے طرز تحریر کی خوبیاں ناقابل بیان ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک دریا بہتا جا رہا ہے۔ الفاظ کی موزونیت و دلکشی، شیریں بیانی، اشعار کا تطابق، بے پایاں معلومات، فاضل علوم مشرقیہ کی تائید کرتے ہیں۔ دیوبند کی چہار دیواری آپ نے بہت قریب سے دیکھی ہے۔ آپ گھر کے رازی تو نہیں مگر بھیدی ضرور ہیں۔ ایک ایک جلد گنگارام جمنا داس کے پاس بھیجوا دیجئے۔ اب بھی اگر دیوبندی دھرم نہ سمجھے تو اس سے

خدا مجھے۔
منظور ہے اس بزم میں اصلاح مفاسد
نشتر جو لگاتا ہے وہ دشمن نہیں ہوتا
دوسری جلد کب ملے گی؟ مزاج گرامی تو بخیر ہوگا؟

تراب علی رضوی صدرالمدرسین مدرسہ
ضیاء الاسلام جامع مسجد اترولہ ضلع گونڈہ

بلیا

ذوالمجدوالکرم حضرت مولانا المحترم زید مجدکم   السلام علیکم ورحمۃ

گرامی نامہ نظر نواز ہوا۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔ بذریعہ حضرت شیخ التجوید اشرفیہ مبارک پور آپ کی تازہ تصنیف "خون کے آنسو" ملی۔ ایک ہی نشست میں پوری کتاب من اولہ الی آخرہ پڑھ ڈالی، ماشاء المولی تعالی کتاب مذکور اپنی نوعیت میں خود اپنی نظیر ہے۔ دنیائے سنیت کے لئے بہترین سرمایہ اور مخالفین کے لئے مشعل راہ ہے۔

اختلافی مسائل (مابین اہلسنت و دیابنہ) کو دلچسپ پیرایہ اور عام فہم زبان میں سمجھانے کی سعی کی گئی ہے۔

علمائے دیوبند کی رسول دشمنی اور ان کی توہین آمیز عبارتوں اور پھر ان کی تاویلات کو اچھی طرح اجاگر کیا گیا ہے۔

میرے خیال میں اگر دیوبندی صاحبان اپنی آنکھوں سے تعصب کی عینک ہٹا کر سنجیدگی کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کریں تو ہو سکتا ہے کہ صراط مستقیم نصیب ہو۔

مولائے قدیر بطفیل اپنے پیارے حبیب و محبوب دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے علم و عمل میں روز افزوں ترقی عطا فرمائے۔ آمین

سبحان اللہ القادری الامجدی غفرلہ
خطیب جامع مسجد و مدرس اول مدرسہ رشیدیہ مصباح العلوم محلہ بشنی پور شہر بلیا۔ (یوپی)

احمد آباد

قطعہ تاریخ

سنیوں کے لئے حقیقت میں   مونس غم ہیں خون کے آنسو

نجدیوں کی رگیں کترنے کو　　تیغ دودم ہیں خون کے آنسو
فلک عشق سے گرے ہیں یہ　　سرخ شبنم ہیں خون کے آنسو
کہتے ہیں حالت وہابیت　　ساغر جم ہیں خون کے آنسو
نجدیت کی تباہیوں کے لئے
ایٹمک بم ہیں خون کے آنسو

۱۳۸۱

بھیکی پور

عزیز گرامی قدر مولوی انوار احمد نظامی سلمہ دعوات وافرہ مطالعہ نمائند۔ پرسوں ۱۳ دسمبر کو چہار شنبہ کے دن میرے غریب خانہ پر مولانا محمد سلیم صاحب سلطانپوری بسلسلہ چندہ مدرسہ عربیہ سلطان پور تشریف لائے مولانا کے ساتھ حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی کی تالیف کردہ کتاب خون کے آنسو کی پہلی جلد تھی،

جس کو میں نے مولانا سے لے کر پڑھنا شروع کیا، اس قدر محویت پیدا ہوئی کہ میں ساری رات کتاب پڑھتا رہا۔ صبح کو چونکہ مولانا تشریف لے جانے والے تھے اس لئے بالاستیعاب نہ پڑھ سکا لیکن میں کتاب کے مطالعہ سے ان نتیجہ پر ضرور پہنچا کہ دنیائے سنیت میں اس کتاب خون کے آنسو سے بہتر جو قصر وہابیت دیوبندیت میں زلزلے ڈال دے کوئی دوسری کتاب لکھی نہیں گئی۔ میرے خیال میں اس کتاب کا ہر مسلمان صاحب ایمان کے گھر میں ہونا ضروری ہے۔ ہر مسلمان کے لئے اس کتاب کا پڑھنا ضروریات دین سے ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اس کتاب کے اکثر و بیشتر نسخے وہابیوں دیوبندیوں اور ندویوں کے یہاں بھی پہنچ جائیں ممکن ہے مولی تعالی ان کو اس کتاب کے مطالعے کی برکت سے توبہ کی توفیق عطا فرمادے۔ مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی کی ذات گرامی قابل صد ہزار تحسین ہے کہ انہوں نے باطل کی نقاب کشائی فرما کر احقاق حق کیا مولانا تعالی انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور کتاب کو مقبول خاص و عام بنائے آمین کتاب خون کے آنسو کی دونوں جلدیں اپنی پہلی فرصت میں بسبیل ڈاک ذیل کے پتے بذریعہ وی پی روانہ فرما کر مشکور فرمائیے۔ وی پی وصول کرلی جائے گی اطمینان رکھئے۔ اگر جلد ثانی طبع نہ ہوئی ہو تو پہلی جلد فوراً ہی بھیجدیجئے۔ مولانا مشتاق احمد صاحب اور ان کے والد ماجد صاحب کی خدمت میں سلام مسنون

پیش کیجئے بقیہ سب خیریت ہے فقط والدعا

(میرا پتہ یہ ہے)

احقر جلال الدین التاجی قادری رضوی

موضع بھکی پور۔ ڈاک خانہ فتح پور۔ ضلع رائے بریلی

(میں کتاب کا نہایت بےچینی سے انتظار کروں گا۔ بہت ہی جلد بھیجئے گا)

۱۵ دسمبر ۶۱ء بروز جمعہ مبارکہ

مظفر پور

حضرت علامہ مولانا المولوی مشتاق احمد صاحب نظامی

اطال اللہ عمرہ و جلد قدرہ   سلام حمت و مسرت!

کتاب مسمی خون کے آنسو نظر سے گزری، بڑی خوشی ہوئی۔ بنظر عمیق مطالعہ کیا—— فرط ذوق و شوق نے کتاب کے اختتام پر مجبور کر دیا۔ ایک ہی جلسہ میں پوری کتاب از اول تا آخر پڑھ گیا اس کی توصیف و تعریف سے میں قاصر و عاجز ہوں۔

فی الحقیقت اس پر آشوب دور میں اس نوعیت کی کتاب کی اشد کمی محسوس کی جارہی تھی جس کمی کو علامہ فاضل علوم مشرقیہ نے پورا فرمادیا۔

علامہ کی مذکورہ تصنیف نے تو ایوان وہابیت و دیوبندیت میں زلزلہ پیدا کر دیا ہے اور گندم نما جو فروش کے دام تزویر کو خوب چاک کیا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ مولی تعالیٰ اپنے حبیب کے طفیل میں فاضل مصنف کو مذکورہ نوعیت کی کثیر کتابوں کے لکھنے کی مزید توفیق عطا فرمائے اور مذکور کتاب کو قبولیت عامہ کا شرف بخشے۔ آمین حضرت مولانا انوار احمد صاحب خوش باش

فقیر محبوب عالم قادری تیغی مظفر پوری

صدر المدرسین مدرسہ ضیاء العلوم۔ موضع مرزا پور۔ پورنیہ (بہار)

فیض آباد

کرم فرما زاد مجد کم   السلام علیکم مزاج گرامی!

کتاب خون کے آنسو بذریعہ وی پی پوسٹ موصول ہوئی۔ دوسرا حصہ اگر طبع ہو چکا ہے تو فوراً روانہ فرمائیں عین نوازش ہوگی۔ جناب نے بڑا احسان کیا ہے کہ "خون کے آنسو"

تصنیف فرما کر بھولے بھالے نادان مسلمان کو دام فریب سے آگاہ کر دیا۔ پوشیدہ کرداروں کو سب کے سامنے رکھ دیا۔ اب جس کا جی چاہے مانے یا نہ مانے اپنا سر کھائے۔ آپ نے نیک و بد سب کچھ سمجھا دیا جو ایک مخلص کا کام تھا کر دکھلایا اللہ پاک اجر عظیم عطا فرمائے آمین! بیشک ہم جن کے ہیں انہیں کا دم بھرتے رہیں گے۔ اللہ پاک بے نیاز ہے۔ جو کچھ کیا اپنے حبیب لبیب کے واسطے اور کل انہیں کے حوالے کر کے مختار کل بنا دیا حتی کہ ان کی ہر ادا کو اپنا لیا۔ سبحان اللہ کیا ذات مظہر صفات ہے۔ والسلام

جناب کا خادم حقیر فقیر مذنب عبدالقدیر اشرفی
جلال پوری ثم فیض آبادی عفی عنہ (پوسٹ جلالپور ضلع فیض آباد)

نیپال

مکرمی جناب منیجر صاحب مکتبہ پاسبان
السلام علیکم مزاج شریف!

"خون کے آنسو" کی وی پی بڑے انتظار کے بعد ملی، شروع سے آخر تک ایک ہی نشست میں دیکھ ڈالا۔ مدیر "پاسبان" کا یہ قلمی شاہکار جہاں غلامان رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کو خون کے آنسو رلاتا ہے وہیں وہابیت، دیوبندیت کے چہرے سے نقاب پلٹ دیتا ہے جس سے ان کی کریہہ صورتیں سامنے آجاتی ہیں اور بیساختہ زبان پر آجاتا ہے"

عجیب زمانہ نے ہے کھایا پلٹا — داڑھی لمبی ہے عقیدہ الٹا

"خون کے آنسو" حصہ دوم اور "دو مجاہد" کی کب تک اشاعت ہو رہی ہے علامہ نظامی صاحب کی خدمت میں سلام پیش کر دیجئے زیادہ حد ادب فقط والسلام

محمد رفیق القادری رضوی صدر مدرس مدرسہ نور العلوم۔ بہادر گنج۔ راج نیپال

گونڈہ

منیجر پاسبان مدظلہ العالی سلام نیاز!

علامہ خطیب مشرق کے گرانقدر تصنیف خون کے آنسو کو دفتر پاسبان میں دیکھا مولانا انوار احمد نظامی مدظلہ العالی نے کرم فرما کر زیارت کے لئے دیا۔ بیساختہ قلب سے آواز نکلی خطیب مشرق زندہ باد ادارہ پاسبان پائندہ باد۔

اس دور پر فتن میں درحقیقت عوام کو جس تصنیف کی ضرورت تھی اسے ادارۂ پاسبان

نے پورا فرما دیا۔

سنیو! اب بھی وقت ہے آنکھیں کھولو اور ادرۂ پاسبان کی ہر ممکن خدمت کرو تا کہ مولانا محترم تمہارے دوسرے دینی ضروریات کو پورا فرمانے کی کوشش کریں۔ خون کے آنسو در حقیقت ایک ایسی تصنیف ہے جس سے قبل میرا خیال ہے کہ دوسری کتاب مارکٹ سینٹ میں میں نے نہیں دیکھی اور مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی مدظلہ العالی کو تہنیت مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

دعا ہے کہ مولیٰ عزوجل اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم کے صدقے میں آپ کو زور قلم عطا فرمائے آمین ثم آمین

آپ کا ابو البیان مصباح الرضا محمد احمد ماہر رضوی گونڈوی

رائے بریلی

مکرمی حضرت مولانا انوار احمد صاحب نظامی دامت برکاتہم العالیہ

سلام مسنون!

کتاب مبارکہ خون کے آنسو حصہ اول مولفہ حضرت بابرکت خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی مدظلہ العالی بذریعہ وی پی پارسل دستیاب ہوئی کتاب مبارکہ کو پڑھ کر بہت مسرت ہوئی دنیائے سنیت پر فاضل مصنف نے اس کتاب کو مرتب فرما کر بہت ہی زبردست احسان عظیم فرمایا ہے کتاب کے پہلے حصہ کو پڑھ کر دوسرے حصہ کا سخت اضطراب کے ساتھ انتظار ہے یہ کتاب کیا ہے گویا کوزہ میں سمندر بند کیا گیا ہے۔ یہ ایک بیش قیمت علمی تحفہ ہے اہلسنت و جماعت کے لئے اس کتاب مبارکہ نے بڑے اچھوتے انداز میں وہابیت کی نقاب کشائی کی ہے دعا ہے کہ رب تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب واقف کل غیوب منزہ عن العیوب علیہ الصلوۃ والسلام کے صدقہ و طفیل میں مولف صاحب کا سایہ تا قیام قیامت اہل سنت و جماعت پر قائم رہے امین۔

فقیر عبد مصطفی محمد اسحق خاں قادری الوارثی و قادری الرضوی الحشمتی وقادری چشتی اشرفی عفرلہ (خلیفہ ماذون و مجاز در سلاسل عالیہ قادریہ رضویہ و قادریہ چشتیہ اشرفیہ) بانی و مہتمم مدرسہ غوثیہ اسلامیہ اریانواں

ڈاکخانہ شنکر گنج۔ ضلع رائے بریلی (یوپی)

مدینہ منورہ

حضرۃ الفاضل جناب علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی فضلکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ "خون کے آنسو" حضرت قبلہ جناب مولانا مولوی ضیاء الدین صاحب قادری نے اس حقیر کو بغرض مطالعہ عنایت کی۔ اکثر اس قسم کی کتابیں حضرت مولانا صاحب موصوف عنایت کیا کرتے ہیں، مگر جو خوبی آپ کی مذکورہ بالا کتاب میں پائی گئی وہ کہیں دیکھنے میں نہیں آئی۔ جن حقائق کو آپ نے مخالف گروہ کی کتابوں کے حوالہ جات سے بیان اور ظاہر کیا ہے در حقیقت "ان کا جوتہ ان کے سر" کے مصداق ہے۔ فی الحقیقت آپ نے عام مسلمانوں کے ساتھ بڑا احسان کیا ہے۔ جن کو ہمارے علمائے سو اور قوم کے رہنماؤں نے "فٹ بال" بنا رکھا ہے۔ خدا کرے عوام مسلمان ان حقائق کو پڑھیں اور پھر سوچیں اور ہدایت پائیں۔ آمین۔

اللہ رب العزت آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر طرح محفوظ رکھے آمین۔

آپ کا دوسرا حصہ بھی ضرور قبلہ محترم مولانا صاحب موصوف کے پاس انشاء اللہ پہنچے گا اور انشاء اللہ العزیز اس کا بھی مطالعہ یہ حقیر ضرور کرے گا جس کا بے حد اشتیاق ہے۔

آپ نے جس قدر محنت اور وسیع مطالعہ کے بعد اپنی مذکورہ بالا کتاب کو ترتیب دے کر حقائق کو بیان فرمایا ہے قابل تحسین و داد ہے اور دعا ہے کہ خداوندی تعالیٰ آپ کے ان جذبات اور زور قلم میں اضافہ فرماتے ہوئے صحیح معنوں اور خلوص کے ساتھ خدمت خلق کی توفیق عطا فرمائے آمین

کار لائقہ سے ہمیشہ اس حقیر کو یاد فرماتے رہیں فقط والسلام

محمد عبدالغنی عفی عنہ مہاجر مدنی

سلطانپور

محبی مولانا انوار نظامی!

خون کے آنسو پر تبصرہ یہ میرا منصب نہیں البتہ جب یہ معلوم ہوا کہ آقاء نعمت حضورت مفتی اعظم ہند کے ایماء پر موصول ہونے والی رائیں بنام "خوشی کے آنسو" شریک

اشاعت کرلی جائیں گی تب یہ جرات ہوئی کہ میں بھی اس میں شامل ہوجاؤں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خون کے آنسو اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس نے انداز تنقید وطرز تبصرہ کی ایک نئی راہ پیدا کردی۔ خطیب مشرق علامہ نظامی اپنی اس کاوش میں تنہا مستحق داد نہیں بلکہ انہوں نے ہم سب کا سر اونچا کردیا جس کو ہم ہر سوسائٹی میں پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔

مکتبہ پاسبان خون کے آنسو کی اشاعت پر قابل مبارکباد ہے۔

آپ کا ساتھی

محمد اسلم صدر مدرس مدرسہ جامعہ عربیہ سلطانپور

بمبئی ــــــــــــ

عصر حاضر کی عدیم المثال کتاب، خون کے آنسو میری نظر سے گزری اس کے محاسن اور سند قبولیت کی یہ ایک روشن دلیل ہے کہ ماضی قریب میں کوئی کتاب اس سے زیادہ بمبئی کے مارکیٹ میں اپنا نام نہ پیدا کرسکی۔ آج اپنے وغیر ہر اک انجمن میں اس کا تذکرہ ہے اور بگڑے ہوئے ذہن وفکر کے سنوارنے میں خون کے آنسو خود اپنی مثال ہے بمبئی کی دنیا جلد دوم کا بے چینی سے انتظار کرہی ہے۔ خون کے آنسو آنے والی نسل کے لئے نشان میل کا کام دے گی۔

حفیظ الرحمن خطیب عرب مسجد مدنپورہ

برھان پور ــــــــــــ

ایک مدت سے کتابوں کے مطالعہ کا موقع ہی نہیں ملتا کچھ تواوراد ووظائف کی مشغولیت اور کچھ مریدین کے متعدد کام کی مصروفیت جس کے باعث یہ سلسلہ ہی جاتا رہا لیکن خون کے آنسو پہلی کتاب ہے جس نے سوئے ہوئے ذوق مطالعہ کو جگادیا اور اس کی ایک ایک سطر پڑھنی پڑی دل بہت خوش ہوا کہ حالات کے بالکل صحیح تقاضے پر یہ کتاب منظر عام پر لائی گئی ہے۔ یہ کتاب ایک میرے ہی نہیں بلکہ کروڑوں مسلمانوں کے دل کی ترجمان ہوگئی۔ عزیزی مولانا نظامی آپ دعائے درویشانہ قبول فرمائیں اور دین حق کی خدمات انجام دیتے رہیں۔

عبد الغفور اشرفی ناظم مدرسہ اشرفیہ اظہار العلوم برہان پور

بڑودہ ــــــــــــــــــــ

بابو عبد الرشید ارشد نظامی

یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی آن عزیز خوشی کے آنسو کی ترتیب دے رہے ہیں میری بھی چند سطریں شامل کرلیجئے گا۔ میری نظر میں خون کے آنسو پہلی کتاب ہے جس نے سنی مکتبہ فکر کو تنقید تبصرہ کا ایک نیا انداز بخشا ہے اور وہابیہ دیابنہ کے حق میں لمحہ فکریہ ہے، اس کتاب نے بہت سے وہ نوجوان جن کے قدم ڈگمگا گئے تھے ان کو سنبھالا دیا۔ خطیب مشرق علامہ نظامی اور عزیزی مولانا انوار نظامی سے سلام کہدیں

سید عظیم الدین خانقاہ رفاعیہ: بڑودہ

رائے پور ــــــــــــــــــــ

شدید انتظار کے بعد خون کے آنسو موصول ہوئی، مطالعہ سے پہلے اس کی تعریف سن چکا تھا۔ مولانا نظامی نے ایسے خشک مضمون کو جس قدر دلچسپ ورنگین بنادیا ہے یہ ان کا اپنا حصہ ہے نقد ونظر سے متعلق بہت سی کتابیں اور بے شمار مضامین نظر سے گزرے مگر خون کے آنسو سے بڑھ کر کسی کو جاذب مطالعہ نہ پایا مصنف کا پوری ملت اسلامیہ پر ایک احسان عظیم ہے جو کبھی فراموش نہ کیا جاسکے گا۔

فاروق علی- رائے پور

مظفر پور ــــــــــــــــــــ

خون کے آنسو کا پوسٹر جس وقت میری نظر سے گزرا میں نے یہ سمجھا کہ جیسے اب سے پہلے ردوہابیہ میں کتابیں لکھی گئی ہیں اسی طرز کی یہ دوسری کتاب ہوگی چنانچہ وی پی وصول کرنے کے بعد کئی دن تک میرے سرہانے یہ کتاب پڑی رہی۔ ایک دن یوں ہی بے اعتنائی سے اٹھایا اور پڑھنا شروع کیا، چنانچہ مکمل بارہ گھنٹے میں پوری کتاب دیکھ گیا اور آج جب کہ میں اپنے تاثرات کا اظہار کر رہا ہوں۔ تقریباً اکیس بار اس کتاب کو پڑھ چکا اور مناظرہ کی کتابوں کا جو فائل ہے اس میں محفوظ کرلیا۔ میں جانتا ہوں کہ میدان مناظرہ میں یہ کتاب سیکڑوں پر بھاری ہے۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں جس سے خطیب مشرق علامہ نظامی کی خدمات کو سراہا جاسکے۔

خلیل الرحمن اشرفی

بھاگلپور ــــــــــــــــ

میں مولانا مشتاق نظامی کو اس وقت سے جانتا ہوں جب کہ ہم دونوں مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمن صاحب قبلہ کی درسگاہ میں پڑھتے تھے میں ان سے سینئر جماعت میں تھا اپنی فراغت کے بعد موصوف کی تقریر کا شہرہ سنا۔ مدتوں کے بعد جب ان کی تقریر سنی تو محو حیرت رہا۔

آج جب کہ " خون کے آنسو " دیکھی تو یہ نہ فیصلہ کرسکا کہ مولانا نظامی کو شاہکار قلم کہا جائے یا شاہکار خطابت سچ تو یہ ہے کہ وہ زبان و قلم دونوں کے بادشاہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔

اب تو میں خون کے آنسو سے میدان مناظرہ میں بہت ہی کام لیا کرتا ہوں

غلام مصطفےٰ۔ بھاگلپور

Rs. 100/-

RAZVI KITAB GHAR
425, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6
Ph:.011-23264524 Mobile. 9350505879